۷۸۶
۹۲
ان اللّٰہ لطیف خبیر
اللطیف
دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور

اللطیف

زیر ظلِ حمایت و سرپرستی

اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین شاہ سید محمد باقر

صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز

مُدیر اعلیٰ

حضرت مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری دامت برکاتہم العالی بی۔ اے

ناظم دار العلوم لطیفیہ (مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز)

مدیر مسئول:۔

مولانا مولوی سید حمید اشرف صاحب کچھوچھوی، یو۔پی، پروفیسر دار العلوم لطیفیہ

مدیران معاون:

مولانا مولوی عبد الواحد صاحب جونپوری یو۔پی
پروفیسر دار العلوم لطیفیہ

مولانا مولوی سید مصطفیٰ حسین صاحب بخاری کڈپوی
(لکچرار دار العلوم لطیفیہ و جنرل سکرٹری انجمن دائرۃ المعارف)

نمائندگان طلباء

مولوی محمد ابوبکر ملیباری سکرٹری انجمن دائرۃ المعارف دار العلوم لطیفیہ

سید شبیر احمد ملنیری نائب سکرٹری انجمن دائرۃ المعارف۔ دار العلوم لطیفیہ

کے۔ ایس۔ محمد صبغۃ اللہ کنجیوری نائب سکرٹری انجمن دائرۃ المعارف دار العلوم لطیفیہ

دار العلوم لطیفیہ

از سنہ ۱۳۸۷ھ تا سنہ ۱۳۸۸ھ
م سنہ ۱۹۶۸ء

مطبوعہ الیکٹرک قومی پریس معسکر بنگلور

۸۶
۹۲

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضامین	مضمون نگار	صفحہ
۱	نظم ...	قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین اعلیحضرت رکن الدین شاہ سید ابوالحسن قادری قُربی قدس سرہٗ ... ... (عطیہ: از عالیجناب مولانا ابو صالح عماد الدین شاہ سید محمد ناصر حسینی قبلہ قادری ظلہ العالی)	۱
۲	ابتدائے سخن ...	ادارہ	۲
۳	روئدادِ دارالعلوم لطیفیہ	ادارہ	۴
۴	شانِ غوثیت ...	عالیجناب مولانا ابوالحسن صدر الدین شاہ سید محمد طاہر صاحب قبلہ قادری ناظم دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ	۹
۵	علم نور ہے ...	جناب مولانا مولوی سید حمید اشرف صاحب مدرس دارالعلوم لطیفیہ	۱۴
۶	فلسفۂ انعام الٰہی	جناب مولانا مولوی عبدالواحد صاحب مدرس دارالعلوم لطیفیہ	۱۹
۷	سیرت النبی صلے اللہ علیہ وسلم	کے محمد آدم صاحب	۲۴
۸	مردِ باصفا: اعلیحضرت رکن الدین شاہ سید محمد قادری قدس سرہٗ	جناب مولوی سید مصطفیٰ حسین بخاری مدرس دارالعلوم لطیفیہ	۳۰
۹	اوقاتِ مخصوصہ میں مصافحہ کا ثبوت	جناب مولانا مولوی سید حمید اشرف صاحب مدرس دارالعلوم لطیفیہ	۳۵
۱۰	ہمارے اساتذہ ...	ادارہ	۴۲
۱۱	اسلام اور انسانی زندگی	جناب مولوی سید محمد انوار اللہ صاحب مدرس دارالعلوم لطیفیہ	۴۹
۱۲	ترجمۂ مکتوب عارف باللہ آیۃ من آیات اللہ سراج السالکین حضرت مولانا محی الدین شاہ عبداللطیف قادری رحمۃ اللہ الباری قطب ویلور	مترجم: جناب مولانا مولوی سید حمید اشرف صاحب مدرس دارالعلوم لطیفیہ	۵۵
۱۳	کیا مرنے کے بعد کوئی زندگی ہے؟	جناب مولوی محمد شبیر احمد صاحب اکرمی - مدرس دارالعلوم لطیفیہ	۶۰
۱۴	کیف کان اشتیاق الشہداء للحرب والضرب فی المعرکۃ	فضل بن حسن	۶۷
۱۵	انسان کا مقصد تخلیق	حافظ محمد ابراہیم	۷۱

نمبر	مضامین	مضمون نگار	صفحہ
۱۶	غزل خسرو	پیشکش از جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کامی ویلوری تحصیلدار	۷۶
۱۷	تلواروں کے نیچے بھی اعلان حق	مصطفےٰ کمال پاشاہ	۷۷
۱۸	اتحاد اسلام کی روشنی میں	ایس۔ ایم۔ کمال اللہ ظہوری	۸۲
۱۹	ایک اہم فتویٰ	جناب مولانا مولوی سید حمید اشرف صاحب مدرس دار العلوم لطیفیہ	۸۶
۲۰	مساوات اسلام کی روشن مثالیں	حافظ محمد کمال الدین عارف	۸۸
۲۱	شہر میسور میں ڈودن	جناب مولوی سید مصطفےٰ حسین بخاری مدرس دار العلوم لطیفیہ	۹۲
۲۲	حیات ابراہیمؑ اور قربانی کی ایجاد	ٹی۔ کے۔ نذیر احمد	۹۹
۲۳	توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے	جناب مولوی بشیر احمد صاحب کاٹپخوری مدرس دار العلوم لطیفیہ	۱۰۴
۲۴	سیرت حضرت عباسؓ	کے۔ محمد ابوبکر بیہ کاتی	۱۰۹
۲۵	حضرت خالدؓ بن ولید اور جنگی کارنامے	محمد سراج الدین	۱۱۳
۲۶	حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز پر ایک اجمالی نظر	کے ایس محمد صبغۃ اللہ	۱۱۷
۲۷	فاتح بیت المقدس سلطان صلاح الدین ایوبی	سید بشیر احمد	۱۲۱
۲۸	مسلمانوں کی ایجادات	سید محبوب پاشاہ عیدروس	۱۲۵
۲۹	دین اور اسکی حقیقت	مولوی محمد ابوبکر ملیباری	۱۳۰
۳۰	اسلام میں صوفیائے کرام کا زندۂ جاوید کارنامے	کے۔ ایم۔ احمد کمال الدین	۱۳۴
۳۱	گلہائے سعدی شیرازیؒ	جناب مولوی سید انوار اللہ صاحب مدرس دار العلوم لطیفیہ	۱۴۰
۳۲	گلہائے گلشن لطیفیہ	ادارہ	۱۴۱
۳۳	اعلیحضرت قربی کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ	جناب ڈاکٹر سید اعتشام ندوی ایم اے۔ ایم ٹی ایچ۔ پی۔ ایچ ڈی لکچرر شعبۂ عربی ونکٹیشور یونیورسٹی۔ تروپتی (آندھرا)	۱۴۵
۳۴	ہندوستان میں مسلم دورِ حکومت کا عدل و انصاف	کے۔ ایم۔ شاکر اللہ	۱۴۹
۳۵	تاریخی معلومات	محمد عتیق الرحمن	۱۵۲
۳۶	اسلام اور عالم انسانیت	سید مصطفےٰ قادری خسرو	۱۵۳
۳۷	خواتین اسلام	محمد اکرم	۱۵۷
۳۸	سبد گل	سید محمد اللہ بختیاری	۱۶۰
۳۹	اخبار اور اس کا مطالعہ	حافظ محمد بشیر الحق	۱۶۱
۴۰	قرآن حکیم اور ہماری زندگی	حافظ عبدالماجد عاقل	۱۶۴
۴۱	اقوال زریں	محمد ہارون احمد	۱۶۸
۴۱	مسکراہٹیں	سید حفیظ پیراں	۱۶۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظم

از قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین
شیخ المشائخ حضرت رکن الدین سید شاہ
ابو الحسن قادری قربیؔ رحمۃ اللہ علیہ

اب انا الحق بولنے شکنا عبث
میں خدا ہوں کیوں نہ کہنا بالیقیں

دل میں کچھ، ہور موں پو کچھ رُکنا عبث
وہم کے آتش اُپر پکنا عبث

ہر مزہ کی بات اپنے سات بول،
جب کہے اَلعِلمُ سِترٌ اعظمٌ

راز کم فہماں منے بکنا عبث
علم جو پردا ہے او سکنا عبث

عشق کی نعمت کا جن پایا مزہ
جب فنا ہے غیر حُسنِ لایزال

لذتِ دُنیا کو او چکنا عبث
اندھا ہو ہر خُوب کو تکنا عبث

قربیؔ اس نکتہ کا تُو تکرار کر،
اب انا الحق بولنے شکنا عبث ۱۲

عطیہ مولانا ابو صالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قادری مدظلہ العالی المعروف میراں پاشا صاحب ۱۲

ابتدائی سخن

از ادارہ

الحمد للہ والمنہ کہ دار العلوم لطیفیہ کا یہ سال بھی بخیر و خوبی تمام ہوچکا۔ طلبأ و اساتذہ، سرپرست و منتظمین سبھی حضرات اپنی اپنی ذمہ داریوں سے پوری طرح عہدہ برآ ہوے ہیں جس کے لئے حضرت سرپرست مدرسہ اعلیٰحضرت قبلہ اور حضرت ناظم مدرسہ اور مشفق و مکرم حضرت میراں باوشاہ صاحب قبلہ خاص شکریہ کے مستحق ہیں، جن کی عنایات و توجہات سے دار العلوم نے کامیابی کے ساتھ اپنا سفر طے کیا۔ حضرات طلباء کرام جو علوم دینیہ کی تحصیل کے لئے آتے ہیں، وہ مختلف مقامات کے ہوتے ہیں۔ طبائع و عادات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ ان میں بعض علم کی روشنی سے بالکل غیر مانوس ہوتے ہیں۔ اس لئے سب کی تربیت و اصلاح میں جو مشکلات اور دشواریاں پیش آتی ہیں، اس کو وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جنھیں اس کام کا کچھ تجربہ ہوا اور تعلیم و تربیت کی راہ میں مشکلات و صعوبتیں برداشت کی ہوں۔ حضرات منتظمین مدرسہ کو اس کا خاص خیال ہوتا ہے کہ طلبأ لکیر کے فقیر ہی نہ رہیں بلکہ اپنے اخلاق و عادات میں بھی علماء اسلاف اور بزرگان دین کے اخلاق و اوصاف کا نمونہ ہوں۔ پنجوقتہ نماز کا پابند بنایا جاتا ہے، تلاوت قرآن بعد نماز فجر طلباء کے لئے لازم ہے۔ اوقات تعلیم مطالعہ و مذاکرہ کے لئے اوقات مقرر ہیں۔ اس سے جہاں طلبأ میں اپنے فرائض منصبی، ذمہ داری، حقوق و واجبات، ڈسپلن و نظم و ضبط کا احساس ہوتا ہے وہاں مدرسہ کی تعلیمی رفتار میں بھی ترقی ہوتی رہتی ہے لیکن ظاہر ہے اجنبی اور غیر مانوس طلباء کا دار العلوم کے ماحول میں پوری طرح رنگ جانا یہ کوئی آسان کام نہیں ہے، بڑا صبر آزما مرحلہ ہے۔ بڑی حکمت عملی اور حسن تدبر کی ضرورت ہے بموجب آیت قرآنی اُدعُ الیٰ سبیل ربّك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ یعنی اللہ کے راستہ کی طرف حکمت، اور عمدہ نصیحت کے ساتھ لوگوں کو بلاؤ، اور دوسری جگہ فرمایا ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولك یعنی اے رسول اگر آپ بد خُلق اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس تک نہ پھٹکتے۔

قرآن کریم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس اسوۂ حسنہ کی تعلیم دی گئی ہے اُسی اُسوۂ حسنہ سے کام لے کر بزرگان حضرت مکان بھی رُشد و ہدایت کا کام انجام دیتے رہے ہیں۔ اور آج بھی دے رہے ہیں۔ آج بھی حضرات مکانِ قطب ویلور کی یہ دلی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ جو بھی طالب علم مدرسہ میں داخل ہو، وہ عالم باعمل اور فاضل بے بدل ہو کر مدرسہ سے نکلے، اور جب تک وہ خود منصب رُشد و ہدایت کے لائق نہ ہو جائے مدرسہ سے جُدا نہ ہو۔ اس درمیان میں اگر کوئی طالب علم اپنی بدقسمتی سے بغیر تکمیل علوم دینیہ مدرسہ سے چلا جاتا ہے تو باوجود اس کے کہ وہ حضرات مکان و منتظمین مدرسہ کے جذبات و احساسات کو مجروح کرتا ہے، خود اپنی نااہلی کا ثبوت پیش کرتا ہے، کہ تمام مواقع اور سہولتوں کے باوجود وہ اپنے کو کسی قابل نہ بنا سکا۔ علم دین کی فضیلت و اہمیت جو احادیث میں بیان کی گئی ہے وہ بارہا انہیں صفحات میں آپ کے سامنے پیش کی جاچکی ہے۔ اب یہاں ان سب باتوں کے دُہرانے کی ضرورت نہیں لیکن پھر بھی اس قدر کہ کرنا ضروری ہے کہ علم دین کی

جو شمع حضرات اقطاب ویلور نے روشن کی تھی آج بھی الحمد للہ پوری آب و تاب کے ساتھ اسی طرح روشن ہے۔ الحاد و دہریت، بے دینی، اور مذہب سے بیگانگی کے باوجود اس کی تنویر و ضیاپاشی میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ یہ درحقیقت منتظمین مدرسہ کے خلوص، نیک نیتی، اور حسن عمل کا نتیجہ ہے جو دار العلوم پوری کامیابی کے ساتھ اپنی راہ پر گامزن ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک زمانہ آئے گا جب دین پر قائم رہنا ایسا ہی مشکل ہوگا جیسے انگارہ کو ہاتھ میں لینا۔ ظاہر ہے اس زمانہ کی خرابی و بدتری سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ ایسے دورِ ظلمت میں مدرسہ کا پورے تعاون، نظم و یکجہتی کے ساتھ اپنی خدمات انجام دینا، یہ تو پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ بلکہ درحقیقت یہی بات ہے، حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم ہی سے مدرسہ کی بنیاد رکھی تھی تو جب حکم اور مرضی آپ کی تھی، تو کیا آپ کی دستگیری نہ ہوتی ہوگی؟ بلکہ بقول مولوی مسعود علی محوی مرحوم بی اے علیگڑھ، حضور علیہ السلام کی شان تو یہ ہے ؎

با دوستاں نمود وفا جاں نثار ساخت　-　بر دشمناں فزود کرم شرمسار کرد

با ہر کہ بست عقدِ ولا استوار بست　-　با ہر کہ کرد عہدِ وفا پائیدار کرد

جب دشمنوں پر آپ کے رحم و کرم کا یہ حال ہے تو کیا اپنے دوستوں پر آپ کا کرم نہ ہوگا — بلکہ تھا، ہے، اور رہیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

وہ طلبا بہت ہی خوش قسمت ہیں جو اس مقدس ادارہ میں اپنے روز و شب بسر کرتے ہیں اور اپنے دامنِ مراد کو گوہرِ علم سے بھرتے ہیں، بزرگانِ دین کی صحبت میں رہنا کیا کوئی معمولی نعمت ہے جبکہ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

یک زمانہ صحبتے با اولیأ　-　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا۔

وما علینا الا البلاغ

روئداد دارالعلوم لطیفیہ

از ادارہ

دُنیا میں انسان نے ہر طرح کی مادّی ترقی کی، بڑے بڑے کارخانے اور فیکٹریاں قائم کیں۔ عمدہ اور انواع و اقسام کے آرائش و زیبائش کے سامان تیار کئے۔ ہوائی جہاز و بحری جہاز تیار کیا۔ ریلیں اور موٹر ایجاد کیا۔ جس نے مہینوں کا راستہ دنوں میں اور دنوں کا راستہ گھنٹوں میں طے کرا دیا۔ لیکن اسکے باوجود اگر بنظرِ تحقیق دیکھا جائے تو اس ترقی کا حاصل اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ انسان پرندہ بن کر ہوا میں اُڑنے لگا، مچھلی بن کر دریاؤں میں تیرنے لگا اور جانور بن کر صحرا اور میدانوں میں دَوڑنے بھاگنے لگا، گویا ترقی کر کے مچھلی، پرندہ اور جانور سب کچھ بن گیا، لیکن انسان نہ بن سکا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا نائب و خلیفہ بنایا، تمام کائنات کو انسان کے لئے مسخر اور تابع فرمان کر دیا تو انسان کے لئے لازم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق و فرائض کا بھی پاس و لحاظ رکھتا اور اپنے کو خدا کے حضور جواب دہ اور پابند سمجھتا، بقول حضرت سعدیؒ ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند — تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار — شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

بادل، ہوا، چاند، سورج، زمین، آسمان، سب انسان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں تو ایسی حالت میں اگر انسان خدا کی فرماں برداری نہ کرے تو بڑے ظلم کی بات ہے۔ لیکن آج صورتِ حال یہی ہے، کہ انسان خدا کا باغی ہو گیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ کائنات کی ہر شئے انسان سے باغی ہو گئی ہے۔ امن و امان دنیا سے ختم ہو گیا ہے۔ مشرق سے لیکر مغرب تک اور شمال سے جنوب تک ساری دُنیا خوف و ہراس، بدامنی، ظلم و فساد، وحشت و بربریت کی بھٹی میں، جل رہی ہے۔ حکومتیں طرح طرح کے منصوبے اور پلانیں تیار کرتی ہیں، مگر نتیجہ صفر کے برابر ہی رہتا ہے، بقول شاعر

مریضِ عشق پر رحمت خدا کی

مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دَوا کی

اسی طرح ہر تدبیر کے باوجود تباہی و بربادی بڑھتی ہی جاتی ہے۔ ان تمام مصائب و آلام کی واحد وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے منصب اور حیثیت کو فراموش کر دیا یعنی ہماری حیثیت خدا کے سامنے جوابدہ اور نائب کی تھی لیکن ہم اپنے کو مطلق العنان اور قادر علی الاطلاق سمجھنے لگے۔ تو اب ان حالات میں انسان پھر جبتک مقامِ انسانیت پر نہیں آتا دنیا سے کسی صلاح و فلاح کی امید رکھنا لغو و فضول ہے۔

مقامِ انسانیت ہی درحقیقت مرتبۂ نیابت و خلافت الٰہیہ ہے جس کی تعمیر و تشکیل کے لئے اللہ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ کام اہم و اعظم نہ ہوتا تو خصوصیت کے ساتھ انبیاء کو مبعوث نہ فرماتا۔ اسی لئے تو مرزا غالب نے کہا ہے۔ شعر

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا

آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

بہرحال اس پرآشوب و پرفتن دور میں یہ دینی و مذہبی ادارے

و مدارس بہت غنیمت ہیں، جو تعمیر و تشکیل انسانیت کی عظیم الشان خدمات انجام دے رہے ہیں۔ بالخصوص دارالعلوم لطیفیہ جو ہر حیثیت سے ایک منفرد اور مثالی کردار کا حامل رہا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کو عمر خضر بخشے اور اس کے فیوض و برکات کے چشمے ہمیشہ اُبلتے رہیں۔

اب دارالعلوم کی مختصر روداد پیش کیجاتی ہے:-

انجمن دائرۃ المعارف کے جلسے

فن تقریر و خطابت میں طلباء کو مشاق و قادر بنانے کے سلسلہ میں انجمن مذکور کا ہفتہ میں ایک اجلاس (جس میں دو نشستیں ایک شب جمعہ دوسری روز جمعہ ہوا کرتی ہیں) اساتذۂ دارالعلوم کی نگرانی میں منعقد ہوا کرتا ہے کبھی کبھی طلباء کی تقریری صلاحیتوں کا جائزہ لینے کیلئے حضرت ناظم مدرسہ جلسہ کی صدارت فرماتے ہیں۔ اس طرح طلباء میں اپنی تقریری صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کا زیادہ سے زیادہ حوصلہ ہوتا ہے۔

انشاپردازی

فن تقریر کی طرح فن تحریر بھی علمی صلاحیت ولیاقت کا آئینہ دار ہے۔ اس کے لئے طلباء کو ہفتہ میں کسی عنوان پر ایک مضمون لکھنا ضروری ہوتا ہے جس کی جانچ و اصلاح حضرت ناظم صاحب خود فرماتے ہیں، یا اگر آپ دفتر کے کاموں میں زیادہ مصروف و مشغول رہے تو اساتذۂ دارالعلوم میں سے کسی کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اس طرح طلباء میں تحریری صلاحیت بڑھتی جاتی ہے۔

ایڈیٹوریل بورڈ

طلباء کی تحریری صلاحیتوں میں اضافہ کرنے کے لئے ایڈیٹوریل بورڈ قائم ہوا۔ تاکہ طلباء میں یہ جذبہ اور شوق پیدا ہو کہ ان کا مضمون رسالہ اللطیف میں شائع ہونے کے قابل ہو سکے۔ لڑکوں کو بورڈ کی طرف سے ترغیب و توجہ دلائی جاتی ہے۔ وقتاً فوقتاً ان کو مناسب رہنمائی کی جاتی ہے تاکہ وہ اپنے مضمون کو بہتر سے بہتر بنا سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی کوششوں کو بارآور فرمائے۔

سہ ماہی و ششماہی امتحان

دارالعلوم کا سہ ماہی و ششماہی امتحان تقریری و تحریری سب دارالعلوم کے اساتذہ ہی لیا کرتے ہیں۔ سوالات کے پرچے خود اساتذۂ دارالعلوم بناتے ہیں اور لڑکوں کو ان کے حسب استحقاق نمبر دیتے ہیں۔ نمبر کے بارے میں حضرت ناظم مدرسہ کی خاص ہدایت ہوتی ہے کہ لڑکوں کو ان کا حق ضرور دیا جائے۔ مگر رعایت سے پاس کیا جائے۔ تاکہ لڑکوں میں محنت اور جدوجہد کا احساس و فکر ہو۔ سہ ماہی و ششماہی کے اعلان نتائج کے وقت حضرت ناظم صاحب کی تقریر جو نصیحت و فضیحت دونوں پر مشتمل ہوتی ہے بڑی کارگر ہوتی ہے جو لڑکوں کے تعلیمی سفر کے لئے مشعل راہ ہوتی ہے۔

سالانہ امتحان و انعامات

سالانہ امتحان کے پرچے باہر کے ممتحن بناتے ہیں اور وہی پرچے جانچ کر نمبر مقرر کرتے ہیں۔ سالانہ امتحان کے اعلان نتائج کے موقع پر علماء اور خواص کا اجتماع ہوتا ہے۔ اس میں منتہی طلباء اور علماء کرام کی تقریریں ہوتی ہیں اور کامیاب ہونے والے طلباء کو انکی ہمت افزائی کیلئے انعامات تقسیم کئے جاتے ہیں۔

شعبۂ حفظ امتحان و انعامات

شعبۂ حفظ کا سالانہ امتحان لینے کے لئے باہر سے حافظ بلائے جاتے ہیں۔ شعبۂ حفظ میں کامیاب ہونے والے طلباء کو بھی انہیں انعامات سے نوازا جاتا ہے جن سے مولوی، عالم و فاضل کے طلباء کو نوازا جاتا ہے۔ تجوید و قرأت کی مشق کے لئے ہفتہ وار اجلاس کے موقع پر طلباء سے قرأت سنی

جاتی ہے تاکہ وہ قرآن تجوید و ترتیل کے ساتھ بخوبی پڑھ سکیں۔

اسبابِ صحت

اوقاتِ تعلیم کے بعد عصر اور مغرب کے درمیان لڑکوں کو جسمانی ورزش کا موقع دیا جاتا ہے۔ اس کے لئے مدرسہ کی طرف سے مختلف کھیلوں کا انتظام کیا جاتا ہے۔ مثلاً والی بال۔ بیڈمنٹن۔ ٹنی کائیٹ وغیرہ
اس طرح لڑکوں کی سستی و تھکن بھی دور ہوتی ہے اور جسمانی ورزش بھی ہوتی ہے جو صحت و تندرستی کے لئے ضروری ہے۔

امتحان سپورٹس و انعامات

تعلیمی امتحان کی طرح لڑکوں کے کھیل کا بھی امتحان ہوتا ہے۔ اس کے لئے باقاعدہ ریفری مقرر ہوتے ہیں جو دیانت و انصاف کے ساتھ کامیاب ہونے والوں کے درجات مقرر کرتے ہیں۔ کھیل میں اول و دوم آنے والوں کو انعامات سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

نصابِ عالم

عالم کا کورس دو سال کا ہے سال اول میں جلالین، مشکوٰۃ، شرح عقائد نسفی، ہدایہ اولین، محلّی، اخلاق ناصری، ملا حسن ہے۔
سال دوم میں بخاری، مسلم، ترمذی۔ ہدایہ آخرین، محلّی ثانی، سراجی، دیوانِ حافظ، تفسیر مدارک، داخلِ درس ہے۔

نصابِ فاضل

فاضل کا کورس بھی دو سال کا ہے۔ سال اول میں طحاوی، بیضاوی، مسلم الثبوت۔ میر زاہد، ملا جلال، بلبندی، حماسہ، سکندر نامہ ہے۔ سال دوم میں فصوص الحکم، جواہر الحقائق، جواہر السلوک، تحفہ مرسلہ، احیاء العلوم، حجۃ اللہ البالغہ، ابن ماجہ، معجز مصطفائی پڑھائی جاتی ہے۔

ختمِ دورۂ حدیث

دورۂ حدیث شریف کا ختم اعلیحضرت قبلہ سرپرست مدظلہ کے حجرۂ مبارکہ میں ہوتا ہے جس میں فارغ التحصیل طلباء آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ہوتے ہیں۔ ایصالِ ثواب، دعا اور تقسیم شیرینی پر محفل برخواست ہوتی ہے۔ ختم دورۂ حدیث کے لئے ۱۵ رجب کی تاریخ مقرر ہے۔

تقسیم اسناد جبہ و دستار

فارغ ہونے والے طلباء کو خواہ حافظ ہو یا عالم سندِ فضیلت مع دستار و عبا اعلیحضرت قبلہ کی طرف سے عطا کی جاتی ہے جو فارغین کیلئے موجبِ برکت و سعادت ہوتی ہے۔

سالانہ افتتاحی اجلاس انجمنِ دائرۃ المعارف

انجمن دائرۃ المعارف کا سالانہ افتتاحی اجلاس مورخہ ۲ مارچ شب یکشنبہ بوقت ۱۰ بجے زیر صدارت عالیجناب عزت مآب اعلیحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین خانقاہ حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز منعقد ہوا جس میں جنوبی ہند کے مقتدر صحافی عالیجناب مولانا محمد عبد اللطیف صاحب فاروقی مدیر روزنامہ "مسلمان" مدراس نے طلباء دار العلوم سے خطاب فرمایا۔ آپ نے گذشتہ مسلمانوں کی کامیابی اور موجودہ مسلمانوں کے زوال و پستی کے اسباب و وجوہ پر تاریخ اسلام کی روشنی میں بہت بسوط و عبرت انگیز تقریر فرمائی۔ مختصر لفظوں میں یوں سمجھئے کہ آپ کی تقریر کا پورا خلاصہ ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر ہے۔

وہ زمانہ میں معزز تھے مسلماں ہوکر - اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

یہ شعر حقیقت و واقعیت کی سچی تصویر ہے کہ مسلمانوں کے زوال کا سبب یہی ہے کہ وہ تعلیم اسلامی اور کردار و عمل سے بیگانہ ہو گئے ہیں، جس کی وجہ سے رحمتِ خداوندی نے بھی منہ موڑ لیا ہے۔ اب اس کا واحد علاج یہ ہے کہ مسلمان اپنے قول و عمل و اعتقاد سے سچے مسلمان بنیں۔

دورانِ تقریر میں آپ نے تعلیم نسواں کی اہمیت کی طرف بھی توجہ دلائی اور کہا کہ بچہ کی پہلی درسگاہ ماں کی گود ہوتی ہے۔ اس لئے ماں کی تعلیم و تربیت کا اثر بہت جلد بچہ قبول کرتا ہے۔

آخر میں آپ نے بتایا کہ کامیاب مقرر وہ ہے جس میں خود اعتمادی بھی ہو اور قول و عمل میں مطابقت بھی ہو، ورنہ اسکی تقریر کی حیثیت صدا بصحرا سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوتی۔

آپ کے بعد عالیجناب مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری بی اے مدظلہ العالی ناظم دارالعلوم لطیفیہ نے سامعین کو خطاب فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ زمانہ کورانہ تقلید کا نہیں ہے۔ وہی قومیں ترقی کی منزلوں پر پہنچتی ہیں جو تحقیق و تنقید سے کام لیتی ہیں۔ یہ تمام علوم و فنون، ریاضی، تاریخ، جغرافیہ، علم ہیئت، منطق و فلسفہ، تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام وغیرہ ہمارے اسلاف کرام ہی کی تحقیقات اور دماغی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ جب مسلمانوں میں تحقیق و ریسرچ کا سلسلہ بند ہو گیا اور محض کورانہ وجامد تقلید پر انہوں نے قناعت کر لیا تو زوال و ادبار مسلمانوں پر مسلط ہو گیا۔ لہٰذا اب ہم اپنا کھویا ہوا مقام اسی وقت حاصل کر سکتے ہیں، جب ہم نظرِ دقیق کے ساتھ حقائق کا مطالعہ کریں، اور اپنی اندر نظری اور علمی تحقیق کی بات کھرے کھوٹے کو پرکھ سکیں

غلط و صحیح کا امتیاز ہم خود کر سکیں۔ صرف کنویں کا مینڈک بن جانے سے دین و دنیا کا کوئی مسئلہ حل ہونے والا نہیں ہے۔ آپ نے آخر میں فرمایا کہ مذہب اسلام ایک زندہ و پائندہ مذہب ہے جو تمام عالم کے لئے پیغام حیات ہے اور اس میں خود فطری کشش ہے۔ اگر عمدہ طریقے سے اسکی تعلیمات کو اقوام عالم کے سامنے پیش کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا اسکی خوبیوں کی معترف نہ ہو لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ حالات حاضرہ بھی ہمارے نظر ہو۔ موجودہ دور کے علمی ہتھیاروں سے بھی ہم مسلح ہوں۔ جبھی ہم قوم کی رہنمائی اور اصلاح و تبلیغ کا فرض ادا کر سکتے ہیں۔

آخر میں صلوٰۃ و سلام پر جلسہ بحسن و خوبی برخاست ہوا۔

انجمن کے مخصوص جلسے

۱۲ ربیع الاول اور گیارہ ربیع الثانی کو تمام طلباء اور اساتذہ دارالعلوم اور حضرت ناظم صاحب قبلہ نے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور غوث الاعظمؒ کی سوانح حیات اور سیرت طیبہ کے مختلف گوشوں پر مختلف طرز و انداز سے روشنی ڈالی جس کا سماں بہت پر کیف تھا۔

۱۵ اگست کو یوم آزادی کے موقع پر اساتذۂ دارالعلوم اور حضرت ناظم مدظلہ نے عنوان آزادی پر تقریریں کیں۔ یہ تمام جلسے زیر صدارت اعلیٰحضرت عظیم البرکت سجادہ نشین حضرت مکان منعقد ہوئے۔

دارالمطالعہ

طلباء کی مختلف دینی دنیوی، سیاسی، مذہبی معلومات کے لئے متعدد رسائل و اخبار کے مطالعہ کا اجرا کیا گیا ہے، تاکہ لڑکے دنیا کی رفتار اور اسکے سیاسی حالات سے بھی باخبر رہیں۔ وہ سرد مہری اور بے حسی کا شکار نہ ہوں۔ اس طرح دارالعلوم کے ماحول میں رہ کر ان کا سیاسی شعور اتنا پختہ ہو کہ دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کے قدم بہ قدم چل سکیں۔

دار التصنیف والاشاعۃ

دار التصنیف کا قیام جس مقصد کے لئے عمل میں آیا بحمداللہ وہ اس میں سو فی صد کامیاب ہے۔ اب تک حضرات اقطابِ ویلور کی مختلف تصنیفات کے تراجم و شروح منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ انشاء اللہ اس سال انشاء عقائد ویلوری کا پہلا حصہ اصل کتاب مع ترجمہ شائع ہوگا (فالحمد للہ علیٰ ذالک)

پیغامِ مسرت

گذشتہ کی طرح اس سال بھی دس لڑکے افضل العلماء، منشی اور ادیب مدراس یونیورسٹی کے امتحان میں شریک ہوئے اور سب کامیاب ہوئے۔

اطبا و ڈاکٹروں کی خدمات

ان اطباء اور ڈاکٹروں کی خدمات میں تہ دل سے ہم ہدیۂ تشکر پیش کرتے ہیں جنہوں نے علیل و مریض طلباء کی جانب اپنی خصوصی توجہ مبذول فرمائی اور ان کی صحت و تندرستی بحال کرنے میں بھر ممکن مدد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے نوازے اور ان کے دلی مقاصد کو پورا فرمائے۔ آمین

مدیرانِ اخبار و مطابع کی خدمات

مدیران اخبار مسلمان۔ آزاد سالار۔ پاسبان، اور مولوی عبدالمتین صاحب مالک الیکٹرک قومی پریس ویلور ہم ان سب حضرات کے از تہ دل مشکور ہیں، جنہوں نے ہماری مختلف کارروائیوں کی رپورٹوں کو شائع فرماکر ہماری ہمت افزائی کی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان سب پر اپنا رحم و فضل فرمائے اور دینی و دنیوی ترقیوں سے ہمکنار کرے۔ آمین۔

(سلسلۂ بقیۂ مضمون صفحہ ۲۲ فلسفۂ انعام الٰہی) یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ہم کو صرف شہادت سے سزا دی گئی۔ چنانچہ اس استفہام کے جواب میں وہ اقرار کریں گے قالوا بلیٰ کہیں گے۔ ہاں پیغمبر بیشک آئے تھے ولکن حقت کلمۃ العذاب علی الکافرین مقصود اس سے اپنے حال کو تقدیر کے حوالہ کرنا نہیں بلکہ صرف اظہار حسرت ہے۔ قیل ادخلوا ابواب جھنم خالدین فیھا فبئس مثوی المتکبرین۔ (ترجمہ) کہا جائے گا یعنی فرشتے کہیں گے اچھا دوزخ میں چلو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

پس وہ بُری جگہ ہے متکبرین کے لئے۔ یہاں تک حقتعالی شانہ کی شان نکالی کا ذکر ہے۔ گو آیت میں اور تفصیل کی گنجائش ہے مگر طوالت کی وجہ سے اس مضمون نکال کو یہاں ہی ختم کرتا ہوں۔ دو شانیں حقتعالیٰ کی جمال اور کمال کی باقی ہیں ان کو حقتعالیٰ نے چاہا تو دوسرے وقت ان کے واسطے ایک مستقل مضمون شائع کیا جائے گا۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وصلے اللہ تعالیٰ علیہ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

اب اس کے بعد دعائے عاجز ہے کہ حقتعالی جمیع مسلمین اور ان کے طفیل میں اس عاجز ناکارہ کا بھی خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

ناظم دار العلوم
لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز

حمد و ثنا اللہ رب العالمین کے لئے ہے جس نے اس خاکدانِ عالم کے اندر ایسے ایسے خاصانِ خدا پیدا فرمائے جن سے قدرتِ الٰہی کے کرشمے صادر ہوتے رہے ہیں، "شانِ غوثیت" کے مہتم بالشان عنوان پر کماحقہٗ اور سیر حاصل بحث کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ کیونکہ یہ وہ دریائے ناپید اکنار ہے جس کی وسعت و گہرائی کا اندازہ ہو نہیں سکتا۔ اس وقت اس موضوع پر قلم اٹھانے کا مقصد چند اُن پوشیدہ گوشوں کو اُجاگر کرنا ہے، جو عام نظروں سے اوجھل رہے ہیں۔ اور جن کا تعلق علمِ سینہ سے ہے نہ کہ علمِ سفینہ سے۔

یہ تو ظاہر ہی ہے کہ مختلف گلہائے رنگا رنگ مضامین اور کثیر التعداد تصانیف میدانِ شریعت و معرفت، حقیقت و طریقت میں آپ کے نوکِ قلم سے وجود میں آئیں جس میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دئے گئے ہیں۔ سادگی و صداقت کے اَنمول خزانے ہیں جن کے پڑھنے سے عقلِ انسانی دنگ رہ جاتی ہے بطورِ مثال آپ کی چند تصانیف کے اسمائے گرامی پیشِ نظر کی جاتی ہیں۔

فتوح الغیب ایک معرکۃ الآراء تصنیف ہے۔ اس میں ایسی حکمت بھری ہدایتیں ہیں جن کو پڑھنے سے ایمان میں عجیب تقویت و تازگی محسوس ہوتی ہے۔

غنیۃ الطالبین ایک جامع تصنیفِ لطیف ہے اس سمندر میں غوطہ لگا کر انسان اپنے مقصود کے گوہر پاتا حاصل کر سکتا ہے۔

مواعظِ حسنہ نادر الوجود مواعظ کا مجموعہ ہے۔

سلوک و تصوف۔ حقائق و دقائق کے اسرار و رموز فاش کر دئے گئے ہیں۔ مسائل لافانی و لاثانی بیان کئے گئے ہیں جو دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

آپ کے وعظ کے موقع پر جبکہ آپ کی تبلیغ اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا ستر ہزار اشخاص سے زیادہ تعداد میں لوگ جمع ہوا کرتے تھے، اس مبارک مجلسِ وعظ میں کہا جاتا ہے کہ پیغمبروں کی ارواحِ مقدسہ اور ملائکہ بھی شریک رہتے۔ یہود و نصاریٰ اور جنات بھی کثیر تعداد میں شرکت کرتے۔ آپکی آواز نزدیک و دور یکساں سماعت کی جاتی تھی۔

ان مواعظ کا وہ اثر تھا کہ سینکڑوں ہزاروں کی تعداد

میں یہود و نصاریٰ اور جنات آپ کے دست حق پرست
پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ کے مبارک زمانے میں آپ
کی ذات پر انوار سے دین اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہوئی۔

ایک بزرگ کے حالات میں تحریر ہے کہ ایک روز ان
کا گذر کسی شاہراہ عام سے ہو رہا تھا، ایک شخص جس کی
بکری کہیں گم ہو گئی تھی اتفاق سے وہ بھی وہاں پہنچا حضرت
موصوف کو دیکھتے ہی کہا کہ آپ ہی نے میری بکری چرائی
ہے۔ برسر بازار چوری کے الزام سے وہ بزرگ بہت حیران
و پریشان ہوئے لیکن وہ شخص برابر اصرار و ضد کرتا رہا کہ
اسکی بکری اسے واپس دے دیں۔ محترم بزرگ نے شرمندگی
و رنجیدگی کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہوئے کہ
"یا اللہ تو اس کی بکری بھیجدے اور مجھے اس ذلت و رسوائی
سے بچالے" ختم دعا کے ساتھ ہی وہ بکری آپہنچی۔ بکری
پاتے ہی شخص مذکور بہت ہی خوش ہوا اور آپ سے معذرت
کرنے لگا۔ کہ میں بخوبی واقف ہوں کہ آپ کی ذات گرامی
سے کبھی اس جرم کا صدور نہیں ہو سکتا تھا، لیکن آپ کی دعا
کی برکت سے ہی وہ بکری مجھے حاصل ہو سکتی تھی۔ اس لئے
مجبوراً آپ کی جناب میں میں نے گستاخی کی تاکہ اسی حیلہ سے
میرا مقصود حاصل ہو۔ ورنہ ہماری دعا میں وہ اثر کہاں۔!
لہٰذا اپنی تقصیر کی معافی کا طلبگار ہوں۔

جب ان بزرگوں کی دعا کا یہ اثر ہے تو سراج اولیاءؒ
کی دعا کا کیا اثر نہ ہوگا؟

سرکار غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کے مرید خاص سے
ایک وقت ابلیس کی ملاقات ہوئی۔ اس نے انہیں ایک
مراقبہ بتایا اور اس کے عمل کا طریقہ بھی سکھایا۔ جب اللہ
کا فضل کسی پر ہوتا ہے تو کسی طرح اسکی ہدایت کا سامان
ہو جاتا ہے۔ دفعتاً انہیں خیال آیا کہ اپنے پیر و مرشد سے
اسکی اجازت حاصل کریں۔ اس خیال کے آتے ہی وہ فوراً
حضرت والا کی خدمت میں پہنچے۔ اور سارا واقعہ سنایا۔ وہ تو
پیر روشن ضمیر تھے۔ سنتے ہی آپ نے فرمایا کہ کہتا تو سچ ہے،
لیکن قابل اعتبار نہیں ہے۔ دھوکہ باز ہے۔ آئندہ دھوکہ
دیگا۔ پیران پیر دستگیر کی دستگیری سے وہ ابلیس کے پھندے
سے بچ گئے۔ اور ایمان میں کسی قسم کی خلل اندازی ہونے
نہ پائی۔

سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری
رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سبب سے کسی نہ کسی پیر کے
ہاتھ پر بیعت کرنا ضروری ہے تاکہ بروقت صحیح رہبری اور
دستگیری ہو۔ ایک اور موقع پر قبر کے سوال و جواب سے
متاثر ہو کر آپ نے اپنے ملفوظات میں بیعت کی اہمیت پر زور
دیا ہے۔ حضرت رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قادری قربانی
رحمۃ اللہ علیہ میزان العقائد میں اور حضرت مولانا شاہ
محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری قطب ویلور رحمۃ اللہ
علیہ نے جواہر سلوک میں بیعت کا کرنا سنت بتایا ہے۔ یہ
سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ حضرت
امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جس کا کوئی
پیر نہ ہو اس کا پیر شیطان ہے۔

عقیدتمندی کی ایک بے نظیر مثال ملاحظہ ہو:-
ایک خاتون، سرکارِ غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے سچی عقیدت و دلی محبت رکھتی تھی۔ ہر سال ربیع الثانی کے مہینے میں اپنے گھر کے در و دیوار کی صفائی و سفیدی کرا کے ادب و احترام کے ساتھ گیارھویں شریف کی نیاز ادا کرتی۔ مسلمان باورچی سے لذیذ و مرغن کھانا تیار کرتی اور بہت سے مسلمانوں کی پُرتکلف ضیافت کرتی، یہ اُس کا معمول تھا۔

ایک سال حسبِ عادت گیارھویں کے نیاز کی پوری تیاری کی اور اپنی تمام خدمات انجام دی۔ لیکن اتفاق سے عین گیارھویں شریف کے روز اس کو دست آنا شروع ہوگئے۔ اور دست میں زیادتی کی وجہ سے حالت قریب المرگ کے پہنچ گئی۔ اپنے دونوں فرزندوں کو اپنے پاس بلایا اور انہیں نصیحت کی کہ دیکھو اب میرا وقت قریب ہے۔ میری موت پر غم نہ کریں۔ مجھے فلاں کمرہ میں رکھ دیں، اور باہر سے تالا لگا دیں۔ ضیافت میں شرکت کے لئے جو مہمان آئینگے ان تمام کی برابر خاطر و مدارات کرنا اور باقاعدہ انتظام کرنا۔ اور میرا حال کسی پر ظاہر نہ کریں۔ اس وصیت سے کچھ دیر بعد اس خاتون کا انتقال ہوچکا۔ حسب ہدایت دونوں فرزندوں نے پورے ضبط و تحمل اور صبر و استقلال کے ساتھ تمام خدمات انجام دیں۔ اختتامِ ضیافت کے وقت ایک بزرگ کی تشریف آوری ہوئی۔ ان کو بھی اندر لے گئے۔ دسترخوان کھانوں سے آراستہ کر دیا۔ اور کھانے کی اجازت دی۔ لیکن بزرگ نے کھانا تناول فرمانے سے انکار کیا اور کہا کہ جبتک میزبان نہ آئینگی ہم نہ کھائینگے، ان کے اس جملہ سے دونوں نونہالوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ آپ نے سبب دریافت کیا۔ عزیز بچوں نے سارا ماجرا کہہ سنایا اور کہا کہ فلاں مقام میں لاش پڑی ہے۔ اس کمرہ کا قفل کھولنے کا حکم ہوا تو فوراً ارشاد کی تعمیل ہوئی۔ آپ نے اس لاش کی طرف اشارہ کرکے اٹھنے کا حکم دیا، تو وہ خاتون زندہ ہوکر اُٹھ بیٹھی اور بزرگ آناً فاناً غائب ہوگئے۔ یہ بالکل صحیح اور مشہورِ عالم واقعہ ہے اور سرکارِ غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک زندہ کرامت ہے:-

ایک اور واقعہ جو پہلی بار منظرِ عام پر آرہا ہے، وہ 1956ء کا ہے۔ دادامیاں صاحب ساکن منبور رہ الدین بابا صاحب انسپکٹر آف پولیس نے حضرت مولانا ابو الفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبد القادر قادری رحمۃ اللہ علیہ سے جو اُس وقت سجادہ نشین مکانِ حضرت قطب ویلور تھے بیعت سے مشرف ہونے کی درخواست پیش کی۔ وہ ذیابیطس کے مریض تھے۔ پیشاب کثرت سے ہوا کرتا تھا۔ اور ہر دس پندرہ منٹ پر انہیں پیشاب کی حاجت ہوتی تھی۔ جب بیعت کی اجازت حاصل ہوئی تو غسل کرکے پاک و صاف کپڑے پہن کر آپ کی خدمت میں پہنچے، اس وقت شام کے چار بجے تھے۔ سب لوگ حجرے میں جمع تھے۔ اعلیٰحضرت قبلہ کے دستِ حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ وہ ایک عجیب کیف آور منظر تھا اور جب ان کے حق میں دعا کی جارہی تھی تو سب حاضرین مجلس

بیک وقت آمین کہہ رہے تھے۔ دُعا بڑی ہی مؤثر تھی۔

اس موقعہ پر ایک خاص بات قابلِ ذکر یہ ہے، کہ صاحب موصوف کی آمد سے لے کر بیعت سے فارغ ہوکر واپس جانے تک شاید درمیان میں کامل ایک گھنٹہ کا عرصہ گذرا ہوگا۔ لیکن اس اثنا میں ان کو پیشاب کی بالکل ضرورت محسوس نہ ہوئی جس کا مشاہدہ تمام حاضرینِ مجلس نے کیا۔

ان کے بعض احباب کا کہنا ہے کہ انتقال سے ایک ماہ قبل بیماری کی وجہ سے اُن کی زبان بند ہوگئی۔ رشتہ داروں کو تعجب ہوا کہ ان کو کلمۂ طیبہ کیسے نصیب ہوگا۔ خُدا کی شان دیکھیئے کہ انتقال سے آدھا گھنٹہ پہلے زبان جاری ہوگئی، کلمۂ طیبہ کا ورد کرنے لگے۔ سب دوست احباب، جو ان کے قریب جمع تھے اللہ اللہ کہتے ہوئے سُن رہے تھے، اور بعدازاں کلمۂ طیبہ پڑھتے ہوئے اُن کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی یہ تاثیر وفضیلت ہے کہ جس نے موت کے وقت ان کی دستگیری ومشکل کشائی کی۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرت محبوبِ سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی عظمت وبزرگی کا یہ حال ہے کہ ڈوبنے والوں کو آن واحد میں پار لگا دیتے ہیں۔

قدرت کے کرشمے عجیب ہوتے ہیں۔ باطن کا حال اپنے مخصوص بندوں کے ذریعے ظاہر کرتا ہے۔ ان کی وفات اُنالیس دن بعد شب میں حضرت پیرومرشد قبلہ جبکہ آپ سفید اور صاف وشفاف لباس زیب تن کئے اپنی خانقاہ مکان حضرت قطب ویلور میں تشریف فرما تھے، بحالتِ بشارت اور کشف ان کو دیکھا، بعد سلام وجواب کے حسبِ عادت حضرت پیرومرشد نے خیریت دریافت کی، کہنے لگے کہ سلسلۂ قادریہ میں داخل ہونے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے میرے تمام گناہوں کو بخش دیا۔ سکرات کے وقت آپ تشریف لائے تھے اور اس شیطان ملعون کو مجھ سے دُور کیا، اور کلمہ کی تلقین کی، خدائے قدوس نے اپنی رحمت سے مجھے کلمہ نصیب فرمایا۔

اس موقع پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہاں کے سجادہ نشین کو جو بھی بشارت ہوتی ہے وہ بالکل صحیح ہوتی ہے۔ اس کے متعلق متعدد واقعات ہیں جو بشارت کے مطابق ظاہر ہوتے رہے ہیں۔

اس بشارت کی اطلاع کسی طرح ان کے فرزند عزیز جناب حسن پاپا صاحب تک پہنچ گئی جو آب شہر مدراس میں اسسٹنٹ کمشنر آف پولیس کے عہدہ پر فائز ہیں۔ اس واقعہ کے چند دن بعد جب کسی موقع پر وہ ویلور آئے، تو اس بشارت کے متعلق راقم الحروف سے دریافت کیا، میں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ اس واقعہ کی حقیقت کو جاننے کی انہیں بہت زیادہ خواہش اور اضطرابی تھی۔ مجھ سے کہنے لگے کہ حجرے میں ملاقات کے وقت آپ اس واقعہ کے متعلق اعلیٰحضرت قبلہ سے دریافت کریں۔ چنانچہ دوپہر کے کھانے کے بعد جب شرف ملاقات حاصل ہوا تو دورانِ

گفتگو میں مَیں نے اس کا ذکر کیا۔

حضرت قبلہ نے اس واقعہ کی تصدیق فرمائی۔ پھر آپ نے عزیز موصوف کی خاطر اپنی شیریں بیانی و موثر زبانی سے مذکورۂ بالا واقعہ از ابتدا تا انتہا بیان فرمایا۔ اُن مؤثر کلمات سے متاثر ہو کے حسن پاپا صاحب نے پوچھا کہ حضرت! کیا آپ سکرات کے موقع پر وہاں گئے تھے؟ حضرت قبلہ نے جواب میں کہا کہ میں نہیں، وہ حضرت محبوب سبحانی تھے جو اُن کے پیر و مرشد کی صورت میں ظاہر ہوئے تھے۔ یہ حضرت محبوب سبحانی رضؓ کی چشمدید کرامت اور تصرف ہے کہ وہ اپنے متعلقین کی ہر جگہ دستگیری فرمایا کرتے ہیں۔

حضرت محبوب سبحانی رضؓ فرماتے ہیں کہ جس نے بھی اس سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی تو میں اس پر سایۂ ابر کے مانند سایۂ فگن رہتا ہوں، اگرچہ وہ مغرب میں ہو اور میں مشرق میں، یا وہ مشرق میں اور میں مغرب میں رہوں۔ (قصیدۂ غوثیہ)

آپ مزید فرماتے ہیں کہ میں اپنے مرید کے خاتمہ کے وقت اس کے پاس روحانی طور پر پہنچتا ہوں اور اس شیطان ملعون کو دُور کرتا ہوں اور کلمہ کی تلقین کرتا ہوں۔ اللہ عزوجل اس کو کلمہ نصیب فرماتا ہے اور مرنے والا کبھی اس دنیا سے بے ایمان رخصت نہیں ہوتا۔ اللہ کے کرم سے اس کا خاتمہ بخیر اور باایمان ہی ہوتا ہے ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء

قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو ایک رجسٹر عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے جس میں آپ کے تمام مریدین و متوسلین کو جو قیامت تک اس سلسلہ میں داخل ہوں گے اُن تمام کے نام اس میں مرقوم ہوں گے۔ آپ سفارش فرما کے سب کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔

(قول الجمیل از حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

یہ شان ہے حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی جو سرتاج الاولیاء ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(بسلسلۂ صفحہ ۱۸ علم نور ہے) ۔ کالجوں کی زبوں حالی کا بیان بھی ملاحظہ ہو ؎

گرچہ مکتب کا جواں زندہ نظر آتا ہے — مردہ ہے! مانگ کے لایا ہے فرنگی سے نفس
پرورش دل کی اگر مدنظر ہے تجھ کو — مردِ مومن کی نگاہِ غلط انداز ہے بس

نگاہِ مردِ مومن کی تاثیر و فیضان کا کچھ تذکرہ میں پہلے کر چکا ہوں۔ حضرات اہل اللہ و اہل نظر کے حالات و واقعات سے بہت کچھ پیش کیا جاسکتا ہے مگر بقول سعدی ؎ برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ۔ ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار ۔ عبرت و نصیحت کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ آخر میں اپنے مقصود کی طرف دوبارہ توجہ دلانے کے لئے علامہ اقبال کے شعر پر مضمون ختم کرتا ہوں۔

سینہ روشن ہے تو ہے سوزِ سخن عینِ حیات — ہو نہ روشن تو سخن مرگِ دوام اے ساقی

عین حیات اور مرگ دوام کی تشریح و تفصیل انشاء اللہ آئندہ پیش کیجائے گی ۱۲

علم نور ہے

از مولانا سید
محمد اشرف
صاحب کچھوچھوی
مدرس دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور
قدس سرہ

عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ عربی، فارسی کی چند درسی کتابیں مثلاً پنج گنج، قدوری، ملاحسن اور ھدایہ کے پڑھ لینے کا نام علم ہے یا اسکول وکالج کی چند ڈگریاں اور سرٹیفکیٹ حاصل کرلینے کا نام علم ہے۔ اس غلط فہمی کا نتیجہ یہ ہے کہ عربی مدرسہ میں دستار فضیلت کی تحصیل کے بعد یا اسکول وکالج میں بی، اے، یم، اے کرلینے کے بعد آدمی مفتی، قاضی، مدرس، خطیب یا انجنیر، اسٹیشن ماسٹر، ڈاکٹر اور لکچرار تو بن جاتا ہے لیکن نہ علم آتا ہے، نہ علم کی حقیقی لذت وحلاوت سے قلب وروح آشنا ہوتا ہے۔

لہٰذا سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ علم کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا لیس العلم بکثرۃ الروایۃ انما العلم نورٌ یقذف فی القلب، اسی طرح حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: انما نور یجعلہ اللہ حیث یشاء ولیس بکثرۃ الروایۃ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے کہ مسائل فقہ اور احادیث کو زبانی یاد کرلینا اور اسے بیان کردینے کا نام علم نہیں ہے۔ بلکہ علم ایک نور ہے جو خدا کی طرف سے بندے کے قلب میں القاء کیا جاتا ہے معلوم ہوا کہ علم کا ظرف اور محل صرف قلب ہے، زبان سے جو علمی مسائل کا تذکرہ وبیان ہوتا ہے، وہ صرف الفاظ، حروف اور اصوات ہیں۔ علم کی حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں جیسے گھوڑے کی تصویر کو حقیقتاً گھوڑا نہیں کہتے۔ بلکہ وہ محض گھوڑے کی ظاہری شکل وصورت ہے جسکو حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اسکو مثال سے یوں سمجھئے کہ اگر طوطی اور مینا کو چند جملے اور کلمات رٹا دئے جائیں تو اسکی وجہ سے اُسے کوئی مولوی، عالم، یا مفتی نہیں سمجھتا۔ اس لئے کہ یہ محض ظاہری الفاظ، اصوات وحروف ہیں۔ اس کے معنی اور اسکی حقیقت سے اس کا دل خالی ہے۔ چنانچہ یہی مطلب ہے بعض محققین کے اس قول کا کہ تعلمنا العلم لغیر اللہ فابی العلم ان یکون الا للہ ای ان العلم ابی وامتنع علینا فلم تنکشف لنا حقیقتہ وانما حصل لنا حروفہ والفاظہ حقیقت اور شے ہے ظاہر اور رسم الگ چیز ہے۔ جب قلب انسانی مہبطِ انوار وتجلیاتِ الٰہی ہوتا ہے تو حقائق اشیاء خود بخود اس کے لئے منکشف ہوجاتی ہیں کوئی خفاء یا اشتباہ باقی نہیں رہتا جیسا کہ ملاحسن نے کہا العلم نور یتجلی بہ الامر الواقعی۔

مرقات جلد دوم باب الصلوٰۃ علی النبی وفضلہا کے تحت ہے، النفوس الزکیۃ القدسیۃ اذا تجردت عن العلائق البدنیۃ عرجت واتصلت بالملاء الاعلیٰ ولم یبق لہ حجاب فتری الکل کالمشاھد بنفسھا او باخبار الملک لھا نفوس قدسیہ جب اپنے بدنی کثافتوں اور ظلمتوں سے مجرد ومعریٰ ہوجاتے ہیں، تو وہ ترقی کرکے فرشتوں کی جماعت سے مل جاتے ہیں۔ اُن کے لئے کوئی پردہ باقی نہیں رہتا۔ وہ تمام چیزوں کو خود بخود، یا فرشتے کے الہام

سے محسوس اور موجود شئے کی طرح دیکھتے ہیں۔

صاحب مرقات نے اس عبارت میں تصریح کردیا ہے کہ حضرات نفوس قدسیہ کیلئے کائنات اور حقائق اشیاء سے کوئی پردہ نہیں رہتا۔ ان کو ہر شئی کا علم حضوری ہوتا ہے گویا ہر شئی اُن کے سامنے موجود ہے۔ اسکی وجہ بھی بتادیا کہ ان کا قلب تیرہ جسم کی ظلمت و کثافت سے پاک و منزہ ہو جاتا ہے اور پھر اس کا تعلق اور اتصال عالم بالا سے ہو جاتا ہے اس طرح بقول علامہ اقبال ؎

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کرلیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا

وہ ترقی کر کے حضرت جبرئیل امین کا رفیق و مصاحب ہو جاتا ہے

امام زرقانی شرح مواہب سالویں جلد میں فرماتے ہیں اطلاع العبد علی غیب من غیوب اللہ بدلیل خبر اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور اللہ لا یستغرب وھو معنی کنت بصره الذی یبصر به فمن الحق بصره فاطلاعه علی الغیب لا یستغرب یعنی اللہ کے مخصوص بندوں کا اس کے اسرار سریہ پر مطلع ہو جانا کچھ بعید نہیں ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے مومن کی دانائی سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور یہی مطلب ہے اس حدیث کا جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے تو بندہ کا دیکھنا حق تعالیٰ کی طرف سے ہو جاتا ہے پس اگر بندہ اللہ کے اسرار و رموز پر مطلع ہو جائے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ امام زرقانی نے اپنے دعوے کے اثبات میں دو حدیثیں پیش کی ہیں۔ تو اب غور کرنا چاہئے کہ جن کاملین اور مقربین کی معین و مؤید خود طاقت و قدرت باری تعالیٰ ہو اُن کے علم کی کیا شان ہو سکتی ہے اور کیا کوئی ان کے علم و حکمت کا صحیح اندازہ کر سکتا ہے نہیں کر سکتا بقول مولانا روم رح

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

ہم اُن پاکیزہ نفوس ہستیوں کو اُن کے صفات و احوال کو اپنے اوپر قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ ہم میں اور ان میں جو کچھ مناسبت و مشابہت ہے وہ محض ظاہری رسمی ہے جیسے شیر جو جنگل کا جانور ہے اور شیر جو ممبئی دودھ ہے دونوں کی لفظی شکل ایک ہی ہے لیکن دونوں کی حقیقت میں کتنا فرق ہے۔ اسی طرح ہمارے ظاہری و رسمی علوم کو اُن کے علم و معرفت کے مقابلہ میں قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے علوم کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے۔ عرفاء و صالحین حقائق اشیاء اور اسرار کائنات کا مطالعہ اپنے آئینۂ دل میں کرتے ہیں۔ عام لوگ جن نتائج کو نظر و فکر منطقی استدلال مقدمات کی ترتیب سے حاصل کرتے ہیں اور پھر بھی نتیجہ کی صحت و صداقت مشتبہ رہتی ہے۔ عارفین کاملین صحیح نتائج تک بغیر ان مقدمات کی وسائط کے محض اپنی قوت قدسیہ اور اشراق نوری کے ذریعہ چشم زدن میں پہنچ جاتے ہیں۔ ان کے وسعت علم کا دائرہ چند درسی کتابوں تک محدود نہیں ہوتا بلکہ ان کا علم ہر شئے کو عام ہوتا ہے جیسا کہ مولانا جامی نے خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہ کا قول نقل فرمایا ہے۔ "حضرت عزیزاں علیہ الرحمہ گفتہ اند کہ زمین در نظر ایں طائفہ چوں سفرہ ایست و ما میگوئیم کہ چوں ناخنی ہست ہیچ چیز از نظر ایشاں غائب نیست"۔

حضرت عزیزاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ گروہ اولیاء کی نظر میں زمین دسترخوان کی طرح ہے اور ہم کہتے ہیں کہ ناخن کی طرح ہے کہ کوئی چیز اُن کی نظر سے غائب نہیں ہے۔ زمانۂ موجودہ کے حادثات و واقعات کو تو وہ جانتے

ہی ہیں، آئندہ کی باتیں بھی اللہ کے فضل و عطا سے اُن پر منکشف ہو جاتی ہیں اور اس کا انہیں علم یقینی حاصل ہوتا ہے محض اٹکل، ظن یا تخمین پر اُن کے علوم کا دارومدار نہیں ہوتا۔ حضرات اہل اللہ کے فضائل و کمالات، علوم و معارف کے بیان سے کتابوں کے اوراق بھرے پڑے ہیں،

یہاں میں حضرت مکان ویلور کے ایک بزرگ خدا رسیدہ شخصیت کے کمال علم و معرفت کا ایک واقعہ پیش کر رہا ہوں جس سے میرے مدعیٰ کی کافی تائید و تصدیق ہوگی۔ یہ بزرگ شخصیت خاندانِ اقطابِ ویلور کی چوتھی کڑی ہے۔ آپ کا اسم گرامی حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری محوی ہے رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کا اور والیِ میسور ٹیپو سلطان شہیدؒ کا زمانہ ایک ہی ہے۔ ایک مرتبہ ٹیپو سلطانؒ نے ایک کثیر رقم بطور نذرانہ آپ کی خدمت میں روانہ کی اور میسور آنے کی درخواست کی۔ آپ نے رقم شکریہ کے ساتھ واپس کرتے ہوئے قاصد سے کہا کہ سلطان سے کہنا کہ سلطنتِ خداداد کو چھ ماہ بعد زوال آنے والا ہے۔ اگر میں اس وقت آتا ہوں تو زوالِ سلطنت کے وقت مخلوق کہیگی کہ ابوالحسن کی نحوست سے سلطنت کو زوال آگیا۔ لہٰذا میں آنے سے قاصر اور معذور ہوں، قاصد یہ جواب پاکر واپس ہوگیا اور حضرت محوی رحمۃ اللہ علیہ کی پیشگوئی کے مطابق ٹھیک چھ ماہ بعد ٹیپو سلطان کی میدان جنگ میں شہادت ہوئی اور برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ ہُوا۔ دیکھیئے جو واقعہ چھ ماہ بعد ہونے والا ہے حضرت محوی اس کا مشاہدہ آج ہی کر رہے ہیں اور پوری بصیرت اور یقین کے ساتھ اسکی خبر دے رہے ہیں تو اگر کائنات کے اسرار و رموز پہ اہل اللہ کی نظر نہیں ہوتی تو پھر اس طرح جزم و وثوق کے ساتھ خبر کیسے دیرہے ہیں۔

اسی طرح حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی سال پہلے اپنے مرید اور خلیفۂ خاص حضرت ابوالحسن خرقانی کی ولادت کی خبر دے دی تھی اور فرمایا تھا کہ مجھے سرزمین خرقان سے ابوالحسن کی خوشبو آرہی ہے۔ آپ نے صرف پیدائش ہی کی خبر نہیں دی بلکہ ان کا سنہ ولادت، دن، تاریخ، رنگ، نقشہ، قد و قامت، زلف، ہر چیز کی تفصیل بتادی اور بالکل آپ کی خبر کے مطابق واقعہ ظہور پذیر ہُوا۔

تو سوال یہ ہے کہ ان بزرگوں کو یہ علم کیسے حاصل ہوگیا۔ کس مکتب یا مدرسہ میں اسکی تعلیم دی جاتی ہے یا کس کتاب کے پڑھنے سے یہ علم حاصل ہوجاتا ہے بقول ڈاکٹر اقبالؒ

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی

ڈاکٹر اقبال نے فیضان نظر کے ثبوت کے لئے حضرت ابراھیم و اسماعیل علیہما السلام کی مثال پیش کی ہے۔ حضرت ابراھیم و اسمٰعیل علیہما السلام کا واقعہ معمولی واقعہ نہیں ہے۔ باپ کا بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے لے جانا اور پھر بیٹے کا برضا و رغبت گلا کٹانے کیلئے تیار ہو جانا اور پھر معاملہ اسی زبانی جمع خرچ تک موقوف نہیں رکھا گیا بلکہ کمسن اور معصوم بچے کے گلے پر پوری طاقت سے چھُری چلا دینا، یہ تو منظر ہی ایسا دردناک ہے کہ جسکے تصور ہی سے کلیجہ منہ کو آتا ہے لیکن پھر بھی اللہ کی راہ میں اپنا گلا کٹانے سے وہ بچہ بالکل نہ ہچکچایا اور نہ سہما، نہ خوف و ہراس طاری ہُوا بلکہ اس بچے نے بخوشی کہہ دیا یاابتی افعل ما تومر ستجدنی انشاء اللہ من الصابرین

تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بچپن کی حالت میں فرزندی اور خداوندی دونوں کے حقوق و آداب کا اتنا زبردست پاس و لحاظ کیسے ہوگیا؟ کیا کسی مدرسہ و مکتب میں آپ نے اسکی تعلیم پائی تھی یا حضرت ابراھیم علیہ السلام کی نظر کیمیا اثر کا یہ فیضان تھا جس نے

انہیں اس جاں نثاری و سرفروشی پر آمادہ کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فیضان نظر کا یہ واقعہ کتنا ہی مہتم بالشان سہی، لیکن اگر ان کی پیغمبرانہ حیثیت کا لحاظ کیا جائے تو کوئی زیادہ تعجب خیز نہیں، اس لئے کہ پیغمبری کی شان تو بہت ہی ارفع و اعلیٰ ہے۔

میں نے تو آپکے سامنے ان شخصیتوں کو پیش کیا ہے جو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام کے ہزاروں سال بعد کی ہیں، اور جو اُن کے غلامان غلام میں داخل ہیں، ان کے فیضان نظر اور وسعت علم کا یہ حال ہے کہ اپنی روشن ضمیری سے آئندہ ہونے والے واقعات کا آفتاب نصف النہار کی طرح مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ یہ علم آپ کو کہیں سے نہیں مل سکتا، بڑے سے بڑے دارالعلوم، کالج یونیورسٹی کا سارا نصاب پڑھ ڈالئے، تمام ڈگریاں حاصل کر لیجئے مگر اس علم کی ہوا بھی نہ لگے گی۔ اس کے حصول کا بس ایک ہی طریقہ ہے اور وہ بقول مولانا رومؒ

قال را بگذار مرد حال شو
پیش مرد کاملے پامال شو

اس راہ میں قال اقوال، منطقی و فلسفی بحثوں سے کچھ کام نہ چلیگا۔ بس کسی مرد کامل کی غلامی اختیار کر لیجئے۔ عقدہ کشائی ہو جائے گی اور دلی مقصود بر آئے گا۔

کاملین جس طرح خود صاحب حال اور صاحب باطن ہوتے ہیں اسی طرح جو لوگ ان کے حلقۂ اطاعت و ملازمت میں داخل ہو جاتے ہیں، وہ بھی ان کے فیض و اثر سے محروم نہیں رہتے۔

حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ جن کا زمانہ آپ سے تقریباً سات سو سال پہلے کا ہے، آپ کی خانقاہ میں مہمانوں کی تعداد و شمار کی خدمت بلی کے سپرد تھی۔ ایک مرتبہ بلی نے مہمانوں کے ساتھ ایک نو وارد مہمان کو شمار نہیں کیا۔ چنانچہ بلی کی پیش کردہ تعداد کے مطابق کھانا تیار ہوا۔ کھانے کے وقت جب دستر خوان پر ایک مہمان زاید ہوا تو بلی سے باز پرس ہوئی لیکن بلی نے اپنی غلطی تسلیم نہیں کی۔ آخر کار اس نو وارد شخص کو حضرت مخدوم کی خدمت میں لایا گیا، آپ نے اس شخص کو از سرتا پا بغور دیکھا تو فرمایا کہ "بلی نے ٹھیک رپورٹ دی تھی۔ یہ شخص بہروپیا ہے جو کافر ہے لیکن اپنے کو مسلمان ظاہر کر رہا ہے"۔ وہ شخص اسی وقت حضرت کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا۔ دیکھئے بزرگان دین کے فیض صحبت سے انسان تو انسان، جانور بھی محروم نہیں رہتا۔

بلی کی قبر حضرت مخدوم کے روضہ سے قریب ہے۔ مرور زمانہ کی وجہ سے اب شاید قبر کا نشان رہ گیا ہو۔ بلی کی موت کا واقعہ بھی عجیب ہے ایک مرتبہ دودھ آگ پر جوش مار رہا تھا، خادم جب دودھ نکالنے کے لئے آیا تو بلی نے جو ایک جگہ بیٹھی ہوئی تھی شور و غوغا کرنا شروع کیا۔ لیکن خادم بلی کی حرکات کا کچھ مطلب نہ سمجھ سکا اور دودھ نکالنے کے لئے بڑھا۔ یہ دیکھتے ہی بلی فوراً اس کھولتے ہوئے دودھ میں کود پڑی، اور اپنی جان اپنے آقا کے لئے نثار کر دی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مکان کی چھت سے ایک سانپ اس کھولتے ہوئے دودھ کے برتن میں گر کر مرا پڑا تھا۔ حضرت مخدوم کو اس وفادار بلی کی موت کا بڑا صدمہ ہوا اور آپکی قبر بھی بنوا دی۔

یہ واقعہ تو ضمناً آ گیا۔ گفتگو تو تاثیر و فیضان صحبت کی تھی۔

اس سلسلہ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی خادمہ کا واقعہ بھی کافی عبرت انگیز ہے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ ایک حدیث کی تحقیق اور جانچ وغیرہ کے لئے حضرت شیخ کے مکان پر آئے۔ خادمہ گھر سے نکلی اور آنے کی غرض دریافت کی، جب اُسے ان لوگوں کا مقصد

معلوم ہوا تو حدیث پڑھنے کیلئے کہا۔ خادمہ کے اصرار پر لوگوں نے حدیث پڑھ کر سُنائی۔ خادمہ نے سنتے ہی کہہ دیا کہ یہ حدیث رسول ﷺ نہیں ہے۔ اس کے بعد معاملہ حضرت شیخ کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے بھی خادمہ کے قول کی تائید و تصدیق کی۔ پھر حضرت شیخ نے خادمہ سے پوچھا کہ تم نے کس طرح سمجھ لیا کہ یہ حدیث رسول ﷺ نہیں ہے حالانکہ نہ تم نے حدیث کی کوئی کتاب پڑھی ہے نہ اسناد و اسمائے رجال کی کوئی خبر ہے۔ خادمہ نے کہا کہ جب میں آپ کو حدیث کے الفاظ پڑھتے ہوئے سنتی ہوں تو اپنی آنکھوں سے انوار و تجلیات کا نزول دیکھتی ہوں، لیکن اس حدیث کے سماع کے وقت یہ کیفیت مجھے محسوس نہ ہوئی، اس لئے میں نے اُس سے حدیث کی نفی کر دی۔

یہ حال اُن حضرات نفوس قدسیہ کی کنیزوں اور خادماؤں کا تھا اُس سے خود اُن حضرات محدثین و ائمہ مجتہدین کی عظمت و جلالتِ شان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں یہ نکتہ ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ کسی چیز کے اثبات کا دعویٰ اتنا مشکل نہیں ہے جتنا اسکی نفی کا دعوےٰ مشکل ہے۔ مثلاً ایک بڑا باغ ہے جس میں ہزاروں لاکھوں کھجور کے درخت ہیں تو اگر کسی ایک درخت میں بھی آپ نے کھجور کا پھل دیکھ لیا تو اثبات کا دعویٰ کر سکتے ہیں کہ باغ میں کھجور کا پھل ہے۔ لیکن نفی کا دعویٰ آپ اس وقت تک نہیں کر سکتے، جب تک آپ نے باغ کے تمام درختوں کو دیکھ کر پوری طرح چھان بین نہ کر لیا ہو۔ اور ظاہر ہے تمام درختوں کی چھان بین کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اسی طرح غور فرمائیں کہ ایک طرف لاکھوں حدیثوں کا انبار ہے۔ دوسری طرف رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہٗ من النار یعنی جو شخص قصداً کسی جھوٹی یا غلط بات کو میری طرف منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔ اب اس نازک مرحلہ پر یہ فیصلہ کر دینا کہ یہ حدیث ہے اور وہ حدیث نہیں ہے۔ یہ اُنہیں حضرات کا کام ہو سکتا ہے جو مؤید من اللہ ہیں۔ جنہیں مومن کی فراست اور قلب کی بصیرت حاصل ہو بلکہ بموجب حدیث فکنت بصرہٗ فیبصر بہٖ، خدائی طاقت اُن کے ساتھ کارفرما ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ تاثیر و فیضان اس وقت ہوتا ہے کہ جب رہبر خود اہل نظر صاحب عرفان و وجدان ہو ورنہ اگر وہ خود بے بہرہ و بے بصر ہے تو اس کی مثال بقول ڈاکٹر اقبال یہ ہے ؎

اہل دانش عام ہیں کمیاب ہیں اہل نظر
کیا تعجب ہے کہ خالی رہ گیا تیرا ایاغ
شیخ مکتب کے طریقوں سے کشادِ دل کہاں
کسطرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ

توجسطرح گندھک سے بجلی کا بلب روشن نہیں ہو سکتا، بجلی کا بلب روشن کرنے کیلئے بجلی ہی کے کرنٹ کی ضرورت ہے۔ اسی طرح جو خود بے بہرہ و بے بصر ہے وہ دوسرے کو صاحب نظر نہیں بنا سکتا۔ بلکہ اس کا حال تو یہ ہوگا ع خود تو ڈوبے ہیں مگر یار کو لے ڈوبینگے۔

یا بقول علامہ اقبالؒ ؎

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ
اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

یہ تو علامہ نے عربی مدرسوں کا نقشہ پیش کیا ہے۔ اب انگریزی

(بقیہ مضمون برصفحہ ۲۳ پر ملاحظہ ہو)

مورخہ ۱۱ ربیع الثانی یوم شنبہ گذرکر بعد نماز عشاء ایک جلاس،
بصدارت حضرت ابو النصر قطب الدین دام فیضہ، حضرت پیران پیر سیدنا وشیخنا مولانا عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ وارضاہ ملطفہ الجلی والخفی کے مکارم اخلاق وکرامات ظاہری وباطنی وسوانح حیات طیبہ کے بیان کے لئے منعقد ہوا تھا جس میں احقر الناس کو بھی علیحضرت وحضرت ناظم صاحب مدرسہ کے جانب سے موقع ملا جس میں احقر نے اپنی بے بضاعتی ولاعلمی کے باوجود اطاعتا للامر کھڑے ہوکر بمقتضائے ان رحمتی سبقت علی غضبی کے بے پناہ انعامات وعطیات وداد ودہش سے چند انعامات وعطیات الٰہیہ کا ذکر ٹوٹے پھوٹے خداوندی الفاظ میں کیا۔ اس مضمون کو حق تعالیٰ کی جانب سے یہ سعادت نصیب ہوئی کہ اعلیحضرت وحضرت ناظم صاحب نے پسند فرماکر فرمایا کہ اس مضمون کو سالانہ اشاعت کیلئے قلمبند کردو۔ چنانچہ اسی ارشاد گرامی کی وجہ سے چند سطور زیر قلم لانے کا ارادہ کررہا ہوں۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس کو تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرماکر شرف قبولیت سے نوازے اور باعث نجات اخروی بنادے۔ آمین یارب العالمین۔
وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا وشفیعنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ و اصحابہ واحبابہ اجمعین، برحمتہ وہو ارحم الراحمین۔

قال اللہ تعالیٰ ووضع الکتاب وجیئ بالنبیین و والشہداء وقضی بینہم بالحق وہم لا یظلمون ۝ و وفیت کل نفس ما عملت وہو اعلم بما یفعلون ۝ اور نامۂ اعمال لائے جائیں گے یعنی سب کے ہاتھوں میں دئے جائیں گے، کیفیت اس دئے جانے کی دوسری آیتوں میں مذکور ہے، وہ یہ ہے کہ نیکیوں کے نامۂ اعمال داہنے ہاتھوں میں اور بدیوں کے بائیں ہاتھ میں دئے جائیں گے۔ نامۂ اعمال کو لایا جانا ایسا ہے جیسے عدالت میں مسل پیش کیجاتی ہے کہ اس کے موافق مقدمہ چلایا جائے گا اور جرح و قدح ہوگی وجیئ بالنبیین انبیاء علیہم السلام کو بلایا جائے گا۔ یہ ایسا ہے جیسے عدالت میں گواہ پیش کئے جاتے ہیں وقضی بینہم بالحق وہم لا یظلمون ترجمہ۔ اور تمام فیصلہ ٹھیک ٹھیک کئے جاوینگے اور کسی کا حق نہیں مارا جائے گا۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ کسی نے کوئی نیکی کی ہو، ذراسی بھی، وہ نامۂ عمل میں نہ ہو یا کوئی برائی کسی نے نہ کی ہو، وہ نامۂ عمل میں درج کردی گئی ہو بلکہ بمقتضائے رحمت سبقت علیٰ غضبی، ایسا بھی تو نہ ہوگا کہ ایک نیکی انسان نے نہ کی ہو اور نامۂ عمل درج ہو۔ چنانچہ کسی نے کسی نیکی کا ارادہ کیا مگر کسی وجہ سے وہ اس کو نہ کرسکا تو وہ نیکی بھی نامۂ عمل میں درج ہوگی۔ یا جو نیکی انسان صحت میں کررہا تھا کسی مرض کی وجہ سے نہ کرسکا تو وہ نیکی بھی نامۂ

عمل میں درج کی جائے گی۔ الغرض وہاں داد و دہش اور انعامات الٰہی بہت ہوں گے جو کہ بندہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں۔ بات بات پر رحمت ہوگی۔ بعضوں کی بخشش اس بات پر ہو جاوے گی کہ اس نے ایک کتے کو دیکھا کہ کنوئیں کے کنارے پر پیاس کے مارے گیلی مٹی کو چاٹ رہا ہے، اس کو رحم آیا اور وہ اپنا چرمی موزہ نکال کر اور اوڑھنی میں باندھ کر پانی نکال کر اس کو پلایا۔ وہ عورت بدکار تھی، اللہ تعالیٰ کو رحم آیا فرمایا کہ اس نے ہماری مخلوق پر رحم کیا، لہٰذا ہم اس پر رحم کرتے ہیں کسی کی نجات اتنی بات پر ہو جائیگی کہ اس نے راستہ سے کانٹا ہٹا دیا تھا۔ یہ دونوں قصے حدیث میں موجود ہیں اور کشفی واقعات تو اس قسم کے بزرگوں سے بہت منقول ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کا قصہ ہے کہ وہ نیکوکار اور بزرگ پرہیزگار تھے۔ ان کا انتقال ہوگیا۔ کسی نے خواب میں ان کو دیکھا پوچھا کہئے کیا معاملہ ہوا؟ کہا یہاں مجاہدے اور ریاضتیں کچھ کام نہیں آئیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان میں کسر تھی، وہ اس قابل نہ تھے کہ ان پر بخشش کا استحقاق سمجھا جاوے۔ یہ اس لئے کہہ دیا گیا کہ کوئی یہ نہ سمجھ جاوے کہ اعمال اور مجاہدے، ریاضتیں بیکار ہیں۔ ہرگز نہیں، یہ کام کی چیز ضرور ہیں مگر ایسے اعمال ہر کس و ناکس کر بھی نہیں سکتا۔ جو دربار خداوندی میں پیش کئے جانیکے قابل ہوں۔

اس واسطے کہا گیا ہے ؎

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش   عذر بدرگاہ خدا آورد

ورنہ سزاوار خداوندیش   کس نتواند کہ بجا آورد

غرض اس نے کہا مجاہدے ریاضت تو کچھ کام نہیں آئے مگر حکم ہوا کہ جاؤ تم نے ایک دن ایک بلی کے بچے پر رحم کیا تھا کہ وہ سردی سے کانپ رہا تھا، تم نے لحاف میں لے لیا۔ جاؤ تم کو ہم نے

اس کی عوض بخشدیا۔ آدمی کبھی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ عمل کو بھی حقیر نہ سمجھے، کیا معلوم کس عمل کو حق تعالیٰ قبول کرلے اور بخشدے۔

حدیث میں ہے حضور ارشاد فرماتے ہیں یا عائشہ لا تستحقری طاعۃ او نحوہ یعنی اے عائشہ کسی نیک عمل کو حقیر سمجھو۔ الحاصل وہاں بات بات رحمت کا بہانہ ہوگی۔ ہاں یہ نہ ہوگا کہ بلا کچھ کئے ہوئے کسی کو پکڑ لیا جائے۔ یہ معنی ہیں وھم لا یظلمون کے یعنی کسی کا حق نہیں مارا جائے گا۔ یہ بیان تھا شان نوال کا کہ قیامت کے دن یہ تو ہوگا کہ بعض نیکی بلا کئے ہوئے نامۂ اعمال میں لکھی ہوئی ملیں گے اور یہ نہ ہوگا کہ کوئی نیکی کی ہو اور وہ نامۂ عمل میں لکھی ہوئی نہ ہو۔ یہ شان رحمت ہے کہ عدل کا معاملہ نہیں فرمایا بلکہ فضل کا معاملہ کیا جائیگا ورنہ یہ ہوتا کہ جیسے کی ہوئی نیکی نامۂ عمل میں درج ہونے سے نہیں رہتی۔ ایسی ہی کوئی نیکی بلا کئے ہوئے درج بھی نہ کی جاتی جس سے نہ نیکی بڑھتی نہ گھٹتی۔ اور آیت اس معاملہ رحمت کی نفی نہیں کرتی۔ اسی طرح نیکی بڑھنے کی بھی نفی نہیں کرتی کیونکہ آیت میں لا یظلمون کا لفظ ہے۔ اس کا یہ مدلول ہے کہ کسی کی حق تلفی نہیں کی جائے گی اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حسنات میں اضافہ بھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ دلائل سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن حسنات میں اضافہ ہوگا۔ بیان اس کا یہ ہے کہ معاملہ جزا و سزا کے تین قسمیں ہو سکتے ہیں۔ ظلم اور عدل اور فضل۔ ظلم یہ ہے کہ کسی کا حق مار لیا جائے اور اس کی ہوی نیکیوں کا اجر نہ دیا جائے اور بلا کئے ہوئے بدی نامۂ اعمال میں لکھ دی جائے۔

اور عدل یہ ہے کہ گناہوں کی سزا دیجائے اور نیکیوں کا اجر برابر سرابر دیا جائے اور فضل یہ ہے کہ گناہوں کو نظر انداز کیا

جائے اور نیکیوں کا اجر بڑھا دیا جائے۔ حق تعالیٰ بندوں پر ظلم تو کیا
کرتے، عدل کا برتاؤ بھی نہیں کرینگے۔ بلکہ بہت سے گناہوں کو معاف فرما
دیں گے۔ اور نیکیوں کا ثواب قانون سے بہت زیادہ دیں گے، کہ ایک
دس نیکی کے برابر تو ضرور ہوگی، بلکہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن
مومنین کے ساتھ یہ برتاؤ ہوگا کہ ان کو بعض وہ نیکیاں نامۂ اعمال میں
لکھی ہوئی ملینگی، جو انہوں نے کی بھی نہیں تھیں اور گناہوں کی بعض
کے ساتھ یہ حالت ہوگی کہ اول بندے کے سامنے چھوٹے گناہ پیش
کئے جائیں گے۔ پھر ان چھوٹوں کی نسبت بھی یہ حکم ہوگا کہ ان کو معاف
کر دیا جائے۔ اور ان کو نیکیوں سے بدل دیا جائے۔

اب کیا ہے، اس وقت یہ حالت ہوگی کہ یا تو ڈر رہا تھا کہ کہیں
بڑے گناہ پیش نہ ہوں اور جب گناہوں کے عوض نیکیاں ملتی دیکھی
تو خود کہیگا کہ میں نے تو اور بڑے گناہ بھی کئے تھے وہ کہاں ہیں، ان کو
کیوں ظاہر نہیں کیا گیا۔ اس سے غرض یہ ہوگی کہ جب چھوٹے چھوٹے گناہوں
کی جگہ یہ نیکیاں ملی ہیں تو بڑے گناہوں پر بڑی نیکیاں ملیں گی، اس امید
سے بے ساختہ کہنے لگیگا کہ میرے بڑے گناہ کہاں ہیں۔ سبحان اللہ کچھ
حد ہے رحمت کی، اور یہ بھی ہوگا کہ بعضے گناہ وہ ہوں گے جن کو بندہ نے
کیا تھا لیکن وہ نامۂ اعمال میں لکھے ہوئے تھے مگر پیش نہیں کئے گئے اور یہ وہ
قسم ہے جو نامۂ اعمال میں لکھے ہوئے بھی نہیں ہیں، یہ وہ گناہ ہیں جن سے بندہ
نے توبہ کرلی ہے۔ اہل سنت کی تحقیق تو یہ ہے کہ گناہ بلا توبہ بھی معاف ہو
سکتا ہے کہ ممکن ہے کسی گناہ سے توبہ بھی نہ کی ہو۔ حق تعالیٰ محض اپنے
فضل و کرم سے معاف فرما دیں۔ غرض کس قدر رحمت ہے، کہ بہت سے
گناہ جو کئے گئے تھے وہ نامۂ اعمال میں نہ ہوں گے اور بہت سی نیکیاں
جن کو بندہ نے کیا بھی نہیں، وہ نامۂ اعمال میں موجود ہوں گے۔ یہ شانِ
رحمت ہے، جو عدل سے بالاتر ہے اور ظلم کا ذکر ہو گیا۔ آگے فرماتے
ہیں ووفیت کل نفس ما عملت وھو اعلم بما یفعلون

اس آیت سے پہلے حق تعالیٰ شانہٗ کا نوال یعنی عطیات و انعامات
خداوندی کا ذکر ہوا تھا کہ یوں معافی ہوگی اور یوں داد و دہش ہوگی۔

اسی طرح اس آیت ووفیت کل نفس ما عملت الخ میں
کسی قدر شانِ نکالی کی طرف بھی اشارہ فرما دیا گیا ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ میں شانِ نوال اور نکال اور جمال و کمال
بدرجۂ اتم موجود ہے۔ قرآن پاک میں مختلف مقاموں میں کسی
جگہ کوئی شان مذکور ہے اور کسی جگہ کوئی۔ بہرحال اس جگہ دو
شان کا ذکر فرما دیا گیا ہے۔

قرآن پاک کا عجیب نظم و نسق ہے کہ ایک ہی آیت میں ترغیب
بھی اور ترہیب بھی۔ اس جملہ کا ترجمہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے
اعمال کی جزا پوری پوری دی جائیگی اور حق تعالیٰ کو ہر فعل
کا علم ہے۔ اس میں ذرا ڈرا بھی دیا گیا ہے کہ گو ہم یہ برتاؤ کرینگے کہ کسی
کی حق تلفی نہیں کرینگے پورا پورا اجر دینگے بلکہ استحقاق سے زیادہ
دینگے۔ لیکن ہم کو علم سب اچھے برے اعمال کا ہے۔ حاکم کا یہ کہنا کہ جو
کچھ تم کرتے ہو، ہم سب جانتے ہیں۔ اس کا یہ اثر ہوگا کہ سننے والے خوفزدہ
ہو جائیں گے اور کانپ اٹھیں گے۔ اوپر چونکہ ترغیب اور شانِ انتہا
درجہ پر بیان کی گئی تھی اس لئے اس کے بعد ترہیب اور نوال شان
نکالی کی طرف بھی اشارہ فرما دیا گیا اور اس کو بھی شامل کر دیا گیا تاکہ
تعدیل ہو جائے، حکیم کی شان یہی ہوا کرتی ہے کہ جب کوئی دوا سرد
دیتے ہیں تو کوئی جزء حار یعنی گرم بھی شامل کر دیتے ہیں تاکہ اعتدال پیدا
ہو جائے۔ یہاں تک جزا و سزا کا اجمالی بیان تھا۔ اب تمام قصہ کا نتیجہ بطور

تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں وسیق الذین کفروا الی جہنم زمرا اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ہنکائے جائیں گے کفار جہنم کی طرف جماعت کی جماعت۔ سوق کے معنی ہیں زبردستی چلانا، اس سے یہ معنی مراد ادا ہوتے ہیں کہ کفار اپنے قصد و اختیار سے جہنم میں نہیں جائیں گے بلکہ جبراً ڈھکیل کر لے جائے جائیں گے جیسے جانوروں کو مار مار کر لیجاتے ہیں۔ اسی طرح فرشتے ان کے پیچھے ہوں گے، ڈھکیل ڈھکیل کر لیجائے جائیں گے، کہ چلو، چلو۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ زمرا کے معنی ہیں جماعت جماعۃ یعنی کفار کی جماعتیں ہونگی۔ بڑے کفار آگے ہونگے اور ان سے پیچھے چھوٹے ہوں گے۔ اور ان سے چھوٹے ان سے پیچھے۔ دیکھیئے شانِ عدل خداوندی دوزخ میں بھی ظاہر ہوگی کہ کفار میں بھی بقدر مراتب کفر کے ہوگا۔ اس کا بیان دوسری آیت میں اس طرح ہے ثم لننزعن من کل شیعۃ ایھم اشد علی الرحمان عتیا فرماتے ہیں کہ ہم کفار کی ہر جماعت سے ان کو الگ چھانٹ لیں گے جو کفر میں شدید تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کفار کی جماعت ہوگی الگ الگ۔ بڑے کفار الگ ہونگے، اور چھوٹے الگ۔ یہ ہی حاصل ہے زمرا کا۔ اور کفار کی سزا میں بھی جو دوزخ کے اندر ہوں گے۔ علیٰ قدر مراتب متفاوت ہوں گے۔ گو خلود سب کو ہوگا۔ کیا شان ہے عدل کی کہ کفر پر سزا دیتے ہیں، تو عدل سے دیتے ہیں حتیٰ اذا جاءوھا وفتحت ابوابھا (ترجمہ) یہاں تک کہ جب کفار دوزخ کے پاس پہنچ جائیں گے تو دوزخ کے دروازے کھولے جائیں گے۔ لوگوں نے اسے استنباط کر کے لکھا ہے، کہ دوزخ کے دروازے بند رہتے ہیں اور اس وقت کھولے جائیں گے جب کفار اس کے پاس پہنچ جائیں گے۔ اس میں یہ ایک نکتہ لکھا ہے کہ اس کی گرمی تیز رہے۔ تنور اگر ڈھک دیا جائے تو اس کی گرمی زیادہ ہو جاتی ہے نسبت اس کے کہ کھلا رہے۔ دوزخ مدتوں سے بند ہوگا تاکہ اس وقت دروازہ کھلنے سے ایکدم بھبکا نکل کر جھلس دے۔ ایک گرمی آگ کی دوسرے جلس کی، دونوں سے مقصود سزا ہے۔ حق تعالیٰ کے جس طرح انعامات کی بات بات پر بارش ہوگی اسی طرح سزا یافتہ لوگوں کے عذاب میں بھی کسر نہ رہے گی۔ یہ نکتہ تو لوگوں نے بیان کیا ہے، شانِ نکال کی۔ اور دوزخ کے دروازے بند ہونے میں ایک نکتہ اور بھی ہے جس سے پہلے نکتے کے خلاف معنی پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ اول کا حاصل یہ ہے کہ یہ بیان شانِ تعذیب کا ہے اور اس نکتہ ثانیہ کا حاصل یہ ہے کہ یہ بیان شانِ رحمت کا وہ نکتہ یہ ہے کہ دوزخ کے دروازے اس واسطے بند ہونگے کہ یہ دکھلا دیا جائیگا کہ دیکھو ہماری طرف سے اتنی گنجائش دیجاتی ہے کہ پاس پہنچنے تک بھی شاید کسی کو کوئی ذریعہ نجات کا ٹوٹا پھوٹا ذریعہ ملجائے، ذرہ برابر ایمان نکل آئے تو وہ بچ جائے۔ جب دروازہ تک پہنچنے پر بھی کوئی ذریعۂ نجات میسر آسکا تو اب مجبوری ہے۔ اتمام حجت ہوچکا اور کہا جاسکتا ہے کہ ہم نے تو دوزخ سے دور رکھا جہاں تک ہوسکتا تھا بچایا اور دروازہ بھی بند رکھا، مگر کوئی ذریعہ رحمت ونجات کا ان کے پاس تھا ہی نہیں، اب پھاٹک کھولا جاتا ہے، اور ان کو داخل کیا جاتا ہے وقال لھم خزنتھا الم یاتکم رسل منکم یتلون علیکم ایات ربکم وینذرونکم لقاء یومکم ھذا (ترجمہ) اور دوزخ میں جانے والوں سے خزنۂ جہنم کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہاری ہی جنس کے رسول نہیں آئے تھے، تمہارے سامنے حق تعالیٰ کی آیتیں پڑھتے اور احکام الٰہی سناتے تھے اور اس دن کے دیکھنے سے ڈراتے تھے۔ یہ بھی اتمام حجت ہے کہ ان سے اقرار بھی لے لیا جاوے تاکہ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم پر ظلم ہوا۔ اس آیت میں

اول یاد دلایا ہے پیغمبروں کے آنے کو جس کا حاصل یہ ہوا کہ اسباب
ہدایت موجود تھے مگر افسوس ہے کہ تم نے ان اسباب سے کام نہیں لیا۔
پھر فرماتے ہیں منکم یعنی وہ رسول کوئی غیر نہیں تھے، تمہارے ہی
جنس سے تھے یعنی فرشتہ یا جن نہیں تھے بلکہ از جنس انسان ہی تھے۔
جس سے بوجہ ہم جنس ہونے کے بہت نفع کی امید تھی۔ حق تعالیٰ کی یہ بھی
رحمت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جنس انسان ہی میں سے بھیجا کیونکہ
مناسبت ہوتی ہے ہم جنس ہونے کی وجہ سے اور نفع موقوف ہے
مناسبت پر تو اگر انبیاء علیہم السلام ہمارے ہم جنس نہ ہوتے تو ان سے
اتنا نفع نہ ہوتا۔

یہ عین رحمت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو ہمارا ہم جنس پیدا کیا۔ یہ ہی
وجہ ہے کہ ان کو ہم پر غایت درجہ کی شفقت ہوتی ہے اگرچہ اتمام
حجت کے لئے یہ بھی کافی تھا کہ دنیا میں ایک فرشتے کو بھیج دیتے کہ وہ
احکام الٰہی کو سنا دیتا بلکہ یہ بھی کافی تھا کہ کتاب لکھی ہوئی اتار دیتے
کہ لوگ اس میں احکام الٰہی کو دیکھ لیتے۔ بس تبلیغ ہو جاتی۔ اس پر
دارو گیر ہو سکتی تھی، مگر ایسا نہیں کیا۔ یہ کس قدر رحمت ہے۔ اس کی
مثال تو ایسی ہے کہ ایک طبیب تو مریض کو ضابطہ کی حد میں کیف ما
اتفق دوا دیتا ہے اس کا لحاظ نہیں کرتا کہ یہ دوا کڑوی ہے، یا
میٹھی ہے اور ایک طبیب شفیق ہے کہ دواؤں میں سے وہ دوا دیتا ہے
جو بد مزہ نہ ہو بلکہ شربت بنا کر دیتا ہے تو حق تعالیٰ کا عجیب
انعام ہے کہ اپنے احکام کو اس طرح بھیجتے ہیں گویا کہ شربت بنا کر پلاتے ہیں۔
چنانچہ انبیاء علیہم السلام کو جنس انسان ہی سے پیدا فرمایا جس کا اثر یہ ہوا
کہ انہوں نے صرف ضابطہ ہی سے تبلیغ نہیں کی، تبلیغ بھی کی اور ہدایت کے
لئے دعائیں بھی کیں اور دل و جان سے توجہ بھی کی۔ احکام الٰہی کو پہنچایا، اور
ان پر عمل کر کے دکھلایا اور نمونہ قائم کیا اور ہر چیز کی نگرانی کر کے
درست کر دیا۔ یوں کہنا چاہئے کہ امت کے روحانی باپ تھے کہ ان کو
امت کی صلاح ہی کی فکر رہتی تھی جیسے باپ اولاد کے پیچھے کھپ جاتا
ہے یہی حال تھا۔ پتہ کہ ان میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔ انبیاء علیہم السلام
نے تبلیغ بھی کی، اصلاح کی تدبیریں بھی کیں اور دعا بھی کی، یہ بات
اس صورت میں ہرگز نہ ہوتی کہ انبیاء علیہم السلام غیر جنس سے ہوتے۔
غرض منکم کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ایسے پیغمبر آئے تھے جو
تمہارے اوپر نہایت شفیق اور مہربان تھے۔ انہوں نے کوئی دقیقہ تمہاری
خیر خواہی میں اٹھا نہیں رکھا۔ اب تمہارے پاس کیا عذر ہے، اور
یتلون صیغہ مضارع کا لایا گیا جو کہ تکرار پر دلالت کرتا ہے۔ مطلب
یہ کہ انہوں نے صرف ایک مرتبہ تبلیغ کر کے نہیں چھوڑا بلکہ بار بار تبلیغ کرتے
رہے وینذرونکم یعنی اس دن کی پیشی سے بھی تم کو ڈراتے
رہے کہ خدائے احکم الحاکمین کے سامنے جوابدہی کرنا ہوگی، اس وقت
تمہارے پاس کوئی عذر و حیلہ نہ ہوگا۔

اور الم یأتکم بصیغہ استفہام لایا گیا ہے، اتاکم نہ کہے
کیونکہ اتاکم جملہ خبریہ ہے جو جواب کو مستلزم نہیں ہوتا اور استفہام
مقتضی جواب کو ہوتا ہے۔ ظاہر ہے ایک تو یوں کہا جائے کہ تمہارے
پاس ہمارا پروانہ پہنچا تھا تم نے اس کی تعمیل نہیں کی اور ایک یوں کہا
جاوے کہ کیا تمہارے پاس پروانہ نہیں پہنچا تھا۔ اس کا مطلب یہ
ہوتا ہے کہ اول اس کا جواب دو، پھر وہ جواب دیگا کہ ضرور پہنچا
اسکے بعد اس پر یہ الزام متوجہ ہوگا کہ باوجود پروانہ پہنچنے کے تم نے
تعمیل حکم کیوں نہیں کی۔ غرض استفہام بر جواب کو چاہتا ہے۔ اس کا فائدہ
یہ ہوگا کہ وہ اعتراف و اقرار کریں اور خود ہی مجرم بن جاویں، اور

(بقیہ مضمون بر صفحہ)

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علےٰ رسولہ علیہ وعلیٰ الہٖ واصحابہ وبارک وسلم امّا بعد

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اولادِ آدم کی رہنمائی کے لئے سب سے آخر میں محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سارے عالم کے لئے ہدایت کا سرچشمہ بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ ہی کے مبارک ہاتھوں سے خدا کا دین اپنی تکمیل کے سارے مراحل طے کر گیا۔ انسانی سیرت و کردار کی جو پختگی اور جامعیت مطلوب تھی وہ حضورِ انور صلے اللہ علیہ وسلم میں بدرجۂ اتم موجود تھیں جس طرح آپ کا جسمانی پیکر اپنی ظاہری وجاہت اور شکل و صورت کے اعتبار سے متناسب و موزوں تھا، بالکل اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم میں اخلاقِ کریمانہ و اوصافِ حمیدہ بدرجۂ اتم موجود تھے۔

شمس تبریزؒ اپنی مثنوی میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابوجہل نے سرورِ کونین کو دیکھ کر کہا، بنی ہاشم میں ایسا بدصورت شخص پیدا نہیں ہوا (معاذ اللہ) حضور نے فرمایا تو سچ کہتا ہے، تھوڑی دیر بعد صدیق اکبرؓ آئے اور عرض کیا اے آفتابِ رسالت دونوں عالم آپ کے نور سے منور ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے ٹھیک کہا، حاضرین نے وجہ پوچھی تو جواب ملا کہ میں خداوندِ قدوس کا صیقل کیا ہوا آئینہ ہوں جس میں ہر کوئی اپنی صورت دیکھتا ہے۔

سردارِ دو جہاں آقائے نامدار کی زندگی سادگی کا اعلےٰ و ارفع مرقع تھی۔ گھر میں ضرورت کی ایک دو چیزوں سے بڑھ کر، اور کچھ نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں ایک عام آدمی کی سی زندگی گزارتے اپنے کپڑوں کی خود ہی دیکھ بھال کرتے۔ خود ہی پیوند لگاتے۔ بکری کا دودھ دوہتے، بازار جا کر سودا خود لے آتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم کو کبھی نہیں جھڑکا۔ رات کے وقت سونے سے پہلے اپنے اہل خانہ سے عام دلچسپی کی باتیں کرتے، کبھی قصہ کہانی بھی سناتے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم گوشت، شہد، مکھن سرکہ، کھجور، خربوزہ، ککڑی وغیرہ بڑے شوق سے تناول فرماتے، سلام کرنے میں ہمیشہ پیش قدمی فرماتے۔ گھر سے نکلتے وقت اور داخل ہوتے وقت اہل خانہ کو سلام کرتے۔ بچوں سے بے حد پیار کرتے اور فرماتے، یہ خدا کے باغ کے پھول ہیں۔ ہر شخص کی خوشی اور غم میں برابر کے شریک بنتے۔ گم گشتہ راہوں کو راہِ مستقیم پہ لانے کے لئے جدوجہد فرمایا کرتے۔

خُلقِ رسولؐ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکت تمام صفاتِ حمیدہ کا مجموعہ تھی۔ اپنے اخلاق معاشرت کے لحاظ سے انسانوں میں سب سے برتر و بلند تھے۔ آپ صلے اللہ

علیہ وسلم کے خادم حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں دس سال تک
آپ کی خدمتگذاری کی مگر اس مدت میں آپ کا ڈانٹنا تو کجا کبھی
مجھ سے اُف بھی نہیں کہا، اور نہ میرے کسی کام کے بارے میں پوچھا،
تونے ایسا کیوں کیا؟ اور اگر میں نے کوئی کام نہیں کیا تو یہ بھی دریافت
نہیں فرمایا کہ ایسا تو نے کیوں نہیں کیا؟

ایکمرتبہ سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے بکری
کا گوشت پکانے کو کہا، ایک صحابی نے عرض کیا میں اسے ذبح کروں گا۔
دوسرے نے درخواست کی کہ میں اس کی کھال اتار دوں گا۔ تیسرے نے
کہا میں اسے پکاؤں گا۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں لکڑیاں
چن کر لاؤں گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم ہم لوگ لے
آئیں گے ہم کافی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک تم کافی
ہو، یہ کام کر سکو گے لیکن مجھے یہ ناپسند ہے کہ میں اپنے لئے امتیازی
برتاؤ روا رکھوں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اسے ناپسند فرماتا ہے کہ اس کا
کوئی بندہ اپنے ساتھیوں میں ممتاز رہے۔

ایکمرتبہ عید کا دن تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جا
رہے تھے، راہ میں کچھ بچے کھیل کود رہے تھے، ایک بچہ مغموم و
افسردہ سب سے الگ تھلگ بیٹھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے
دریافت کیا کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں یتیم ہوں، میری ماں نے
دوسری شادی کرلی ہے۔ کوئی نہیں جو میری سرپرستی کرے۔ آپ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ محمد (صلی اللہ
علیہ وسلم) تمہارا باپ ہو اور عائشہؓ تمہاری ماں ہو، اور فاطمہ تمہاری
بہن۔ بچہ خوش ہو گیا اور پھر وہ باپوں میں سب سے بہتر باپ، ماؤں میں
سب سے بہتر و بہترین ماں اور بہنوں میں سب سے افضل ترین بہن کے دامن
شفقت میں پہنچ گیا۔

کتاب الزخائر میں یہ واقعہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم بازار تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
کے پاس آٹھ درہم تھے۔ آپ نے ایک عورت کو روتے ہوئے پایا، تو
دریافت فرمایا کہ تم کیوں رو رہی ہو؟ وہ بولی مجھے گھر والوں نے دو
درہم دیکر کچھ چیز خرید نے بھیجا تھا، وہ مجھ سے کہیں گم ہو گئے۔ آپ
صلی اللہ علیہ وسلم نے دو درہم اس کو دے دئے اور چھ درہم لے کر
بازار تشریف لے گئے اور ایک قمیص خرید کر اسے پہنا اور واپس
تشریف لائے تو راستے میں آپ نے ایک عُریاں تن بوڑھے کو دیکھا
وہ کہہ رہا تھا کہ مجھے جو لباس پہنائیگا خدا اس کو لباس جنت عطا کریگا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اسے پہنا دی اور پھر بازار تشریف
لے گئے۔ دو درہم میں ایک اور قمیص خریدی اور زیب تن فرمایا۔
واپسی پر وہ عورت پھر روتی ہوئی نظر آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
نے دریافت کیا اب کیا بات ہے؟ وہ بولی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ میں گھر سے نکل کر بہت دیر ہو گئی
ہے۔ ڈر ہے کہ کہیں گھر والے سزا نہ دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا گھر واپس جاؤ۔ وہ واپس چلی گئی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی
اس کے ساتھ چلنے لگے۔ اتنے میں بعض انصار کے گھر نظر آئے۔ مرد
باہر گئے ہوئے تھے عورتیں گھر میں موجود تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا اے بیبیو! تم پر خدا کی سلامتی اور
رحمت ہو۔ عورتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز تو سن لی
مگر کسی نے جواب نہیں دیا۔ آپ نے دوسری مرتبہ سلام کیا، مگر پھر بھی
وہی خاموشی رہی۔ جب تیسری مرتبہ آپ نے سلام کیا تو سب نے قول

سے مل کر کہا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) ہمارے ماں باپ آپ پر قربان آپ پر خدا کی رحمت و سلامتی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم نے میرا پہلا سلام نہیں سنا تھا؟ وہ بولیں ہاں سنا تھا، لیکن ہمارا جی چاہا کہ آپ کے دہن مبارک سے نکلے ہوئے بابرکت بول ہم اور ہمارے بچے دیر تک سن سکیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری اس کنیز کو دیر ہوگئی ہے، اس سے یہ ڈر رہی ہے کہ کہیں اس کو سزا نہ دی جائے لہٰذا اس کی عقوبت مجھے بخش دو۔

یہ کلام سن کر وہ عورتیں کہنے لگیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ کے ساتھ آئی ہے۔ اس وجہ سے ہم اسے آزاد کرتے ہیں۔ واپس ہوتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آٹھ درہم کتنے برکت والے ہیں، ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایک خائف کو امن دیا، دو آدمیوں کی ستر پوشی کی، ایک کنیز آزاد ہوئی اور جو مسلمان کسی مسلمان کی ستر پوشی کرتا ہے تو جب تک اس کے بدن پر وہ کپڑے رہتے ہیں پہنانے والے کی اللہ حفاظت کرتا ہے۔

ابن الطفیل روایت کرتے ہیں کہ میں بچہ تھا میں نے دیکھا کہ ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور قریب آکر کھڑی ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے اپنی چادر مبارک بچھا دی، وہ اس پر بیٹھ گئی۔ میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون تھی، جواب ملا کہ اسکی ماں نے آپ کو دودھ پلایا تھا۔ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خلیق کوئی بھی نہ تھا۔ جب آپ کے صحابہ میں سے کوئی بھی آپ کو پکارتا تو ان کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم لبیک فرماتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چالیس سال کی عمر میں منصب نبوت پر فائز ہوئے۔ اس سے پہلے آپ کا پورا دور اخلاقی لحاظ سے اس قدر ممتاز تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگ سچا، اور دیانت دار کہہ کر پکارتے تھے۔ الصّادق، الامین آپ کا مشہور لقب بن گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ بات ساری آبادی میں متفق علیہ تھی کہ آپ ایک نہایت ایماندار شخص ہیں اور کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔

منصب نبوت پر فائز ہونے سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ قریش نے کعبہ کی از سر نو تعمیر کا ارادہ کیا۔ جب تعمیر ہونے لگی تو اس بات پر شدید اختلاف پیدا ہوگیا کہ حجر اسود کو نئی تعمیر میں کون شخص اس کی جگہ پر نصب کرے۔ چار پانچ دن تک یہ اختلاف جاری رہا۔ اور قریب تھا کہ تلواریں چل جائیں۔ بالآخر طے پایا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ وہ شخص کرے گا جو کل صبح کو سب سے پہلے بیت اللہ میں داخل ہو۔ دوسرے دن جب لوگوں نے سب سے پہلے داخل ہونے والے انسان کو دیکھا تو پکار اٹھے ھٰذا الامین رضینا (امین آگیا ہم سب اس کے فیصلہ پر متفق ہیں)۔

مرتبۂ نبوت پر فائز ہونے کے بعد پہلی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا کے دامن میں لوگوں کو جمع کرکے اپنی دعوت پیش کی۔ آپ نے اپنی دعوت تقریر شروع کرنے سے پہلے حاضرین سے یہ سوال کیا کہ تمہارا میرے متعلق کیا خیال ہے؟ جواب میں بالاتفاق یہ آواز آئی ماجربنا علیک الا صدقا (متفق علیہ) تمہارے اندر ہم نے سچائی کے سوا کوئی بات کبھی نہیں دیکھی ہے۔ ساری تاریخ میں کسی بھی ایسے ذات بابرکت کا نام نہیں لیا جاسکتا جن کے مخالفین شدید مخالفت کرنے

کے باوجود ان کی زندگی وسیرت کے بارے میں اتنی غیر معمولی رائے رکھتے ہوں اور یہ واقعہ بجائے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول اللہ ہونے کا کافی ثبوت ہے۔

استقلالِ رسول

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ عامّہ دنیا پر چھانے لگی تو قریش، اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے تاہم شروع میں انہوں نے سختی کی بجائے نرمی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باز رکھنے کی کوشش کی۔ جب اس کام میں مایوس ہوئے تو معززین قریش کا ایک وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے پاس گیا۔ انہوں نے انہیں سمجھا بجھا کر واپس کر دیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فریضہ سے ادھر سبکدوش نہیں ہو سکتے تھے۔ قریش نے جب دیکھا کہ آپؐ کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تو دوبارہ ابوطالب کے پاس پہنچے اور ان سے کہا تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے اور ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے۔ ہمارے معززین کو ناسمجھ تبلاتا ہے، اس لئے یا تو درمیان سے ہٹ جاؤ ورنہ پھر میدان میں آؤ کہ ہم تم فیصلہ کرلیں۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر ابوطالب نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور سمجھایا کہ بیٹا چچا پر ناقابلِ برداشت بار نہ ڈالو۔ اور اپنی قوم کی مخالفت چھوڑ دو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہری سہارا جو کچھ تھے ابوطالب تھے، ان کی زبان سے اس قسم کی باتیں سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا چچا جان خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے ہاتھ پر ماہتاب لاکر رکھ دیں تو بھی اس فریضہ سے دست کش نہیں ہو سکتا۔ تا آنکہ میں کامیاب ہوں یا اسی راہ میں میری جان کام آجائے۔ ابوطالب یہ جواب سن کر سخت متاثر ہوئے اور کہا "جاؤ جو دل میں آئے کرو، میں کسی حالت میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔"

قریش جب اس طرف سے بھی مایوس ہو گئے تو آخر یہ طے کیا کہ اگر سختی سے نہیں تو نرمی سے اس نئی تحریک کا خاتمہ کر دیا جائے۔ چنانچہ عتبہ بن ربیع کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اس نے آکر کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آخر تم کیا چاہتے ہو کیا مکہ کی حکومت چاہتے ہو؟ یا کسی بڑے گھرانے میں شادی کی خواہش ہے، یا دولت کے ڈھیر مطلوب ہیں۔ ہم یہ سب کچھ مہیا کر سکتے ہیں ہم اس پر راضی ہیں کہ کل مکہ تمہارے زیر فرمان ہو جائے اور جو کچھ چاہو وہ کر دیا جائے گا لیکن تم اپنی دعوت سے باز آجاؤ!

مخالفین کا خیال اتنے تک ہی محدود نہ تھا بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس دعوت نامہ سے کوئی مادی غرض وابستہ ہے۔ ان کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ کوئی کام خدا کی خوشنودی اور محض اس کی اطاعت کے لئے بھی کیا جا سکتا ہے، وہ تو یہی جانتے تھے کہ جان اور مال کی بازی حکومت اور دولت ہی کے لئے لگائی جا سکتی ہے۔

انہیں کیا معلوم تھا کہ آخرت کی دائمی زندگی کی کامیابی کے لئے بھی لوگ جان و مال نثار کرنے کا سودا کر لیتے ہیں۔ چنانچہ عتبہ کو پورا یقین تھا کہ اسکی درخواست ضرور منظور ہو جائیگی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں قرآن پاک کی چند آیات تلاوت فرمائے جن میں توحید کی دعوت اور اپنی رسالت کی وضاحت کی گئی تھی۔ عتبہ یہ سن کر واپس ہو گیا اور اتنا اثر لے گیا کہ جب اس نے

قریش کے سرداروں کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کی تو کہا محمدؐ جو کلام پیش کرتے ہیں وہ شاعری تو نہیں ہے کچھ اور چیز ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ کامیاب ہوگئے، تو سارے عرب میں غالب آجائیں گے اور اس میں تمہاری بھی عزت ہے، ورنہ عرب خود انہیں نکال دینگے۔ لیکن قریش نے یہ رائے منظور نہیں کی۔ اور یہی فیصلہ کرلیا کہ ان پر اتنی سختیاں کی جائیں کہ وہ تنگ آکر اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور ہوجائیں۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم سخت ترین مصائب اور تکالیف آپ کو پہنچانے لگی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی راہ میں کانٹے بچھا دئے۔ نماز پڑھتے وقت آپ کے جسم اطہر پر نجاست ڈال دیتے۔

ایکدفعہ آپؐ مسجد حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن ابی معیط نے آپؐ کی گردن مبارک میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچا کہ آپؐ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ اس قسم کی حرکتوں سے جب آپؐ پر کوئی اثر نہ ہوا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سارے خاندان کا بائی کاٹ کردیا۔ اور آپ کو مجبور کیا کہ بستی سے باہر ایک درہ میں جاکر بے یار و مددگار پڑے رہیں۔ اس دوران میں کوئی ضرورت کی چیز حتیٰ کہ کھانا پینا بھی نہ کوئی شخص آپؐ تک پہنچا سکتا تھا اور نہ آپ کے ہاتھ فروخت کرسکتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان کے ساتھ تین سال تک اس حصار میں اس طرح رہے کہ [illegible] درخت (طلح) کے پتے کھاتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ساتھی کا بیان ہے کہ اس زمانے میں ایک دفعہ رات کو سوکھا چمڑا ہاتھ آگیا۔ میں نے پانی سے اسے دھویا پھر آگ پر بھونا اور پانی میں ملاکر کھایا۔ تین سال کے بعد یہ حصار ختم ہوا۔ ان تمام ایذارسانیوں کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کام کرتے رہتے۔

ھجرت

بالآخر قریش نے طے کیا کہ اب اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کردیا جائے۔ چنانچہ ایک رات حسب مشورہ قریش کے تمام سرداروں نے ننگی تلواروں کے ساتھ آپؐ کا مکان گھیر لیا تاکہ صبح کو جب آپ باہر نکلیں تو آپ کو قتل کردیا جائے، مگر اللہ کی مدد سے آپؐ بحفاظت گھر سے نکل گئے اور مدینۂ منورہ جاکر قیام فرمایا۔

اس کے بعد قریش نے آپؐ کے ساتھ باضابطہ جنگ چھیڑ دی اور دس سال تک آپؐ اور آپ کے ساتھیوں کو جنگ و جدال و قتال میں الجھائے رکھا جس میں آپؐ کے دندان مبارک شہید ہوئے بہترین ساتھی مارے گئے۔ وہ تمام مصائب جھیلنے پڑے جو جنگی حالت میں جھیلنے پڑتے ہیں۔

فتح مکہ

اس طرح کی ۲۳ سالہ تاریخ کے بعد آپ کی عمر کے آخری دنوں میں مکہ معظمہ فتح ہوا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بے یار و مددگار آپ کے سامنے ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایسے وقت میں فاتح جو کچھ کرتا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کسی طرح کا کوئی انتقام نہیں لیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یَا مَعْشَرَ قُرَیْش مَا تَرَوْنِی اِنِّی فَاعِلٌ فِیْکُمْ؟ (قریش کے لوگو! بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟)

انہوں نے کہا آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کی اولاد ہیں۔ آپ نے فرمایا اِذْھَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ (جاؤ، تم سب آزاد ہو)

اعلیٰ ترین سلوک کی یہ حیرت انگیز مثال تاریخ کا ایک ایسا معجزہ ہے کہ اگر وہ دورِ تاریخ سے قبل کا ہوتا اور تاریخی طور پر ثابت نہ ہوتا تو یقیناً کہنے والے کہتے کہ یہ واقعہ نہیں بلکہ افسانہ ہے کیونکہ کوئی انسان اب تک ایسا پیدا نہیں ہوا۔

مدینۂ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ریاست کے مالک تھے آپ کو ایسے جاں نثار خادم حاصل تھے جیسے وفادار اور جاں نثار ساتھی آج تک کسی کو نہیں ملے، مگر واقعات بتاتے ہیں کہ آخر عمر تک آپؐ نے بالکل سادہ زندگی بسر کی۔

حضرت عمرؓ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپؐ کے حجرہ شریف میں داخل ہوا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر قمیص کے کھجور کی معمولی چٹائی پہ لیٹے ہوئے ہیں۔ اور آپؐ کے جسم اطہر پر چٹائی کے نشانات صاف نظر آرہے ہیں۔ حجرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی تو اس کا کل اثاثہ یہ تھا۔ ایک طرف تین چمڑے، ایک کونے میں چھال اور دوسرے کونے میں تقریباً ایک صاع جو۔ یہ منظر دیکھ کر میں بے اختیار رو پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا روتے کیوں ہو۔ میں نے عرض کیا قیصر وکسریٰ کو تو دنیا کی دولت حاصل ہے اور آپؐ خدا کے رسول اس حال میں ہیں۔ یہ سن کر آپ بیٹھ گئے اور فرمایا کہ عمرؓ آخر تم کس خیال میں ہو کیا تم نہیں چاہتے کہ ان کو دنیا ملے اور آخرت ہمارے حصے میں آئے۔؟

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ دو دو مہینے گزر جاتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے مکانات میں چولھا نہیں جلتا تھا۔ عروہؓ نے سوال کیا کہ آپ لوگ زندہ کیسے رہتی ہیں۔ انہوں نے دیا کہ کھجور اور پانی ہماری غذا تھی۔ ساتھ ہی ساتھ بعض انصار دودھ بھیج دیا کرتے تھے، ان ہی کی دوسری روایت ہے کہ آپؐ کے گھر والوں نے مدینہ آنے کے بعد مسلسل تین دن تک گیہوں کا استعمال نہیں کیا اور اسی حالت میں آپؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

آپؐ نے قدرت رکھنے کے باوجود اس طرح زندگی گزاری اور جب دنیا سے پردہ پوش ہوئے تو اپنے بیویوں اور اولاد کے لئے کچھ نہیں چھوڑا۔ نہ دینار نہ درہم نہ اونٹ نہ بکری اور نہ کسی چیز کی وصیت کی۔ بجائے اس کے دنیا کی عظیم ترین حکومت کے بانی آپؐ کو اپنی مبارک زندگی میں ہی معلوم تھا کہ آپؐ کی حکومت ایشیا اور افریقہ سے گزرتی ہوئی یورپ کی سرحدوں تک پہنچ جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نحن لا نورث ما ترکنا صدقة (بخاری و مسلم) ہم پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق وکردار اور آپکے اخلاص و ایثار کی ایک جھلک جو پیش کی گئی یہ مستثنیٰ واقعات نہیں ہیں بلکہ یہی آپ کی پوری زندگی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی اسی قسم کے واقعات کا دوسرا نام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی اتنی بلند تھی کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا نہ ہوتے تو تاریخ کے اوراق اسی قسم کے اعلیٰ کردار اپنے قارئین کے سامنے پیش نہیں کرسکتے تھے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ — تمت بالخیر والسعادة

اعلائے کلمۃ الحق ہر زمانہ میں اولیاء کرام کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ جابر سلطانوں، جاہل انسانوں کے منہ پہ کبھی حق بات پیش کرنے سے گریز نہ کیا۔ اس کے لئے اپنی زندگیاں وقف کردیں۔ راستہ میں پیش آنے والی ہر تند و تیز آندھی کا خندہ پیشانی سے سواگت کیا۔ زمانے کی کٹھنائیاں ان کے پائے استقلال کو متزلزل نہ کرسکیں۔ یہ ہر مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے جادۂ حق پر رواں دواں رہے۔

اسلام کے ان مایۂ ناز فرزندوں میں سے ایک قدوتنا و مولانا اعلیٰحضرت الحاج رکن الدین سید شاہ محمد قادری قدس سرہٗ العزیز بھی ہیں۔ حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے مطابق حضرت قربی و ذوقی قدس سرہما کی پیشین گوئی کے موافق یہ آفتابِ رشد و ہدایت ۲۲ شوال المکرم سنہ ۱۲۶۹ھ میں افق ویلور سے طلوع ہوا۔

آپ کے والدِ بزرگوار زبدۃ العارفین حضرت مولانا سید شاہ عبداللطیف قادری المشہور بہ قطبِ ویلور قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنہ ۱۲۶۵ھ میں (جبکہ آپ پہلی مرتبہ حرمین شریفین تشریف لے گئے تھے) فرزند بلند اقبال کی خوشخبری دی۔ اسی سرزمین پر میں نے خواب دیکھا کہ حرم مقدس میں ایک پودا نکل آیا۔ جو کچھ ہی دیر میں تناور درخت کی شکل اختیار کرتے ہوئے کعبۃ اللہ پر سایہ فگن ہوگیا۔ صبح کے وقت سب سے پہلے میری ملاقات شاہ اسحٰق صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ سے ہوئی۔ خیر و عافیت کے بعد میں نے رات کے خواب کا تذکرہ کیا۔ جس کو سن کر شاہ صاحب بہت لطف اندوز ہوئے اور تعبیر میں فرمایا کہ آپ کو ایک فرزند صالح پیدا ہوگا۔ اس سے اور اسکی اولاد امجاد سے اہل عالم کو فیض پہنچیگا۔ (اہلِ خرد پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ آج بھی وہ شاہ صاحب کی تعبیر کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔)

نیز آپ اپنے ایک فارسی مکتوب میں رقمطراز ہیں کہ میرے شیخ و جد حضرت عبداللطیف المعروف بہ محی الدین ذوقی قدس سرہٗ نے چھیاسی سال پیشتر اپنے مراقبات کے ذریعہ ایسے فرزند صالح کی بشارت دی ہے جو عمر دراز اور مراتبِ عالیہ کا حامل ہوگا۔ آگے چل کر آپ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ و جدِ اعلیٰ حضرت رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربی قدس سرہٗ نے اس مراقبہ پر مبارکباد پیش کی۔ مزید آپ فرماتے ہیں کہ اس کے علاوہ اور بہت سی بشارتیں موجود ہیں، جو ضبطِ تحریر سے قاصر ہیں۔ (مکتوبات لطیفی)

آپ فاضل اساتذۂ روزگار کی زیرِ نگیں اور والدِ بزرگوار کی سرپرستی میں علوم ظاہری و باطنی سے بہرہ ور ہونے کے بعد ۲۰ سال کی عمر میں والدِ محترم کے ہمراہ کعبۃ اللہ تشریف لے گئے۔ وہاں سے مدینۂ منورہ پہنچکر آپ نے اپنے والدِ بزرگوار سے بیعت کی، آبائی نعمت ایکسو اکانوے سلاسل کی اجازت اور خرقۂ

دارالعلوم لطیفیہ وملحقہ مسجد مکانِ حضرت قطبِ ویلور

خلافت حاصل کیا۔ آپ کے والد بزرگوار ارض مقدس پر داعی اجل کو لبیک کہنے کے بعد ہندوستان واپس لوٹ آئے۔ ابھی آپ کی عمر فقط اکیس سال کی تھی کہ اس نوعمری میں آپ نے اپنے نازک شانوں پر باستقلال کمال و اولو العزمی حضرت مکان کی عظیم ذمہ داریوں کو اٹھالیا اور اپنے آبا و اجداد کے نقش قدم پر گامزن ہو کر زندگی کے آخری لمحہ تک ان ذمہ داریوں کو انتہائی خوش اسلوبی سے انجام دیا ؎

جوانمردانِ اولو العزم جب کرنے پہ آتے ہیں
سمندر پاٹتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں

رسم سجادگی کے بعد یہاں کی ترقیات میں آپ نے سب سے پہلے مسجد حضرت مکان کی توسیع و تعمیر نو کا کام ۱۲۹۱ھ میں شروع کیا اور ایک عالیشان مسجد تعمیر فرمائی جبکہ شہر بھر میں اس سے بڑی اور عالیشان مسجد نہ تھی۔ آج بھی اس کا پُرکیف و دلکش منظر آپ اپنی نظیر ہے۔ جس کے مسحور کن حسن و جمال پر بندگانِ خدا کی نظریں مرکوز ہو کر رہ جاتی ہیں۔ مسجد کے اندر ایک کتبہ آویزاں ہے۔ جس سے معمار اور تاریخ تعمیر پر روشنی پڑتی ہے ؎

رکن دیں مقتدائے اہل زمن
مسجدے چوں حرم بنا کردہ
بہرِ اعلام عابداں ہاتف
بانگ قد قامت الصلوٰۃ زدہ

خانۂ خدا کی تعمیر سے فراغت کے بعد آپ چمنستان لطیفیہ کی تشکیل و تعمیر نو کی طرف ۱۳۰۲ھ میں متوجہ ہوئے جس کی بنا آنحضور صلے تعالیٰ علیہ وسلم کی بشارت و حکم کے مطابق ایک مرد درویش حضرت سید شاہ عبد اللطیف لاابالی قادری بیجاپوری قدس سرہٗ نے رکھی تھی۔ اور جس کی آبیاری حضرت مولانا رکن الدین محمد سید شاہ ابو الحسن قربی، حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری ذوقی حضرت مولانا سید شاہ ابو الحسن قادری محوی اور حضرت قطب ویلور قدس اسرارہم نے کامل توجہات سے کی اور جس کے خوشہ چینیوں میں حضرت ذوقی و باقر آگاہ جیسی مقتدر ہستیاں ہیں۔ جس میں بہنے والی صاف و شفاف شہد میں ہزاروں سے فقیر محی الدین اور واعظ عبد الحی جیسی مؤقر شخصیتوں نے سیرابی حاصل کی۔ جس کے درختوں کی گھنیری چھاؤں میں بیٹھ کر اہل فکر و دانش نے صدیوں کی تھکن مٹائی۔ ایسے عظیم چمنستانِ علم کی آبیاری آپ نے ایک ایسے خزاں رسیدہ دور میں کی جبکہ ہر طرف مغربی تہذیب کی بادِ سموم معصوم ہندوستانیوں پر حملہ آور تھی، لوگ مذہبی تعلیم سے بیگانہ اور صحیح عقائد سے نابلد ہوتے جا رہے تھے۔ اس چمنستان میں نئے بیل بوٹے لگوائے جس کی مہک سے عنادل پراگندہ جمع ہو گئیں۔ دوبارہ اس چمن سے بلبلانِ خوش نوا و قمریانِ شیریں مقال کی سحر آگیں و پُرکیف آواز بلند ہونے لگیں۔ یہ چمنستانِ علم آج ایک عالی شان عمارت کے روپ میں جو نظر آ رہا ہے یہ آپ ہی کی کد و کاوش کا نتیجہ ہے جس کو ایک عالم دار العلوم لطیفیہ ویلور کے نام سے جانتا ہے۔ آج بھی جس کی خدمات بام عروج پر پہنچی ہوئی ہیں، تشنگانِ علم و حکمت مختلف علاقوں سے آکر سیراب ہو رہے ہیں۔

آپ کی ذات سامی فضل و کمال، حسن و جمال، جود و نوال جیسے اوصاف حسنہ سے متصف تھی علم و استغنا حد درجہ موجود تھا۔ یہ وہی اوصاف ہیں جو آپ کے آبا و اجداد میں بدرجۂ اتم موجود تھے۔ آج بھی اس خاندانِ والا شان میں یہ چیزیں موجود ہیں۔ جس کی وضاحت کی

کوئی ضرورت نہیں۔ عیاں راچہ بیاں۔

آپ کے استغناء کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ دارالعلوم لطیفیہ کی تعمیر و تشکیلِ نو کے بعد نظامِ دکن والی ریاستِ حیدرآباد نے علمی خدمات کیلئے پانچسو روپیہ ماہوار کی پیشکش کی، جس کو آپ نے شکریہ کے ساتھ واپس کرتے ہوئے کہہ دیا کہ فقیر کو اس کی کوئی حاجت نہیں ؂

ما کارِ خویش را بخداوند کارساز

بگذاشتیم تا کرم او چہسا کند

آپ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جب کسی حاجت مند کو آتا ہوا دیکھ لیتے فوراً مکان جاکر اس کے سوال کرنے سے پہلے حاجت روائی کر دیتے، آپ کے متعلق یہ واقعہ مشہور ہے کہ آپ خاندانی مقبرہ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے کہ شہر کے ڈپٹی کلکٹر تبادلہ کی وجہ معاشی بحران سے دوچار ہو کر تشریف لائے اور اپنی حاجت پیش کی، تو آپ نے انہیں بیٹھنے کے لئے کہا اور خود بھی بیٹھے رہے۔ کچھ دیر بعد ایک آدمی آپ کی خدمت میں آیا اور کچھ دینا چاہا۔ آپ نے اسے حاجتمند کو دینے کیلئے کہا۔ ڈپٹی صاحب کو اس بات پر سخت حیرانی ہوئی کہ اس میں پیسوں کی اتنی ہی مقدار تھی جس کا یہ مطالبہ کئے تھے ضرورت نکل آنے کے بعد وہ پیسے لوٹانے کے لئے آپ کے پاس آئے، تو آپ نے قبول نہیں فرمایا۔

آپ صبر و استقامت کی ایک چٹان تھے جس کو مصائب و آلام کے مہیب آندھیوں اور طوفانوں نے اپنی جگہ سے ہٹا نہ سکیں

مولوی محمد قاسم صاحب آبنوری فرماتے ہیں کہ آپ کی والدہ ماجدہ پر سکرات کا عالم طاری ہو گیا جس کی وجہ مکان کا ہر پیر و جوان محوِ رنج و الم تھا لیکن ایک لختِ جگر اپنی ماں کے قریب ان کی آخری گھڑیوں میں صبر و استقامت کے ساتھ خدائی فیصلہ کے آگے سرنگوں ہے کہ ایسے دلگداز وقت میں مولوی نظام الدین صاحب فقیہہ مدراسی تشریف لے آئے جس کی اطلاع آپ کو دی گئی۔ اس عالم میں بھی آپ لباس تبدیل فرماکر مولوی صاحب سے انتہائی اطمینان و خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کی۔ دل میں غم کا لاوا اُبل رہا ہے لیکن صورت پر وہی طمانیت۔ فقیہہ صاحب نے سلام و عافیت کے بعد آپکی والدۂ محترمہ کی خیریت دریافت کی۔ اس صبر و استقامت کے کوہِ عظیم نے پُرسکون انداز میں فرمایا کہ سکرات کا عالم طاری ہے چند لمحوں کے مہمان ہیں۔ ان الفاظ کا زبان سے نکلنا ہی تھا کہ فقیہہ صاحب مبہوت ہو گئے، اور بے ساختہ چیخ پڑے کہ یا شیخ انت جبال الحلم بے شک کسی نے کیا خوب کہا ؂

پختہ طبعوں پہ حوادث کا نہیں ہوتا اثر

کوہساروں میں نشانِ نقشِ پا ملتا نہیں

آپ صاحب دل انسان تھے۔ آپ نے کبار اولیاء کرام سے عالمِ رُویا اور عالمِ بیداری میں ملاقات کی ہے۔ چنانچہ آپ کے والدِ ماجد حضرت قطبِ ویلور قدس سرہ العزیز کے انتقال کے بعد آپ نے مدینہ منورہ کی مقدس سرزمین پہ خواب دیکھا کہ ایک بزرگ سبز عمامہ باندھے ہوئے تشریف لائے ہیں اور اظہارِ غم کرتے ہوئے قرآنی آیات پڑھکر تعزیت ادا کی۔ بعد نمازِ فجر آپ قافلہ سے رات والے خواب کا تذکرہ کرنے لگے۔ ابھی ختم بھی نہ کرنے پائے تھے کہ آپ کو وہی بزرگ آتے ہوئے دکھائی دئے۔ آپ نے لوگوں سے کہا کہ دیکھو کہ،

جن کا میں ابھی تذکرہ کر رہا تھا یہی بزرگ ہیں جو چلے آ رہے ہیں،
مذکورہ بزرگ سیدھے آپ کے پاس تشریف لائے اور کچھ دیر بیٹھ کر
دیہی آیاتِ قرآنیہ تلاوت کرتے ہوئے، تعزیت ادا کی جن کے
متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

آپ کے والد بزرگوار حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ کے انتقال
کی شب کو مکہ مکرمہ میں ایک بزرگ نے خواب دیکھا کہ ہر طرف گھٹا ٹوپ
اندھیرا اور ظلمتوں، پہ ظلمتیں چھائی ہوئی ہیں۔ اس تاریکی کے عالم
میں کوئی بزرگ اک پیر مدیہ استادہ محو غم ہیں اور ان کے چہرہ پر
ایک نور کی کرن افشاں ہے۔ بزرگ نے ان کھڑے ہوئے بزرگ
سے سوال کیا کہ یہ قیامت کی تاریکی کیوں چھائی ہے اور آپ غمگیں
کیوں ہیں تو جواب دیا کہ آج شب شاہ محی الدین صاحب کا مدینہ میں
انتقال ہوگیا ہے جن کی وجہ سے عالم میں فیوضات و برکات
جاری تھے، تم مدینہ جاکر ان کے فرزند سے تعزیت ادائی کرنا۔
حسب الحکم علی الصباح یہ بزرگ مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور حضرت
رکن الدین سید شاہ محمد قادری قدس سرہٗ کی خدمت میں آکر تعزیت
ادائی کی اور خواب کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ کہتے ہیں کہ وہ ایستادہ
بزرگ بھی حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

اسی طرح ایک بزرگ نے حضرت شاہ عبدالحمید گنجوائی
ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ آپ بیقراری کے
عالم میں سر کو نیچے اوپر کر رہے ہیں اور کچھ کلمات عالم بے تابی
میں زبان سے جاری ہیں۔ بزرگ نے دریافت کیا کہ حضور آج
اتنا پریشان کیوں ہیں تو حضرت شاہ الحمید رحمۃ اللہ علیہ نے
جواب میں کہا کہ آج مدینہ منورہ میں قطب ویلور کا انتقال ہوگیا ہے
یہ وہ مقدس ہستی تھی جس کی وجہ سے عالم میں کثرت کے ساتھ
فیوضات و برکاتِ الٰہی کا نزول ہو رہا تھا۔ تین مہینے بعد آپ
کے فرزند مدینہ منورہ سے تشریف لائیں گے۔ تم جاکر تعزیت
ادائی کرنا۔ حسب الحکم وہ بزرگ حضرت رکن الدین سید شاہ
محمد قادری قدس سرہٗ تشریف لانے کے بعد تعزیت ادائی کے
لئے ویلور آئے اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔

آپ کی ذاتِ والا مرتبت سے کئی ایک کرامات کا صدور
ہوا ہے جن میں سے ایک ناظرین کی دلچسپی کے لئے پیش کر رہا ہوں۔
کہتے ہیں کہ ایک آدمی جو بہت ہی مفلوک الحال دربدر کا مارا،
نحوست کی وجہ سے لوگوں نے اسے آتش قدم سے منسوب کر
رکھا تھا جس پہ خدا کی یہ وسیع وعریض زمین تنگ ہو چکی تھی قریب
تھا کہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے، اتفاقاً حضرت مکان چلا
آیا۔ مریدین اس کو دیکھ کر گھبرا اٹھے اور آپ کو اس کی آمد کی
اطلاع دی۔ اس ولی کامل نے بجائے پریشان ہونے کے اس کا
دکھ بھرا ماجرا سنا اس کے زخموں پر مرہم رکھا اور تسلی دی اور
ایسی نگاہ اس پہ ڈالی کہ اس کی قسمت کا پانسہ پلٹ گیا۔ کائنات
بدل گئی۔ آپ نے ایک خط دیتے ہوئے فرمایا کہ اس کو لے جاکر آمبور
میں فلاں رئیس کو دیدو۔ غرضیکہ یہ آدمی امید و بیم کے عالم میں رئیس
صاحب کو چھٹی دیدی جس کو دیکھ کر وہ پریشان ہوگئے۔ ایک
طرف پیر کا حکم تھا اور دوسری طرف یہ آتش قدم۔ اس کشمکش و پیچ
کے عالم میں اسے بٹھا کر مکان کے اندر تشریف لے گئے جہاں ان کی
بیوی کو درد زہ شدت اختیار کر گیا تھا۔ وہ سمجھ گئے کہ پیر کے حکم
میں تاخیر کا نتیجہ ہے۔ فوراً باہر چلے آئے اور کہا آج سے تمہارا

تقرر ہماری فیکٹری میں ہوگیا ہے' اپنے کام پر لگ جاؤ۔ قدرتِ الٰہی کا کرشمہ دیکھیے کہ جوں ہی یہ کلمات ادا کر کے وہ گھر میں گئے کان میں ایک چاند سے بیٹے کے تولد ہونے کی آوازیں آنے لگیں ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آپکی عظیم علمی خدمات کو سراہتے ہوئے والسرائے ہند اور گورنر جنرل آف انڈیا نے سنہ ۱۲۹۴ھ میں شمس العلماء کا خطاب آپ کی خدمت میں پیش کیا۔

آپ کے دستِ حق پرست پر سینکڑوں تشنگانِ علوم معرفت بیعت کرتے ہوئے بادۂ معرفت سے سیراب ہوئے۔ متعدد نیک بخت و خوش نصیب حضرات نے آپ کے دستِ فیض قدس سے خرقۂ خلافت حاصل کیا اور اس نعمتِ عظمیٰ سے سرخروئی و سرفرازی حاصل کی۔

موت انسان کو آتی ہے' دنیا میں لاکھوں انسان مرتے ہیں لیکن ایسی انسان کی موت اہلِ عالم پہ گہرے نقوش چھوڑ جاتی ہے جس کی زندگی حقوق اللہ و حقوق العباد کے ادا کرنے میں صرف ہوگئی۔ غرضیکہ اس بندۂ مومن پر وہ دن آگیا جس سے کسی کو مفر نہیں۔ ھجر کی گھڑیاں ختم ہونے لگیں۔ وصل کا زمانہ قریب تر ہونے لگا۔ محبوبِ حقیقی کے اس عاشقِ صادق نے اپنے غم میں ایک عالم کو تڑپتا ہوا چھوڑ کر ۲۰ رمضان المبارک سنہ ۱۳۲۵ھ میں راہیِ ملکِ محبوب ہوا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

از
مولانا مولوی
سید حمید اشرف صاحب کچھوچھوی
فیض آباد، یوپی
مدرس دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز

مختلف مقامات سے اس قسم کے سوالات آتے رہتے ہیں کہ جہاں مسلمان اور دیگر بدعات کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں، وہیں وہ ایک بدعت کا ارتکاب مسجد میں کرتے ہیں اور وہ مصافحہ بعد نماز فجر ہے۔ بدعت گمراہی ہے، لہٰذا مسلمانوں کو ہر بدعت کے کام سے بچنا ضروری ہے۔ عام مسلمان چونکہ اصل حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں اس لئے شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ مسئلہ مذکورہ کے متعلق ایک مختصر اور جامع گفتگو کیجائے تاکہ شکوک و شبہات کا ازالہ ہوسکے! اور رسالہ اللطیف کے ذریعہ ناظرین کو اپنے سوالات کا جواب ملجائے۔

اس مضمون کی تحریر کے اصل باعث و محرک حضرت مولانا ابو الحسن سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری ناظم دار العلوم لطیفیہ ہیں جنہوں نے اس ضرورت کی جانب خصوصی توجہ دلائی اور مسئلہ کی نزاکت و اہمیت کا احساس کیا اور اس سلسلہ میں اپنے علمی فیوضات سے بھی مستفیض فرمایا۔ (فجزاہم اللہ عنی وعن سائر المسلمین حسن الجزاء)

اصل مسئلہ کو سمجھنے سے پہلے ضروری ہے کہ بدعت کی تعریف اور اسکی حقیقت سمجھ لی جائے۔ شریعت میں بدعت ان اعتقاد یا اعمال کو کہتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات ظاہری میں نہ ہوں، بعد میں ایجاد ہوئے، اسطرح بدعت کی دو قسمیں ہوئیں۔ بدعت اعتقادی[1]، بدعت عملی[2]

روافض، خوارج، معتزلی، قادیانی وغیرہم کے مذاہب بدعت اعتقادی میں داخل ہیں۔ یہ سب فرقے حضور علیہ السلام کے بعد پیدا ہوئے۔

بدعت عملی ہر وہ کام جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد ایجاد ہوا۔ مرقات باب الاعتصام میں ہے وفی الشرع احداث مالم یکن فی عہد رسول اللہ علیہ السلام شرع میں بدعت ایسے کام کا ایجاد کرنا ہے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ ہو، بدعت عملی کی دو قسمیں ہیں، بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔

بدعت حسنہ وہ نیا کام ہے جو حضور علیہ السلام کے بعد ایجاد ہوا۔ لیکن کسی سنت کے خلاف نہ ہو۔ جیسے دینی مدارس، عربی کتابوں کا نصاب تعلیم، دینی کتابوں کی نشر و اشاعت وغیرہا۔

بدعت سیئہ وہ نیا کام ہے جو آپکے زمانہ کے بعد ایجاد ہوا اور وہ سنت کے خلاف ہو، جیسے عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں جمعہ و عیدین کا خطبہ پڑھنا یا خطبہ بیٹھکر پڑھنا۔

بدعت عملی کی دو قسمیں بیان کی گئیں۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ اسکی دلیل یہ حدیث ہے من سن فی الاسلام سنۃ

حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بہا من غیر ان ینقص
من اجورھم شیئ ومن سن فی الاسلام سنۃ
سیئۃ فعلیہ وزرھا ووزر من عمل بہا من غیر
ان ینقص من اوزارھم شیئ جو شخص اسلام میں کوئی
اچھا طریقہ جاری کریگا اس کو اس کا بھی ثواب ملیگا اور ان لوگوں کا بھی
جو اس پر عمل کرینگے بغیر اسکے کہ ان کے ثواب سے کوئی کمی ہو۔ اور جو شخص
اسلام میں کوئی برا طریقہ جاری کریگا اُس پر اس کا بھی گناہ ہوگا اور
ان لوگوں کا بھی جو اس پر عمل کرینگے بغیر اس کے کہ ان کے گناہ میں کوئی
کمی ہو۔ اس حدیث سے بالکل صاف اور واضح ہے کہ بدعت دو طرح کی
ہے۔ ایک اچھی بدعت جو باعث ثواب ہے اور دوسری بری بدعت جو
سبب گناہ ہے۔

جو حضرات مطلقاً بدعت کو گمراہی کہتے ہیں وہ استدلال میں
دو حدیثوں کو پیش کرتے ہیں ایک کل بدعۃ ضلالۃ یعنی
ہر بدعت گمراہی ہے۔ دوسرے من احدث فی امرنا ھذا ما
لیس منہ فھو رد یعنی جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی
بات نکالے جو دین سے نہیں ہے وہ مردود ہے۔ یہ دو مشہور حدیثیں
ہیں جنکو مخالفین بطور سند اور حجت پیش کرتے ہیں، لیکن اگر ہم تسلیم
کرلیں کہ ہر بدعت بری ہے تو حدیث مذکور، من سن فی الاسلام
سنۃ حسنۃ الی الآخرہ، سے جو دو طرح کی بدعت کا ثبوت ہو رہا
ہے، اس کا مخالفین کے پاس کیا جواب ہے۔ نیز حضرت عمر فاروق
رضی اللہ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت کو جاری کرکے فرمایا...
نعمت البدعۃ ھذہ یعنی یہ اچھی بدعت ہے، حضرت عمر فاروق رض
بدعت کو اچھا فرما رہے ہیں۔ تو پھر عموم اور کلیہ کے ساتھ یہ حکم
لگانا کہ ہر بدعت بری ہے کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ اب مخالفین
کی پیش کردہ احادیث کے جوابات ملاحظہ ہوں کل بدعۃ
ضلالۃ کے تحت حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کہتے ہیں
آنچہ موافق اصول وقواعد سنت است وقیاس کردہ شدہ است
آں را بدعت حسنہ گویند وآنچہ مخالف آں باشد بدعت ضلالہ گویند
یعنی جو بدعت اصول و قوانین اور سنت کے موافق ہے اور اس
پر قیاس کی گئی ہے اسکو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور جو بدعت کہ
اس کے خلاف ہے اسکو بدعت ضلالہ کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا
کہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بھی بدعت کو علی الاطلاق
گمراہی نہیں کہتے۔ بلکہ بدعت کی ایک خاص قسم بدعت سیئہ کو گمراہی
کہتے ہیں۔ اسی طرح دوسری حدیث من احدث فی امرنا
ھذا ما لیس منہ فھو رد یعنی جو شخص ہمارے اس دین
میں کوئی ایسی بات نکالے جو دین سے نہیں ہے وہ مردود ہے۔
اس کے متعلق حضرت محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں کہتے
ہیں کہ مراد چیزے است کہ مخالف ومغیر آں باشد۔ حدیث کا
مطلب یہ ہے کہ دین میں کوئی ایسی بات نکالے جو دین کے خلاف
یا دین کو بدلنے والی ہو، اور ظاہر ہے کہ جو چیز دین کے خلاف
یا دین کو بدلنے والی ہے وہ بدعت سیئہ ہے۔ بدعت حسنہ دین کے خلاف
یا دین کو بدلنے والی نہیں ہے بلکہ اس سے تو دین کی تائید وتقویت ہوتی
ہے جیسا کہ مثالوں سے ظاہر ہوا۔ دینی مدارس کا قیام، درسی کتابوں
کا نصاب، دینی کتابوں کی نشر و اشاعت، تراویح کی نماز با جماعت، یہ
سب بدعت ہے، لیکن مستحسن و مستحب ہے۔

اس قدر گفتگو سے اتنی بات بالکل واضح ہوگئی کہ بدعت کئی

طرح کی ہے اور ہر ایک کا حکم الگ الگ ہے چنانچہ ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوۃ میں بدعت کے اقسام کو تفصیل سے بیان کیا ہے، مرقات کی عبارت یہ ہے البدعة اما واجبة کتعلم النحو وتدوین اصول الفقه واما محرمة کمذهب الجبریه واما مندوبة کاحداث الروابط والمدارس وکل احسان لم یعهد فی الصدر الاول وکالتراویح ای بالجماعة العامة واما مکروهة کزخرفة المساجد واما مباحة کالمصافحة عقیب الصبح والتوسع بلذیذ المآکل والمشارب بدعت یا واجب ہوگی جیسے علم نحو کا سیکھنا اصول فقہ کو مرتب کرنا یا بدعت حرام ہوگی جیسے جبریہ کا مذہب یا بدعت مستحب ہوگی جیسے مسافر خانوں اور مدرسوں کی تعمیر و تاسیس اور ہر وہ اچھی بات جو کہ پہلے زمانہ میں نہ تھی اور جیسے عام جماعت سے تراویح، یا بدعت مکروہ ہوگی، جیسے مساجد کی فخریہ آرائش و زیبائش اور یا بدعت جائز ہوگی۔ جیسے فجر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا اور عمدہ عمدہ ماکولات و مشروبات کا استعمال۔ مرقات کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں جس میں تین قسمیں بدعت حسنہ کے تحت آتی ہیں، بدعت مباح[1]۔ بدعت مستحب[2] اور بدعت واجب[3]، اور دو قسمیں بدعت سیئہ کی ہیں۔ بدعت مکروہ، اور بدعت حرام۔

صاحب مرقات نے بدعت مستحب کی تمثیل میں کل احسان لم یعهد فی الصدر الاول کا جملہ بڑھا کر بڑی وسعت اور گنجائش پیدا کر دی ہے گویا مصنف نے متنبہ کیا ہے کہ بدعت مستحب کے افراد محدود اور متعین نہیں ہیں بلکہ ہر وہ اچھا کام جو پہلے زمانہ میں نہ رہا ہو اور بعد کے زمانوں میں وہ چیز رائج ہوئی بشرطیکہ نہ دین کے خلاف ہو، نہ دین کیلئے مغیر ہو وہ سب بدعت حسنہ میں داخل ہے۔

بدعت مکروہ کے ارتکاب سے اگر سنت غیر مؤکدہ متروک ہو تو وہ بدعت مکروہ تنزیہی ہے اور اگر سنت مؤکدہ متروک ہو تو وہ بدعت مکروہ تحریمی ہے۔ مکروہ تنزیہی کی مثال جیسے مساجد کی فخریہ زیب و زینت مکروہ تحریمی جیسے غیر عربی میں خطبۂ جمعہ و عیدین۔

بدعت حرام وہ ہے جسکی وجہ سے کسی واجب کا ترک لازم آئے، سب کی مثالیں مرقات کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم کیجا سکتی ہیں۔

اب اصل مسئلہ مصافحہ کے متعلق ناظرین کرام غور فرمائیں۔ پہلے اس سلسلہ میں چند حدیثیں ترجمہ کے ساتھ ذکر کی جاتی ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ مصافحہ خود حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ثابت ہے اور جو چیز خود حضور علیہ السلام سے ثابت ہو اس کو بدعت کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

۱۔ عن قتادة قال قلت لانس اکانت المصافحة فی اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم قال نعم رواه البخاری

ترجمہ حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا مصافحہ کا رواج صحابۂ کرام میں تھا تو انہوں نے کہا کہ ہاں مصافحہ کا معمول صحابہ میں تھا۔

۲۔ عن البراء ابن عازب قال قال النبی صلی الله علیه وسلم ما من مسلمین یلتقیان فیصافحان الا غفر لهما قبل ان یتفرقا رواه احمد والترمذی ترجمہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو مسلمان ملیں اور مصافحہ کریں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے ہی اُن کے گناہ بخش دئے جاتے ہیں۔

۳۔ عن ایوب بن بشیر عن رجل من عنزۃ انہ قال قلت لابی ذر ھل کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصافحکم اذا لقیتموہ قال مالقیتہ قط الا صافحنی وبعث الیّ ذات یوم ولم اکن فی اھلی فلما جئت اُخبرت فاتیتہ وھو علی سریر فالتزمنی فکانت تلک اجود واجود رواہ ابوداؤد

ایک شخص نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تم سے مصافحہ کرتے تھے تو حضرت ابوذر رضؓ نے کہا کہ جب بھی میں حضور علیہ السلام سے ملاقات کرتا تو آپ مجھ سے مصافحہ فرماتے۔

ایک دفعہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا بھیجا میں اس وقت گھر پر نہیں تھا۔ پھر آنے کے بعد جب کیفیت مجھے معلوم ہوئی تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ نے مجھ سے معانقہ فرمایا اور یہ معانقہ مصافحہ سے بھی زیادہ باعث خیر و برکت تھا۔ اس لئے کہ اس میں فیوض و برکات اور روحانیت کا افاضہ کثیر تھا۔

اس حدیث سے مصافحہ کے ساتھ معانقہ کا بھی ثبوت ہے۔ معانقہ کے ثبوت میں دوسری حدیثیں ہیں لیکن اس وقت بحث مسئلہ مصافحہ سے ہے، اس لئے معانقہ کی حدیثیں نہیں نقل کی گئیں۔

۴۔ عن عطاء الخراسانی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال تصافحوا یذھب الغل وتھادوا تحابوا وتذھب الشحناء (رواہ مالک رضؓ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دوسرے سے مصافحہ کیا کرو یہ کینہ کو دور کریگا۔ اور ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو۔ آپس میں محبت بڑھیگی۔ بغض و عداوت دور ہوگی۔

حدیث ۲ اور ۴ سے معلوم ہوا کہ مصافحہ کی برکت سے گناہ معاف ہوتے ہیں، عداوت اور کینہ دل سے دور ہوتا ہے اور جب کینہ و عداوت دل سے دور ہوگی تو اس کی جگہ الفت و محبت پیدا ہوگی۔ اور مومن سے محبت ایمان کی نشانی ہے۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ باہم مصافحہ تکمیل ایمان کا سبب ہے۔ اس آخری حدیث میں تصافحوا امر کا صیغہ ہے۔ یعنی مصافحہ کرنے کا حکم کسی خاص وقت کے ساتھ مقید نہیں ہے بلکہ مطلق ہے۔ تو مصافحہ جب بھی کیا جائے اس کے اطلاق حکم ہی پر عمل ہوگا۔ بشرطیکہ کوئی مانع طبعی یا شرعی نہیں ہے۔ مثلاً استنجاء کی حالت یا کھانے کی حالت، یا کسی سوتے ہوئے شخص کو جگا کر مصافحہ کرنا یا کوئی تلاوت قرآن میں مشغول ہے اس سے مصافحہ کرنا مختصر یہ کہ ایسے مواقع جہاں مصافحہ حیا و ادب کے خلاف ہو یا مصافحہ کی وجہ سے مسلمان کو ایذا پہنچے، یا ذکر و تلاوت قرآنی میں رکاوٹ ہو تو ان حالتوں میں مصافحہ کا ترک ہی اولیٰ و انسب ہے۔ لہٰذا اگر بعد نماز فجر یا بعد نماز عصر مصافحہ کیا جائے تو اس میں خلاف شرع ہونے کی کیا وجہ ہے۔ بلکہ یہ وقت بھی تو اسی تصافحوا کے عموم و اطلاق میں داخل ہے۔ اسطرح تسلیم کرنا ہوگا کہ ان اوقات میں مصافحہ کا ثبوت خود حدیث سے ہے۔ علاوہ ازیں مزید اطمینان کے لئے اسی بارے میں ہم فقہائے کرام کے اقوال صریحہ پیش کرتے ہیں۔

شامی میں ہے اعلم ان المصافحۃ مستحبۃ عند کل لقاء واما ما اعتادہ الناس من المصافحۃ بعد صلوٰۃ الصبح فلا اصل لہ فی الشرع علی ھذا الوجہ

ولکن لابأس بہ وتقییدہ بما بعد الصبح والعصر علیٰ عادۃ کانت فی زمنہ والا فعقیب الصلوٰۃ کلہا کذالک

ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مستحب ہے اور فجر کے بعد مصافحہ کا جو رواج ہے اسکی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے لیکن اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے اور صبح یا عصر کی قید محض لوگوں کی عادت کی بنا پر ہے۔ ورنہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کا یہی حکم ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ علامہ شامی بھی ہر نماز کے بعد مصافحہ کو جائز سمجھتے ہیں۔ انہوں نے صاف لکھ دیا کہ اگرچہ خصوصیت کے ساتھ اس بارے میں کوئی نص تو نہیں ہے لیکن ان اوقات میں مصافحہ کرنے سے کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

درمختار جلد پنجم باب الکراہیت میں ہے کما تجوز المصافحۃ ولو بعد العصر وقولہم انہ بدعۃ ای مباحۃ حسنۃ کما افادہ النووی فی اذکارہ۔ مصافحہ جائز ہے اگرچہ نماز عصر کے بعد ہو اور فقہاء کرام کا یہ قول کہ مصافحہ بعد نماز عصر بدعت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بدعت مباح حسنہ ہے جیسا کہ علامہ نووی نے اپنی کتاب اذکار میں ایسا ہی کہا ہے۔ درمختار کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جو فقہا بعد نماز عصر مصافحہ کو بدعت کہتے ہیں اس سے ان کی مراد بدعت حسنہ ہے۔ فقہائے کرام کے لفظ بدعت سے غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کیونکہ عبارت مذکورہ میں اسکی تصریح کر دی ہے کہ انہوں نے بدعت سے بدعت حسنہ مراد لیا ہے۔ اس قدر تحریر سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو گئی کہ مصافحہ سنت ہے کیونکہ حضور علیہ السلام اور صحابۂ کرام کے قول اور فعل سے ثابت ہے۔

حدیث میں تصافحوا کا لفظ مطلق ہے، لہٰذا اوقات مخصوصہ میں بھی مصافحہ اسی اطلاق و عموم میں داخل ہے۔ اگر بعض فقہا نے اوقات مخصوصہ میں مصافحہ کو بدعت کہا ہے تو وہاں تصریح موجود ہے کہ اس سے مراد بدعت حسنہ ہے، جو دین میں پسندیدہ اور باعث ثواب ہے۔

اس مسئلہ میں ہم بعض علماء کرام کی صریحی عبارات پیش کرتے ہیں، جس سے اوقات مخصوصہ میں مصافحہ کا جائز ہونا واضح ہوتا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اذکار میں لکھا واصل المصافحۃ سنۃ وکونہم محافظین علیہا فی بعض الاحوال لا یخرج ذالک عن اصل السنۃ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۱۱ ص ۴۷) یعنی اصل مصافحہ سنت ہے، بعض احوال میں (مثلاً بعد نماز فجر وعصر) مصافحہ کی محافظت اسکو اصل سنت سے خارج نہیں کرتی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اوقات مخصوصہ میں مصافحہ سنت ہی پر عمل ہے۔ علامہ طحطاوی نے باب العیدین میں لکھا وتستحب المصافحۃ بل ہی سنۃ عقیب الصلوٰۃ کلہا وعند کل لقی، یعنی مصافحہ مستحب ہے، بلکہ سنت ہے تمام نمازوں کے بعد اور ہر ملاقات کے وقت۔

علامہ عینی نے کاشف شرح مشکوٰۃ میں مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی نے شرح موطا میں، مولوی اسمٰعیل دہلوی نے جن کا قول غیر مقلدین کے نزدیک مستند ہے، مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی کی تفسیر وما اھل بہ لغیر اللہ کے جواب میں عید کے دن مصافحہ و معانقہ کا اور بعد نماز فجر و عصر مصافحہ کا جائز ہونا دلائل سے ثابت کیا ہے۔

درمختار میں ہے کالمصافحۃ ای کما تجوز المصافحۃ لانہا سنۃ قدیمۃ متواترۃ لقولہ علیہ السلام

من صافح اخاہ المسلم وحرکت یدہ تناثرت ذنوبہ واطلاق المصنف تبعا للدرر والکنز والوقایہ والنقایہ والمجمع والملتقی وغیرہا تفید جوازہا مطلقا ولو بعد العصر یعنی مصافحہ جائز ہے اس لئے کہ وہ سنت قدیمہ متواترہ ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کرتے ہوئے اپنے ہاتھ کو حرکت دی تو اس کے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں۔ مصنف کا درد، کنز، وقایہ، مجمع اور ملتقی وغیرہ کی اتباع میں مصافحہ کو مطلقاً ذکر کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ مصافحہ ہر حال میں جائز ہے اگرچہ نماز عصر کے بعد ہو۔

اختتام کلام پر ایک اصولی بات ملحوظ رکھنا چاہیئے جس سے بہت سے مسائل اختلافیہ کا حل بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے، وہ یہ کہ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اوقات مخصوصہ میں مصافحہ کا ثبوت شرع سے نہیں ہے۔ جب بھی مصافحہ کا عدم جواز یا حرمت ثابت نہیں ہوسکتی صرف عدم ثبوت سے اسکی نفی پر استدلال بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ جبکہ فقہا اور اصولیین کے نزدیک مسلّم ہے کہ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ یعنی تمام چیزوں میں اصل اباحت ہے۔ جبتک شرع سے اس کے خلاف کوئی دلیل نہ قائم کی جائے وہ جائز اور مباح ہی رہیگی۔ جواز اور اباحت کے ثبوت کے لئے کسی دلیل خاص کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا ذکر نہ ہونا ہی اسکی حلت واباحت کی دلیل ہے جیسا کہ حدیث ہے الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ البتہ کسی چیز کی کراہت یا حرمت کے ثبوت کے لئے دلیل شرعی کی ضرورت ہے جیسا کہ شامی بحث مستحبات الوضو میں ہے ولا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ اذ لا بد لہ من دلیل خاص یعنی مستحب کی نفی سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکروہ ہو جائے۔ اس لئے کہ کراہت کے ثبوت کیلئے دلیل خاص کی ضرورت ہے اور جب کسی شئے کی کراہت بھی بغیر دلیل شرعی ثابت نہیں ہوسکتی تو حرمت بغیر دلیل کیسے ثابت ہوسکتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ کسی شئے کے عدم جواز، یا کراہت یا حرمت کے اثبات کے لئے مخالف کو دلیل قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ کسی عالم، مفتی کا قول بھی دلیل نہیں ہوسکتا بلکہ ادلہ اربعہ، قرآن، سنت، اجماع امت، قیاس میں سے کسی دلیل کی ضرورت ہے۔ نہ یہ کہ جو لوگ اصل اور قاعدہ پر عمل کریں اُلٹا انہیں سے دلیل کا مطالبہ ہو۔ اسی اصول پر دوسرے اختلافی مسائل مثلاً میلاد، قیام، فاتحہ، بزرگوں کی قبروں پر پھول چڑھانا نیز دیگر مسائل کا حل بآسانی تلاش کیا جاسکتا ہے۔

مصافحہ کی جو فضیلتیں اور برکتیں ذکر کی گئی ہیں مثلاً گناہوں سے مغفرت، باہمی انس ومحبت، ازالۂ کینہ وعداوت، یہ اُس وقت ہے کہ جب صحیح اور مسنون طریقہ کے مطابق مصافحہ کیا جائے۔ جو طریقہ خلاف سنت ہے اُس پر نہ کوئی ثواب ہے نہ فضیلت۔

مصافحہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے مصافحہ کیا جائے۔ فقط انگلیوں سے چھونے کا نام مصافحہ نہیں ہے (ردالمحتار) اسی طرح صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ بھی خلاف سنت ہے۔ مصافحہ کا ایک طریقہ تو وہی ہے جو عام طور پر رائج ہے، یعنی ہر ایک کا ایک ہاتھ دوسرے کے دونو ہاتھوں کے درمیان ہو۔

دوسرا طریقہ جسکو بعض فقہاء نے بیان کیا ہے، وہ یہ ہے کہ

ہر ایک اپنا داہنا ہاتھ دوسرے کے داہنے ہاتھ اور بایاں
بائیں سے ملائے اور انگوٹھے کو دبائے کہ انگوٹھے میں ایک رگ
ہے، جس کے دبانے سے محبت پیدا ہوتی ہے، اس کے علاوہ
جو بھی طریقہ ہے وہ خلاف سنت ہے۔

ختم کلام پر یہ دو حدیثیں خصوصیت کے ساتھ ذکر کر دینا
ضروری معلوم ہوتا ہے۔ پہلی حدیث جسکو مولانا شاہ ولی اللہ محدث
دہلوی نے الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں ذکر کیا ہے، یہ ہے
من صافحنی وصافح من صافحنی الی یوم القیامہ
دخل الجنۃ یعنی جس شخص نے مجھ سے مصافحہ کیا یا مجھ سے
مصافحہ کرنے والے سے مصافحہ کیا، اسی طرح سلسلہ بہ سلسلہ
قیامت تک جس نے میرے مصافحہ کرنے والوں سے مصافحہ کیا
وہ جنت میں جائے گا۔

دوسری حدیث افضل العلماء ارتضا علی خاں صفوی فاروقی نے
قصیدہ بردہ سے بحوالہ شیخ جلال الدین سیوطی نقل کیا ہے، کہ
آتش حرام است بر مؤمنے کہ دست مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
بدستش رسیدہ و مصافحہ آں بوسائط باشد یا بلا واسطہ ماحی ذنوب
وباعث دخول جنت است۔ یعنی آتش جہنم اس مومن پہ حرام ہے
جسکے ہاتھ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک پہنچا ہو۔
اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کی دونوں صورتیں خواہ براہِ
راست ہو یا بالواسطہ بلکہ بوسائط ہو عفو معصیت اور دخولِ
جنت کا سبب ہے۔

یہ بطور تحدیث نعمت یہ ذکر کر دینا بے محل نہیں ہے، بلکہ
مزید اکتساب فیوض و برکات کا باعث ہے کہ موجودہ بزرگان
حضرت مکان کو تحریری سند کے ساتھ کہ جس کا سلسلہ اباعن
جد متصلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے مصافحہ کی
اجازت کا شرف حاصل ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک
البتہ اخلاص اور حسن نیت ہر عمل کے لئے شرط ہے۔ جو لوگ
حسن نیت کے ساتھ اس نعمت عظمیٰ سے بہرہ ور ہوں گے، وہ
انشاء اللہ ضرور بموجب حدیث رسولؐ رحمت و مغفرت سے
ساتھ نوازے جائیں گے۔ اگر ملاقات و مصافحہ کا مقصد
صرف بریانی خوردن ہے تو بریانی مل سکتی ہے۔ اور اگر
مقصود خدا کی رحمت و رضوان کا حصول ہے تو انشاء اللہ
موافق حدیث لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى اور اِنَّمَا الْاَعْمَالُ
بِالنِّيَّات ان کا مقصود حاصل ہوگا۔

اب یہ طالبین اور ناظرین کے سہولت و حوصلہ کی
بات ہے، اپنے لئے ان دونوں میں سے جس کو چاہیں منتخب
فرمائیں۔ لیکن انتخاب کے وقت ڈاکٹر اقبال کا شعر ملحوظ خاطر رہے۔

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامانِ موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

ڈاکٹر صاحب دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

دلِ زندہ و بیدار اگر ہو تو بتدریج — بندے کو عطا کرتے ہیں چشم نگراں اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں — کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

اللّٰھم وفقنا لاتباع حبیبك سید المرسلین وآلہ واصحابہ المھتدین وتبعھم وتابعیھم الی یوم الدین

دنیا کے عظیم ترپیشوں میں مدرسی ایسا مقدس پیشہ ہے جسکو ہر قوم وملت نے عزت کی نظروں سے دیکھا جس پہ بادشاہوں نے رشک کیا اور شاہزادوں نے استاد کی جوتیوں کو اٹھانا عین سعادت مندی جانا خصوصاً مذہب اسلام نے تو اس مقدس پیشہ کو چار چاند لگا دئے۔ نماز جیسی اہم عبادت میں بھی استاد کو فراموش نہیں کیا بلکہ والدین اور جمیع امتِ مسلمہ کے ساتھ اس کے حق میں بھی دعائے خیر کرنے کی تلقین کی۔

ایک صالح استاد کی حیثیت روحانی باپ کی ہوتی ہے جو اپنے تلامذہ کی تعلیم وتربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا۔ اسکی دلی خواہش ہوتی ہے کہ طلباء اس کے سینے میں بھرے ہوئے انمول موتی اپنے دامنِ ذہن میں سمیٹ لیں لیکن اکتسابِ فیض میں اپنے اپنے ظرف کی بات ہوتی ہے ؎

چنداں کہ در لطافتِ باراں طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شور بوم خس (سعدیؒ)

پیش نظر مضمون میں چند باکمال شخصیتوں کا ذکر کیا جارہا ہے جن کی بے لوث اور پرخلوص خدمات نے **چمنستان لطیفیہ** میں وہ **گل کھلائے** جن کی دلآویز خوشبو سے آج بھی ایک عالم مست و پرکیف ہے۔

اعلیحضرت مولانا الحاج رکن الدین سید شاہ محمد قادری سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہما نے ۱۳۰۲ھ ہجری میں (دار العلوم کی تعمیر وتشکیل نو کے بعد) یہاں کی عظیم الشان روایات کے مطابق شمال وجنوب کے مشہور علمائے کرام کو منصب درس وتدریس پر فائز فرمایا۔ آپ کے دورِ سرپرستی میں **مولانا مولوی سید شاہ فضل اللہ قادری** (ہمشیرزادہ وخلیفۂ خاص اعلیحضرت مولانا مولوی محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری المعروف حضرت قطب ویلور قدس سرہ) مسلسل کئی سال تک منصب نظامت پر فائز رہے۔ آپ علوم ظاہری وباطنی کے متبحر عالم اور عارف کامل بزرگ تھے۔ آپ نے اپنی زندگی کا اکثر وبیشتر حصہ شیخ کے خدمت میں گذارا۔ تا زیست یعنی ۱۳۱۱ھ تک دار العلوم لطیفیہ کے ناظم رہے۔

حضرت مولانا مولوی فقیہہ محی الدین صاحب قادری، آپ حضرت قطب ویلور کے ممتاز خلفاء میں سے ہیں شیخ کی نگاہ پرجلال نے مادی کثافتوں کو ختم کرتے ہوئے روحانی اقدا

کو اُجاگر کر دیا تھا۔ زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ کبھی آپ نے شریعت مطہرہ سے ہٹ کر قدم نہیں رکھا۔ آپ کی عظیم شخصیت جامع الکمالات واقع ہوئی ہے۔ آپ کو مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، لیکن دُولے محی الدین صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے درس و تدریس کا سلسلہ حضرت قطبِ ویلور کے دَور سے شروع ہو کر دارالعلوم کی تعمیر و تشکیلِ نو کے بعد سنہ ۱۳۱۶ھ تک جاری رہا۔ سینکڑوں افراد اور نونہالانِ قوم نے اس سرچشمہ سے اکتسابِ فیض کیا۔

حضرت مولانا محمد تقی صاحب لکھنوی جن کا شمار جید علماء اور باکمال ہستیوں میں کیا جاتا ہے، اسی دَور میں آپ نے دارالعلوم ہٰذا کے استاد کی حیثیت سے خدمات انجام دی ہیں۔ آپ زہد و تقویٰ میں اسم بامسمّیٰ تھے۔ کہتے ہیں کہ خدا تعالےٰ نے آپ کی زبان میں وہ تاثیر ودیعت فرمائی تھی کہ سننے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

جناب مولانا مولوی افہام اللہ صاحب لکھنوی آپ بھی اپنے زمانے کی اعلیٰ شخصیتوں میں سے تھے۔ جملہ علوم و فنون میں آپ کو کامل دسترس حاصل تھی۔ دارالعلوم ہٰذا کے مدرس کی حیثیت سے آپ نے بیش بہا خدمات انجام دئے ہیں۔

اس دَور کی ایک اور بزرگ شخصیت **جناب مولانا احمد حسن صاحب کانپوری**، آپ علم و فضل کی لازوال نعمت سے مالامال تھے۔ آپ کو تمام علوم و فنون خصوصاً تفسیر، حدیث، فقہ، منطق فلسفہ میں کامل عبور حاصل تھا۔ دارالعلوم ہٰذا سے متعلق آپ کی معلمانہ خدمات قابلِ صد تحسین ہے۔

مذکورۃ الصدر اعلیٰحضرت قدس سرّہ العزیز کے دَورِ سرپرستی کے ایک اور قابلِ ذکر استاذ مولانا مولوی حافظ سید عبدالجمیل صاحب **پشاوری** ہیں۔ آپ نہ صرف میدانِ علم کے، بلکہ میدانِ حرب و ضرب کے بھی شہسوار تھے۔ آپ کو علوم عقلیہ و نقلیہ پر کامل عبور حاصل تھا۔ آپ کے متعلق یہ واقعہ مشہور ہے کہ ذی الحجہ کے مہینہ میں قربانی کا ایک فربہ بکرا آپ اور آپ کے فرزند (جو علوم دینیہ کی تحصیل کے لئے والد کے ساتھ آئے تھے) دونوں نے بآسانی نوش فرما لیا۔ درمیان میں چند سال کے وقفہ کے بعد حضرت **مکی** قدس سرہٗ کے دَور سرپرستی میں آپ سنہ ۱۳۳۶ھ اور سنہ ۱۳۴۳ھ میں دوبارہ دارالعلوم کے مدرس رہے ہیں۔

جنوب کی باکمال ہستی **مولانا مولوی نینا محمد صاحب کائل پٹنم** آپ کا شمار بھی اس دَور کے قابل اساتذہ میں کیا جاتا ہے۔ آپ نے دارالعلوم ہٰذا کے سلسلۂ درس و تدریس میں ایک مدت تک اپنی خدمات پیش کی ہیں۔

اسی دارالعلوم کے خوشہ چین حضرت **مولانا مولوی سید شاہ علیم اللہ صاحب** قادری بختیاری۔ آپ بہت ذہین طالب علم تھے۔ طالب علمی ہی کے دَور سے طلبا کو درس دینے لگے تھے۔ آپ بھی باقاعدہ درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ کی خدمات بھی قابل تحسین و صد آفرین ہیں۔

سنہ ۱۳۱۱ھ میں حضرت مولانا شاہ سید فضل اللہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال کے بعد آپ کے لائق و فائق فرزند **جناب مولوی سید شاہ حیدر ولی اللہ** قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اعلیٰحضرت مولانا مولوی رکن الدین سید شاہ محمد قادری قدس سرہٗ نے منصب نظامت پر فائز کیا۔ آپ نہایت خلیق اور نرم دل بزرگ تھے۔ آپ کو زبان عربی، فارسی، اُردو پر کامل عبور حاصل تھا۔ آپ کی

نظامت مختلف ادوار سے گزرتی ہوئی ۱۳۶۴ھ میں پیرانہ سالی کی وجہ اختتام پذیر ہوئی۔ گویا آپ نصف صدی سے زائد دارالعلوم کے منصب نظامت پر فائز رہے۔

مذکورہ بالا جید علماء و اساتذۂ روزگار کی تربیت میں رہ کر ۱۳۱۱ھ میں دستار فضیلت حاصل کرنے والوں میں سے چند اہم شخصیتیں جناب الحاج مولانا محی الدین حسین صاحب جیدہ رحمۃ اللہ علیہ مولانا عبدالرحیم صاحب قریشی مدرسی رحمۃ اللہ علیہ مولانا الحاج الحافظ قاری سید قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ حضرات کا معلمانہ دور ۱۳۱۱ھ سے شروع ہو کر اعلیحضرت مولانا مولوی رکن الدین شاہ سیدہ محمد قادری کی زیر سرپرستی سے گزرتا ہوا ۱۳۲۵ھ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد آپ کے فرزند نورالعین شمس العلماء اعلیحضرت مولانا مولوی محی الدین شاہ سید عبداللطیف قادری صاحب قدس سرہٗ کی سرپرستی میں ایک مدت تک جاری رہا۔

مذکورہ حضرات میں سے حضرت الحاج مولانا محی الدین حسین جیدہ علیہ الرحمہ کا تقرر دارالعلوم میں بحیثیت مدرس ہوا۔ آپ کی پرخلوص خدمات اور تجربہ کاری کی وجہ حضرت مکی قدس سرہٗ کے دور میں صدر مدرس کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ آپ حکیم حاذق بھی تھے۔ کئی ایک لاعلاج مریض کو آپ کے دست شفا سے صحت حاصل ہوئی۔ اس زمانے میں آپ کے طبی مضامین رسالوں میں شائع ہوتے تھے اس کے علاوہ آپ نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ۲۴ رجب المرجب ۱۳۳۶ھ بروز جمعہ انتقال فرمایا۔ مزید تفصیلات کے لئے سالنامہ اللطیف ۱۳۸۷ھ ملاحظہ کرلیں۔

مولانا عبدالرحیم صاحب قریشی مدرسی

انتقال سے ۳ ماہ پیشتر تقریباً ۱۳۳۳ھ تک دارالعلوم میں مدرسی کی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کو فتویٰ نویسی میں خاص درک حاصل تھا۔ آپ کی خدمات بھی قابل تحسین و ستائش ہیں۔ آپ کو بزرگان مکان سے والہانہ محبت تھی۔ آخر وقت تک یہی جذبہ کارفرما رہا۔

مولانا الحاج قاری حافظ سید قاسم صاحب

دارالعلوم میں فارسی کے ایک باکمال استاذ کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو لحن داؤدی سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ کو سبع قرأت پر کامل عبور حاصل تھا۔ آپ شاعر نازک خیال و راستاد سخن واقع ہوئے ہیں۔ اور فارسی میں آپ کے اشعار قابل دید ہیں۔ آپ بھی تقریباً ۱۳۳۳ھ تک دارالعلوم میں کام کرتے رہے۔ مسلم ہائی سکول میں منشی کی جاگیر خالی ہونے پر آپ کو وہاں کام کرنے کی اجازت دیدی گئی۔ اس کے علاوہ کئی سال آپ نے اوریس کالج میں اردو لکچرار کی حیثیت سے کام کیا۔ آخر وقت تک آپ نے مربیان دارالعلوم کے ساتھ اپنے تعلقات کو قائم رکھا۔ آپ کے ہر قول و فعل سے عقیدتمندی مترشح تھی۔

جنوب کے مایۂ ناز عالم شہاب الدین ابوالسعادات مولانا مولوی احمد کویا صاحب الشالیاتی ملیباری (آپ نے اعلیحضرت رکن الدین شاہ سیدہ محمد قادری قدس سرہ کے دور میں اسی دارالعلوم سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی سند تحصیل حاصل کی۔ آپ ہی کے دست حق پرست پر بیعت کرتے ہوئے خلافت سے مشرف ہوئے)۔ ۱۳۲۱ھ سے ۱۳۳۶ھ کے اواخر تک دارالعلوم کی مدرسی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ عربی کے زبردست ادیب ہونے کے ساتھ فی البدیہہ

شاعر بھی تھے۔ آپ کی قادر الکلامی کا یہ عالم تھا کہ خود اہل عرب نے آپ کی زبان دانی پر اظہارِ تعجب کیا۔ اس کے علاوہ آپ کو تفسیر، حدیث، فقہ، ہیئت، توقیت، معانی بیان، عروض، وغیرہ میں کامل عبور حاصل تھا۔

ایک مرتبہ ملیبار میں کسی عالم کے اس اعلان پر کہ ملیبار کی کوئی مسجد صحیح قبلہ کی جانب نہیں ہے لہٰذا مساجد کو توڑ کر از سر نو تعمیر کیا جائے، ایک فتنۂ عظیم رونما ہو گیا تھا۔ لیکن آپ نے عربی میں ایک جامع اور مدلل رسالہ تحویل قبلہ سے متعلق لکھ کر دندان شکن جواب دیا جسکو دیکھکر لوگوں میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی اور فتنہ کی آگ سرد ہو گئی۔ مذکورہ رسالہ سنہ ۱۳۳۰ھ میں مدراس سے شائع ہوا ہے۔ آج بھی مطبوعہ نسخے دار العلوم کے کتبخانہ میں محفوظ ہیں۔

اس رسالہ کے بعد دوبارہ آپ نے اعلیحضرت مولانا مولوی الحاج

ابو الفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبد القادر

قادری لقوی رحمۃ اللہ علیہ کے دورِ سرپرستی یعنی سنہ ۱۳۴۹ھ میں بحیثیت صدر مدرس خدمات انجام دی ہیں۔

جناب مولانا مولوی سید محمود پیران صاحب قادری سنہ ۱۳۳۴ھ سے سنہ ۱۳۳۶ھ تک **مولانا مولوی محمد نصیر الدین صاحب** چودھری میمبوری فاضل لطیفیہ نے سنہ ۱۳۳۷ھ سے سنہ ۱۳۴۰ھ تک مدرسین کی حیثیت سے خدمات انجام دی ہیں۔

جناب مولانا عبد العزیز صاحب ویلوری سنہ ۱۳۳۶ھ تا سنہ ۱۳۴۰ھ تک دار العلوم میں مدرس کے عہدہ پر فائز رہے۔ آپ نظماً کو بھی جملہ علوم و فنون میں کامل درک حاصل تھا۔

اسی دار العلوم کے ایک مایۂ ناز فارغ التحصیل جناب مولانا **مولوی محمد صاحب رامناڈ** ضلع کالی کوٹ کا تذکرہ بھی اہم ہے، جو عظیم صلاحیتوں کے مالک تھے۔ آپ کو نہ صرف فقہ شافعیہ پر بلکہ فقہ حنفیہ میں بھی دسترس حاصل تھی۔ اس کے علاوہ تفسیر، حدیث فلسفہ، ہیئت وغیرہ میں آپ کو درک حاصل تھا۔ آپ سنہ ۱۳۳۷ھ سے سنہ ۱۳۴۴ھ کے اواخر تک مسلسل دار العلوم میں مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔

مولانا سید شاہ شہاب الدین صاحب قادری ترچناپلی،

آپ بھی اسی دار العلوم کے فارغ التحصیل ہیں۔ سنہ ۱۳۳۰ھ میں جبکہ آپ کی عمر ۱۵ سال کی تھی، دار العلوم میں داخل ہوئے۔ حضرت مکی قدس سرہ کے زیر سایہ اور قابل اساتذہ کی نگرانی میں علم کے مدارج طے کرتے گئے۔ آپ سنہ ۱۳۳۸ھ میں دار العلوم سے فارغ ہوئے۔ اور اسی سال حضرت مکی قدس سرہ کے دستِ فیض اقدس پر بیعت کی، اور خلافت سے مشرف ہوئے۔ سنہ ۱۳۳۹ھ میں آپ کا تقرر بحیثیت مدرس ہوا۔ آگے چل کر آپ نائب ناظم کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ فتویٰ نویسی میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ چند اہم فتاوے جنکو آپ نے ترتیب دیا ہے قابل دید ہیں۔ سنہ ۱۳۶۳ھ میں دار العلوم کی مذکورہ خدمات سے سبکدوش ہو گئے (مزید تفصیلات کے لئے سالنامۂ اللطیف سنہ ۱۳۸۶ھ ملاحظہ فرمالیں)۔

آفتاب شمال مولانا قاضی غلام نبی صاحب ساکن گبدڑپور ضلع ہزارا (آپ مولانا شبیر احمد عثمانی صدر جمعیۃ العلماء کے ہم سبق و ساتھی تھے) یہ روایت مشہور ہے کہ آپ کو سلوک کے ایک اہم مسئلہ میں تشویش تھی جسکے حل کے لئے مختلف مقامات پر گئے۔ لیکن کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ جب دار العلوم میں آپکا تقرر بحیثیت مدرس ہوا تو ایک دن دار العلوم

کتبخانہ میں جواہر السلوک (تصنیف انیف اعلیحضرت مولانا مولوی محی الدین شاہ عبد اللطیف قادری المشہور بہ حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز) نظر آئی۔ آپ نے بصد اشتیاق اس کتاب کو کھولا جس مسئلہ میں آپ کو تشویش تھی یوں ہی اس کے حل پر نظر پڑی فرط مسرت سے جھوم اٹھے اور سیدھے اعلیحضرت مولانا مولوی الحاج الحافظ ابو الفتح سلطان محی الدین شاہ عبد القادر قادری نقوی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور کی بارگاہ میں تشریف لے گئے اور سارا واقعہ سناتے ہوئے فرمایا کہ اگر میں یہاں نہیں آتا تو زندگی بھر یہ مسئلہ حل نہ ہوتا اور تشنگی ختم نہ ہوتی۔ آپ ۱۳۴۲ھ سنہ ۱۳۴۳ھ میں یہاں صدر مدرس کے عہدہ پر فائز رہے۔ آپ کو تقریر میں زبردست ملکہ حاصل تھا کسی ایک موضوع پر گھنٹوں روشنی ڈالتے، آپ نے سورۂ انا اعطینک پر مسلسل تین گھنٹے تقریر کی سلسلۂ تقاریر میں آپ کو تھکن محسوس ہوتی، نہ لوگ بیزار ہوتے اس کے برخلاف ان کی دلچسپیاں اور بڑھ جاتیں۔

جناب مولانا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب۔ ساکن خاکی ضلع ہزارہ۔ آپ تفسیر، حدیث، فقہ، فلکیات وغیرہ کے ماہر تھے سنہ ۱۳۴۵ھ سنہ ۱۳۴۶ھ میں دار العلوم کے صدر مدرس کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ آپ کو اپنی ذمہ داریوں کا اچھی طرح احساس تھا، ۱۰ شعبان المعظم کی شب کو یہاں سے رخصت ہو کر وطن پہنچتے، پھر وہاں سے ہزاروں میل کی طویل مسافت طے کرتے ہوئے ۱۰ شوال المکرم کو دار العلوم پہنچ جاتے۔ وقت کی پابندی آپ کی خصوصیت بن گئی تھی۔ آپ طبعاً کم سخن تھے تفہیم مسائل اور زہد و تقویٰ میں آپ اپنی مثال تھے۔

جناب الحاج مولانا مفتی عبد الرشید خان صاحب فتحپوری

سنہ ۱۳۴۹ھ میں بحیثیت صدر مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ آپ نہ صرف فقیہ و مفتی بلکہ ایک صوفی منش بزرگ بھی ہیں۔ آپ کی شخصیت جامع الکمالات ہے۔ فی الوقت آپ جامعہ عربیہ اسلامیہ ناگپور کے سرپرست ہیں۔ ایسے پرفتن اور تاریک دور میں عزم و استقلال کے ساتھ ایمان کی شمع فروزاں کئے ہوئے سینکڑوں طالبانِ علوم کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کے عزم و ہمت کو توانائی بخشے۔

مولانا ہی کے دور میں صدر مدرس مولانا مولوی سید غلام حسید رضا صاحب پشاوری سنہ ۱۳۴۹ھ اور سنہ ۱۳۵۰ھ میں مدرس کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے رہے ہیں۔ دیگر حضرات کی طرح آپ کی شخصیت بھی ممتاز واقع ہوئی ہے۔

دکن کی ایک مایۂ ناز شخصیت **مولانا احمد کٹی صاحب**۔ ساکن کونتو ضلع ملابار، آپ حضرت کی قدس سرہ کی زیر سرپرستی دار العلوم کے نصاب کی تکمیل میں مشغول رہے اور سند تحصیل حاصل کی آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں کے پیش نظر آپ کا تقرر بحیثیت مدرس سنہ ۱۳۵۰ھ میں ہوا، سنہ ۱۳۵۵ھ کے اواخر تک آپ اس عہدہ پر فائز رہے۔ آپ کو تفسیر، حدیث، فقہ شافعیہ و حنفیہ، تاریخ، معانی بیان، منطق و فلسفہ میں کمال حاصل تھا۔

جناب **مولانا مولوی سید شاہ حسام الدین صاحب قادری** ساکن گڈیاتم ضلع شمالی آرکاٹ، آپ سنہ ۱۳۵۲ھ اور سنہ ۱۳۵۳ھ میں مدرس کے عہدہ پر فائز رہے۔ درمیان میں ایک طویل وقفہ کے بعد دوبارہ سنہ ۱۳۸۰ھ میں آپ کا تقرر ہوا۔ ایک سال تک دار العلوم

میں اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔

بعد ازاں طبیعت کی ناسازگی کی وجہ وطن چلا گئے۔ اسی سال رمضان المبارک میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ آپ کو معقولات و منقولات میں کافی درک حاصل تھا اور آپ کی زندگی کا اکثر حصہ درس وتدریس میں صرف ہوا۔

جناب مولانا مولوی غلام جیلانی صاحب محلہ کریم الدین پورا پوسٹ گھوسی ضلع اعظم گڈھ کا تقرر ۱۳۵۳ھ میں ہوا۔ آپ کی خدمات بھی قابل ستائش ہیں۔ فی الوقت آپ مدرسہ فیض الرسول ضلع بستی یو۔پی کے صدر مدرس ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کے حوصلوں کو بلند اور ارادوں کو کامیاب بنائے۔ آمین۔

شمالی ہند کی ایک اور نامور شخصیت جناب مولانا مولوی محمد رضوان الرحمن صاحب سہسوان ضلع بدایوں آپ دار العلوم میں بحیثیت مدرس ۱۳۵۴ھ کے اواخر تک خدمت انجام دیتے رہے۔ آپ بھی بلند پایہ عالم، معقولات و منقولات میں کافی درک رکھتے ہیں۔ فی الوقت جامع مسجد انڈور میں مفتی کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ دعا ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کی خدمات صالحہ کو قبول فرمائے۔

اسی دار العلوم کے ایک اور مایۂ ناز طالب العلم جناب مولانا مولوی ابو المعالی علوی صاحب آمنگاڈ ضلع ملا بار۔ آپ نے فاضل اساتذۂ وقت کے زیر تربیت علوم عقلیہ نقلیہ کی تحصیل کی فراغت کے بعد ۱۳۵۸ھ میں بحیثیت مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ آپ اپنے اساتذۂ کرام کے صحیح جانشین اور علم تفسیر، حدیث فقہ شافعیہ وحنفیہ کے ماہر ہیں۔ آج بھی آپ دار العلوم میں درس وتدریس کے علاوہ فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

خدائے عز وجل آپ کو آفات ارضی وسماوی سے محفوظ رکھے آمین

جناب مولانا مولوی سید شاہ حیدر ولی اللہ رحمہ کے نظامت سے سبکدوش ہونے کے بعد ۱۳۶۴ھ میں عالیجناب اعلیٰحضرت مولانا مولوی الحاج ابو الفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبد القادر قادری قدس سرہٗ نے اپنے منجھلے برادر عالیجناب مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی کو منصب نظامت پر فائز فرمایا۔

۱۳۷۲ھ میں جناب مولوی حافظ سید محمد عابد صاحب (آپ نے اعلیٰحضرت رکن الدین شاہ محمد قادری قدس سرہٗ کے دور سرپرستی میں اسی دار العلوم میں رہ کر حفظ قرآن اور دیگر علوم حاصل کیا) آپ کا تقرر شعبۂ حفاظ کی تعلیم وتربیت کے لئے ہوا۔ آپ کی زیر تربیت اب تک حفاظ کی کئی ایک جماعتیں فارغ ہوچکی ہیں۔

۱۳۷۸ھ میں عالیجناب اعلیٰحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی نے مسند سجادگی پر جلوہ فگن ہونے کے بعد اپنے برادر عزیز عالیجناب مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری بی اے مدظلہ العالی کو منصب نظامت پر فائز فرمایا۔

اسی دور میں جناب مولانا مولوی حافظ محمد زکریا صاحب ادیب ماہر راجکوٹی (مصنف خانوادۂ اقطاب ویلور قدس سرہم) جناب مولانا مولوی حافظ محمد سلیم احمد صاحب پورنیا ضلع بہار، جناب نصیر الدین صاحب بہاری نے مدرس کی حیثیت سے اپنی اپنی خدمات انجام دی ہیں۔

اسی دور کی باکمال شخصیت جناب مولانا مولوی محمد طیب الدین

صاحب اشرفی مونگیری بہار کا تقرر ۱۳۸۰ھ میں ہوا۔ آپ مسلسل چھ سال تک دار العلوم میں اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ کو معقولات و منقولات میں کافی درک حاصل ہونے کے علاوہ علم تصوف میں خاص لگاؤ تھا۔ آپ نے سرپرستان دار العلوم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مختلف کتابوں کا ترجمہ کیا جس میں قابل ذکر "میزان العقائد" "بیعت غائب وحاضر" رسائل قربی وغیرہ ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے "انوار اقطاب ویلور" کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جس میں تمام بزرگان مکان حضرت قطب ویلور قدس سرارہم کی سہ صد سالہ تاریخ درج ہے۔ کتاب قابل دید اور تاریخ جنوب کا اہم جزو ہے۔

مذکورہ کتابیں دار التصنیف و الاشاعت مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ سے شائع ہو چکی ہیں۔

ان کے علاوہ آپ کئی سال تک دار العلوم سے شائع ہونے والا سالنامہ اللطیف کے مدیر بھی رہ چکے ہیں۔ آپ ۱۳۸۶ھ کے اواخر خانگی مجبوریوں کے تحت مذکورہ ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے۔

آپ کو کتابوں سے انتہائی شغف تھا جسکو دیکھ کر حضرت ناظم مدظلہ العالی نے آپ پر کتبخانے کے دروازے کھول دئے۔ آپ یہاں رہ کر اپنی محنت وجانفشانی سے افادہ کے ساتھ استفادہ بہت کیا۔ خدائے عزوجل آپ کو دین ودنیا میں کامران فرمائے۔ اور دارادول میں صالحیت بخشے۔

اسی دور کی ایک در باکمال شخصیت جناب مولانا مولوی سید حمید اشرف صاحب کچھوچھوی فیض آباد یو۔ پی کا تقرر ۱۳۸۱ھ میں ہوا۔ اور آپ ایک بزرگ خاندان کے چشم وچراغ ہونے کے علاوہ آپ کا تعلق کچھوچھہ شریف کے مشہور معروف بزرگ سیدنا ومولانا مخدوم سید شاہ اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ سے ہے۔

آپ کو تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، ادب و منطق میں کامل مہارت حاصل ہے۔ اسوقت آپ دار العلوم کے مدرس اور سالنامہ اللطیف کے مدیر ہیں۔ اس کے علاوہ آپ بزرگان مکان کی کتابوں پر ریسرچ کر رہے ہیں۔ عقائد ذوقی پر کام ہو رہا ہے جس کا پہلا حصہ عنقریب منظر عام پر آئے گا۔

جناب مولانا مولوی عبد الواحد صاحب جونپوری کا تقرر ۱۳۸۴ھ میں ہوا۔ آج بھی آپ دار العلوم میں اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ کو تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، معانی بیان، نحو وصرف وغیرہ میں مہارت تامہ حاصل ہے۔ آپ ہر پیچیدہ اور کٹھن مسئلہ کو اس آسانی کے ساتھ طلبا کے ذہن میں ڈال دیتے ہیں کہ معمولی ذہانت کا طالب علم بھی باآسانی نگیز کر لیتا ہے۔

جناب مولانا سید احمد قادری صاحب قادری بھی ایک عرصہ دراز سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۱۳۸۲ھ میں مولوی سید مصطفیٰ الحسین بخاری کڈپوی (فاضل لطیفیہ) کا اور ۱۳۸۶ھ میں جناب مولوی محمد شبیر احمد صاحب اکرمی بھٹکلی (فاضل لطیفیہ) جناب مولوی سید نور اللہ صاحب تورگلی ضلع ملکام (فاضل لطیفیہ) اور جناب مولوی بشیر احمد صاحب کٹواچوری کا تقرر ہوا۔

الحمد للہ ہر سال دار العلوم میں طلبائے عزیز اور اساتذۂ کرام کا اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ آج بھی اس دار العلوم میں شمال وجنوب کے علمائے کرام منصب درس وتدریس پر فائز ہیں۔ یہ اسی دار العلوم کی خصوصیت ہے کہ صدیوں سے شمال وجنوب کے علماء کا سنگم اور اہل علم کا مرکز بنا ہوا ہے۔

اسلام اور

از
مولوی سید محمد انوار اللہ صاحب
لطیفی تورگلی
مدرس دار العلوم لطیفیہ مکان
حضرت قطب ویلور قدس سرہ

اسلام ہی کی وہ جمہوریت ہے، جو تمام دنیا میں خراجِ تحسین و آفرین حاصل کر چکی ہے۔ وہ لوگ بھی جو اسلام سے محبت نہیں رکھتے اسلام کی مساوات کے معترف اور مدح خوان ہیں۔ ضرور یہی وہ ایک قوت ہے جسکے اثر سے تعصب و تکبر، نخوت وغیرہ کے وہ بت جنہوں نے دنیا کو میدان کارزار بنا رکھا ہے بے اثر و معدوم ہو جاتے ہیں۔

اسلام ایک ایسا ہمہ گیر مذہب ہے جس کے پیرو، نسل رنگ روپیہ قومیت، امارت، دولت، علم، تمدن، اور تہذیب کے نشہ میں آدمی کو آدمی سمجھنا فراموش نہیں کرتے اور خدا کے کسی بندہ کو نفرت و حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتے ہیں۔ اس حیرت انگیز نظام حیات و مساوات کا سرچشمہ قرآن کریم کے اصول و تعلیمات اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت ہے اس لئے مسلمانوں کی ذہنیت کے جو روشن پہلو نمایاں ہیں وہ قرآن شریف و احادیث مبارکہ کی ظاہری تعلیم کا اثر ہے۔ اسلام نے مساوات کے اصول کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

کان الناس امۃ واحدۃ (قرآن کریم)

اس سے زیادہ وضاحت اس امر کی کیا ہو گی کہ دنیا کے تمام انسان برابر ہیں اور ایک ہی اصل سے ہیں۔ ان میں کسی کو دوسرے پر تفوق نہیں ہے۔ اس آیت نے مسلمانوں کے دلوں سے یہ خیال محو کر دیا کہ دنیا کے اقوام کے مرتبہ میں کسی قسم کا فرق ممکن ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے اگر یہ اقوام عالم کے ذہن نشین ہو جائے تو پھر ممکن نہیں کہ رنگ و نسل کی تفریق قائم رہ سکے اور اسی حقیقت نے رونما ہو کر مسلمانوں میں عجمی و عربی، سفید و سیاہ، رومی و زنگی کا امتیاز ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹا دیا۔ اسی طرح سورۃ الحجرات میں ارشاد ہوتا ہے:

یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی وجعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر

اے انسانو! تم کو یقیناً اللہ تبارک تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو صاحب تقویٰ ہو یقیناً اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔

ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف شاخوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو ۱۲

اس آیت سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کوئی طبقہ کوئی انسان اپنی پیدائش کے سبب سے حقیر و ذلیل نہیں ہو سکتا اور اس سے زیادہ کوئی شخص بے وقوف نہیں ہے جو اپنے خاندان یا اپنے رنگ یا اپنی نسل یا اپنی قومیت کی بنا پر برتری کا قائل ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک ایک ہی معیار برتری ہے جو مقبول ہے۔ وہ اعمال حسنہ ہیں۔ جس شخص کے اعمال اچھے ہیں وہ اچھا ہے۔ جس کے اعمال برے ہیں، وہ برا ہے اور ان اعمال کی وجہ سے بھی یہ کسی کو

حق نہیں پہنچا کہ کسی دوسرے کو ذلیل و پست سمجھے، اس لئے
کہ نخوت اللہ تعالیٰ کو بہت ہی ناپسند ہے ولا تمش فی
الارض مرحا انک لن تخرق الارض ولن تبلغ
الجبال طولا کل ذالک کان سیئہ عند ربک
مکروھا (قرآن کریم) دنیا میں غرور و نخوت کے ساتھ مت چلو،
اس لئے کہ تم زمین نہیں چیر سکتے، نہ پہاڑوں کے برابر بلند ہو سکتے ہو،
یہ تمام بُری حرکتیں تمہارے رب کو بہت ناپسند ہیں۔"

عدم مساوات کی بنیاد ہمیشہ غرور و نخوت پر قائم ہوتی ہے۔ یہاں
ہم مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ وہ اس ناپاک جذبے سے بچیں۔ اس لئے
کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے سخت نفرت ہے اور اس طرح کیونکر ممکن ہے
کہ ایک مسلمان دنیا کے کسی فرد کو ذلیل و خوار سمجھ سکے۔ یہ غرور کا جذبہ
بداخلاقی کو ترقی دیتا ہے۔ بداخلاقی سے زیادہ مساوات کو تباہ کرنے
والی کوئی چیز نہیں ہو سکتی، اس وجہ سے حضور دو عالم (صلے اللہ
علیہ وسلم) نے احادیث میں اخلاق پر بہت زور دیا ہے۔

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (مشکوٰۃ)
میں اس لئے بھیجا گیا ہوں تاکہ اچھے اخلاق کی تکمیل کروں۔

ان الخلق السیئ یفسد العمل کما یفسد الخل العسل
بدخلقی اعمال کو اسطرح خراب کرتی ہے جیسے سرکہ شہد کو۔ انسان
دوسروں کے ساتھ حقارت کا اظہار اکثر و بیشتر اپنی گفتگو میں کرتا
ہے۔ یہی گفتگو بعد میں اعمال کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔
قرآن کریم نے بدگوئی کو بھی اسی وجہ سے روک دیا ہے۔"

قل لعبادی یقولوا التی ھی احسن ترجمہ (قرآن کریم)
اے پیغمبر میرے بندوں سے کہدو کہ وہی بات کہیں جو اچھی ہے۔

حسن اخلاق محبت کا نتیجہ ہے۔ آپس میں محبت ہوگی تو نہ
بداخلاقی ممکن ہے، نہ یہ ممکن ہے کہ کسی کو ذلیل و خوار سمجھا جائے۔
محبت کے متعلق حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے
نہایت وضاحت کے ساتھ تلقین فرمائی ہے۔

- - - - - - - - -

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ قیامت میں ہم سے قریب تر ان کی نشست ہوگی جن کے
اخلاق تم سے بہتر ہوں، جن کے پہلو دوسروں کیلئے نرم ہوں۔
اور وہ دوسروں سے محبت رکھتے ہوں اور دوسرے ان سے محبت
رکھتے ہوں۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول
قال اللہ تعالیٰ وجبت محبتی للمتحابین فی
والمتجالسین فی والمتزاورین فی والمتباذلین فی (مشکوٰۃ)
میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے
کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھ پر ان لوگوں سے محبت کرنی واجب ہے۔
جو آپس میں میرے لئے محبت رکھتے ہیں اور صرف میرے لئے ایک دوسرے
کے پاس بیٹھتے ہیں اور میرے ہی لئے ایک دوسرے کی زیارت
کرتے ہیں اور میرے لئے ایک دوسرے پر بخشش کرتے ہیں۔

ان اللہ یقول یوم القیامۃ این المتحابون
بجلالی الیوم اظلھم فی ظلی یوم لا ظل الا ظلی۔
اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ کہاں
ہیں آپس میں محبت رکھنے والے اپنے عزت وجلال کی قسم کہ آج کا

دن میرے سایہ کے علاوہ اور کسی کا سایہ نہیں ہے ان کو اپنے
سایہ میں پناہ دوں گا۔

اسلام کا یہ احسان و کرم تو ان لوگوں کیلئے جو دائرۂ اسلام
میں بھی نہیں ہیں۔ یعنے ایک مسلمان کو چاہئے کہ تمام ہی نوع انسان کو
عزیز رکھے۔ اور غیر مسلموں سے بھی دشمنی نہ رکھے۔ البتہ جب وہ نقصان
پہنچائیں تو مدافعت مسلمانوں کا حق ہے اور وہ بچنے کی سعی کر سکتا
ہے اور اسے کرنی چاہئے لیکن اس میں بھی اس کے لئے حکم ہے، کہ
خواہ مخواہ انتقام کے جوش میں اندھا نہ ہو جائے۔ ایسی سختی نہ کرے
جو تدارک فساد سے آگے بڑھ جائے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے
بلکہ بھلائی سے دے چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے۔

ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ
عداوۃ کانہ ولی حمیم (ترجمہ) مدافعت اسی بھلائی سے
کرو جو سب میں اچھی ہو۔ پھر تم دیکھو گے کہ وہ جس کے اور تمہارے
درمیان دشمنی تھی، ایسا ہو جائے گا جیسے تمہارا گرم جوش دوست ہو۔"

قرآن حکیم کے قانون اساسی کا مقصد نوع انسانی کو،
مخلوقات کے قانون سے آزاد کراتا ہے تاکہ وہ ایک اعلیٰ نظام
حیات کے تحت روحانی اور مادّی زندگی کو سنوار سکیں۔ یہ نظام
حیات وحی الٰہی کے ذریعہ انسانوں کو عطا ہوا۔ اور ان کو سب کی بندگی
سے آزاد کر کے کائنات کے واحد رب اللہ کی عبادت و عبدیت کے
راستے پر لاتا ہے۔ قرآن حکیم نے خود انسان کو دعوت دی ہے کہ وہ اپنی
زندگی اس کے مقصد اور مخلوقات کی غلامی میں مبتلا ہونے کو دیکھے
اور عبرت حاصل کرے، کہ وہ آزاد پیدا ہوا ہے لیکن اس کو خود اس
کے جیسے انسانوں نے اپنا غلام بنا لیا۔

الم نجعل لہ عینین ولسانا وشفتین وھدینٰہ
النجدین فلا اقتحم العقبۃ (قرآن کریم)

کیا ہم نے انسانوں کو دو آنکھیں، زبان، دو ہونٹ نہیں دیئے
اور بھلائی برائی کے راستے اس کو نہیں دکھائے۔ پھر بھی وہ ان کے
شکریے کی گھاٹی سے ہو کے نہیں نکلا اور تمہیں معلوم ہے وہ گھاٹی کیا
ہے، گردن کو غلامی سے آزاد کرنا۔ فک رقبۃ۔ گردن کو غلامی
سے آزاد کرنا۔ اس شخص کے دل گردہ کا کام ہے جو احکام قرآن مجید
پر عمل پیرا ہو۔ جب چل کر انسان کو یہ مرتبۂ بلند مل سکتا ہے تو دوسری
سمت سے اس کا رشتہ ماسوا سے کٹتا ہے اور اللہ واحد سے
جڑتا ہے۔ اور ایسے ہی انسانوں کے لئے اللہ نے خلافت ارضی کا وعدہ
کیا ہے۔ قرآن کریم کے اساسی قانون نے تمام انسانوں کو مساوی اور
برابر کا قرار دیا ہے۔ اللہ واحد کے بندے ہم رتبہ ہوتے ہیں۔ آیئے
ہم ان لوگوں کی زندگیوں کا بھی جائزہ لیں جو حامیان مؤدت تھے۔
اور لوگوں کو اپنی زندگیوں سے ثبوت دے کر مؤدت کا دم بھرتے تھے۔
اور انکی زندگیاں حقیقی معنوں میں انہیں باتوں کی علمبردار تھیں جو الفاظ
ان کی زبانوں پر بار بار اور بے ساختہ نکل آتے تھے، مگر کسی کی مجال
نہیں کہ انگلی اٹھائے۔ داعی اسلام کی دعوت میں وہ کشش تھی کہ لوگ
آشفتہ آشفتہ بھاگے جا رہے تھے اور آپ کی ان تعلیمات کی روشنی نے
ان پیرووں کی زندگی کو آشکارا کر رکھا تھا۔ پھر ان الفاظ کے سُننے
میں بے قراری ہو تو ملاحظہ ہو: جود و سخا۔ عدل و انصاف۔ صلۂ
رحمی۔ شجاعت، دلیری۔ احسان۔ اخوت و بھائی چارگی ان کا سچا
ثبوت بہت سے بلکہ سارے صحابہ کی زندگیوں میں ملتا ہے۔

اگر مؤدت وجود و سخا کے معنی سمجھنے میں کچھ دقت محسوس ہو

تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پاکیزہ زندگی ہمارے آنکھوں سے اوجھل ہونے نہ پائے۔

عدل و انصاف تو محتاج بیان نہ ہوگا۔ مگر بے چین دلوں کے اطمینان اسی میں معلق ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یاد کرکے ہی رہیں۔

اگر صلہ رحمی و مہربانی کا لفظ ذہن میں تلاطم پیدا کرتا ہو تو سیرت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالعہ جاری رہئے۔

شجاعت کا بہت ہی متحمل تھا مگر ایک صبر کا پیمانہ چھلک جائے تو دلوں کو پاش پاش کردے گا مگر بہادری در پردہ کہہ رہی ہے کہ ہمارے ساتھ ناانصافی ختم ہو کنے پہ مجبور کر رہی ہے۔ اچانک حضرت علیؓ شیر خدا اور حضرت خالد سیف اللہ کی دونوں تلواریں چمکتی دکھائی دینے لگیں۔

اسی طرح احسان کے لفظ کا اتنا کسب سی تردد میں مبتلا کر رہا ہو تو جنگ بدر کے واقعہ کو نظر انداز نہ کرنا ہوگا۔ تو اس وقت حضرت عباسؓ کے کارنامے اسلام پر ایک احسان کے نام سے یاد کئے جائیں گے۔

اگر ہم بھائی چارگی کو دیکھنا چاہیں تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو نہ بھولیں۔ ان تعلیمات کی فراموشی نے مسلمانوں کو اپنے آبا و اجداد کی وراثت سے محروم کر دیا اور ہر طرف انسانیت مغلوک الحال پھرتی نظر آتی ہے۔ باوجود اتنا کچھ ہونے کے پھر بھی لاکھ درجہ غنیمت ہے جو آج یوروپ ممالک کے باہمی اختلافات اور وہ افتراق و تمیز ہے، جو کسی جگہ موجود نہیں ہے۔

اگر کہیں سبق ملتا ہے تو صرف یوروپ کے غریبوں اور امیروں میں مسلمانوں میں وہ افتراق و تمیز آج بھی کسی جگہ موجود نہیں، جو یوروپ کے غریبوں اور امیروں میں، مزدوروں و سرمایہ داروں گوروں اور حبشیوں میں، برہمنوں اور شودروں میں آج تک موجود ہے۔ نمازوں کی صفوں میں، حج کے میدانوں میں، دعوتوں کے دسترخوانوں میں اور روزمرہ کی گفتگو، میل جول اور معاشرت کے نظاروں میں اسلامی تعلیم کی روح نظر آتی ہے۔ اور مسلمانوں کے مساوات و محبت اور تعصبات و نخوت سے آزادی ان کے کتابوں کے اوراق، ان کی تحریکات، ان کی مساعی، ان کے واعظوں اور خطیبوں کے ولولہ انگیز تقریروں، ان اہل دماغ کی کاوشوں میں نہیں بلکہ ان کے اعمال، ان کے اخلاق و عادات اور اوصاف و اطوار، ان کے طریقوں میں ملیں گی۔

یہ اسلام کا زندۂ جاوید معجزہ ہے کہ اس عرب میں جہاں بعثت نبوی کے قبل اس قدر افسوس ناک و دردناک حالت تھی کہ بچی کی پیدائش اس درجہ منحوس سمجھی جاتی تھی، کہ اس کے پیدا ہونے کے بعد پہلا کام اس کا باپ یہ کرتا تھا، کہ قدرت کی اس معصوم تر و تازہ اور نوخیز کلی کو بے رحمی و بیدردی کے ساتھ مسل دیتا تھا۔

ایک صحابی اپنی جاہلیت کا ایک حیرت انگیز و المناک واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ میرے گھر میں بچی پیدا ہوی۔ دستور عرب کے موافق میں اس کو اٹھا کر جنگل لے گیا، بچی بہت ہی حسین و جمیل تھی لیکن میرا دل اس کے وجود کو خاندان کے لئے باعث ننگ و عبرت سمجھ چکا تھا۔ چنانچہ جب بچی کو میں نے گڑھے میں ڈال کر اس پر وزنی پتھر پھینکنے شروع کئے تو بچی چیخنے لگی۔ میں اس دلدوز منظر کو دیکھ کر وہاں سے چل دیا۔ اور اس کی آواز کو دور تک

گھنتا رہا اور میں نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ صنفِ نازک کے ساتھ مردوں کے سلوک و برتاؤ کا ایک ہیبت ناک منظر آپ دیکھ چکے۔ درندگی و بربریت کی اور انتہا کیا ہوسکتی لیکن یہ اندوہ ناک ذہنیت اہل عرب ہی تک محدود نہ تھی بلکہ دنیا کے متمدن سے متمدن اور مہذب سے مہذب ملک کی تاریخ کے اوراق گردانی کرو تو اس کے بعد یہ حقیقت خود بخود واضح ہو جائے گی کہ تمام دنیا پہ اسی نوعیت کی لعنت و جہالت چھائی ہوئی تھی۔

متعدد احادیث موجود ہیں، جن میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بیوی، بچوں اور اہل و عیال کے حقوق کی صحابۂ کرام کو تاکید فرمائی ہے۔ رحمۃ للعالمین کے طفیل میں دنیا کو قرآن کریم جیسا بہترین اور نایاب ضابطۂ حیات اور نظام زندگی نصیب ہوا۔ جس نے عورتوں کی وراثت قائم کی اور سرکارِ دو عالم کی تشریح و تاکید نے دنیا والوں سے ارشادِ خداوندی کی تکمیل کرا کے چھوڑا اور دنیا کو عورتوں کے حقوق تسلیم کرنے پڑے۔ جس کو خواتین اسلام اس احسانِ عظیم کو تا زیست دنیا فراموش نہیں کرسکتی۔ اس عرب میں جہاں کسی عجمی کا تو ذکر کیا ہے خود عربی قبائل کی شرافت ثابت کرنے کے لئے شجرۂ نسب زبان پہ یاد کرنے پڑتے تھے۔ اور کوئی باپ اپنی اولاد کو صحت نسب سے بڑی دولت وراثت میں نہیں دے سکتا تھا اس کا احساس مٹ گیا۔ اور ایک حبشی غلام بلال رض کو نکاح کرنے کی ضرورت پیش آئی تو قریش کے نجیب ترین سرداروں میں سے ہر ایک کی یہی آرزو ہوتی تھی کہ ان کی لڑکی بلال رض اپنے نکاح میں قبول کریں۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

مصر جب نسب کی بھول بھلیوں کو چھوڑ کر اعمال کو شرافت کی کسوٹی قرار دیا گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جلیل القدر صحابی اور خلفائے راشدین پکار اٹھے، "بلال سیدنا" سیدنا بلال ہمارے سردار ہیں۔

اسلام کی اس حیرت ناک مساوات کی مثال کسی مذہب و ملّت میں نہیں ملیگی۔ اسلام ہی کی ایک زبردست طاقت تھی جو قیصر و کسریٰ کے محکمے جو غلاموں سے بدتر تھے اور جو آزادی کے نعمتوں سے محروم کر دئے گئے تھے جن کو نہ دینی آزادی تھی نہ روحانی و سیاسی نہ معاشرتی اسی اسلام کی بدولت آزادی کی سانس لینے لگے اور اسلام کے طفیل میں انہوں نے ایک نئی زندگی پائی۔ اور اسی آزادی کی بدولت دنیا کو اپنے علوم و فنون سے مالا مال کر دیا۔ اور مسلمانوں میں جو احساس کمتری و پستی کارفرما ہوئی تھی اس کو اسلام نے یوں دور کیا انما المومنون اخوۃ" (قرآن حکیم) اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام مومن بھائی ہیں، نہ کوئی برتر ہے اور نہ کوئی افضل۔ نہ کوئی ادنیٰ نہ کوئی پست۔

نتیجہ یہ ہوا کہ دنیائے اسلام میں کوئی پست نہ رہا کہ مستقلاً رحم و کرم کا طالب ہوتا۔ دولت چلتی پھرتی چھاؤں ہوگئی۔ جو کل بادشاہ تھا آج گدائی کرنے لگا۔ ممکن ہے کل بادشاہ ہو اور پھر گدا۔ ایسی فضا میں کون کسی بات پہ غرور کرے۔ "پدرم سلطاں بود"

اسلام نے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا کہ پستی کے چند اسباب ہوتے ہیں۔ ایک تو کسی قوم کے بعض افراد میں اپنی برتری اور بعض افراد میں اپنی پستی کا خیال پیدا ہو جانا اس کا تو یہ علاج مقرر ہوا کہ اس خیال ہی کو دل سے نکال دیا۔ دوسرا علوم و فنون میں کسی کا کسی سے برتر ہونا جیسا کہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم ومسلمۃ تاکہ یہ تفریق ہی پیدا نہ ہوسکے ۔ تیسرا دولت میں فرق کا اس کے لئے زکوٰۃ کا طریقہ مقرر کر دیا ۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو مل بانٹ کر کھائیں ۔ وراثت کے ایسے قوانین بنادئے کہ دولت چند آدمیوں اور خاندانوں کے ہاتھ میں سمٹ کر نہ رہ جائے اور ہر شخص کو اکلِ حلال کی ترغیب دی جو معاشی زندگی کی درستگی سب میں بڑی کنجی ہے (الغرض یہ باب خود تفصیل کا ایک حیرت انگیز طور پر تشنہ ہے) ۔ آخر میں سبب سیاسی اقتدار ہوتا ہے ۔

اسلام نے شخصی حکومت کے خلاف ہمیشہ جہاد کیا ۔ اسے قیصر و کسریٰ کا طریقہ ناپسند تھا ۔ خلفائے راشدین کی حکومت مشورہ پر قائم تھی ۔ وراثت کے بجائے انتخاب کی پابندی تھی ۔ جب یزید لعین نے اس طریقہ کو توڑنا چاہا تو خود رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے برگزیدہ نواسے نے کربلا کی زمین اپنے اور خاندان کے خون سے سرخ کر دی ۔ لیکن یہ ہرگز گوارہ نہ کیا کہ یہ بدعت قبیحہ قائم ہو ۔"

غرض اسلام نے تفریق کے تمام دروازے بند کر دئے اور مسلمانوں میں کسی طبقہ کو کسی طبقہ پر برتری قائم کرنے کا موقع نہ دیا ۔ اسی طرح اسلام نے کسی طبقہ کے پست شمار ہونے کا ہمیشہ کیلئے انسداد کر دیا ۔ دامنِ اسلام میں آج بھی کوئی حقیر و ذلیل نہیں ہے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ جن کی ذات گرامی سراپا رحمۃ للعالمین تھی اسکی یادگار ایک ایسی امت ہے جو دنیا کے تمام حقیروں اور ذلیلوں کو گلے سے لگا لینے کے لئے آج بھی تیار ہے بشرطیکہ وہ کسی چیز کا محتاج اور مطالبہ پر آمادہ ہو تو یقیناً ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پستی کے جال سے نکل جائے گا ۔ آپ کی حیرت انگیز حمایت ہی کا نتیجہ تھا جو یتیم ، بیوہ ، مسکین ، مظلوم بے بس ، و دیگر اسی قسم کے افراد نے چین سے زندگی گذارنا سیکھا ۔ خصوصاً صنفِ نازک پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر فانی احسانِ عظیم کیا ہے ، اور رحمت للعالمین کے چشمۂ فیض سے اس انسانی گروہ نے بھی بقدر استعداد و صلاحیت فیض حاصل کیا ہے ۔ خوش نصیب ہے ، وہ جماعت جو ایسے مقدس و رحمت والے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نام لیوا ہو جس نے انسانیت کے ہر گروہ کو اپنی دائمی رحمت سے نوازا اور انسانیت کے درجہ کو بلند فرمایا ۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو ایک سچے مومن اور انسانیت کے اوصاف حمیدہ سے نوازے اور راہِ مستقیم پر قائم رکھے ۔ اور عبدیت کا انتہائی مقام عنایت فرمائے ۔ آمین ثم آمین ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد و صلوٰۃ، سلام و دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا خط مرقومہ ۱۹ انیس ربیع الثانی موصول ہوا۔ خیریت و عافیت، خط کے مضامین اور سوالات مندرجہ سے آگاہی ہوی۔ الحمد للہ علیٰ ذالك، اس دیار کے فقیر لکے احوال و طریق مستحق حمد و شکر ہیں اور اللہ تعالیٰ سے آپ کے بھی ثبات و استقامت کی درخواست ہے۔ آپ نے فقیر کے جوابات جو تحریر فرمائے ہیں، معلوم ہوئے۔ چونکہ عمل خیر ہے اس لئے پسندیدہ اور مبارک ہے۔ مناسب ہے کہ اربعین کے نام سے آپ اسے شائع کرا دیں لیکن طباعت سے پہلے فقیر کی نظر سے ضرور گذاریں۔

آپ کے سوالات کے جوابات ترتیب وار حسب ذیل ہیں:-

آپ نے دریافت کیا ہے کہ کتب عقائد میں روح انسانی کو فانی لکھا ہے اور کیمیائے سعادت میں حجۃ الاسلام امام غزالی نے روح کو ابدی کہا ہے اس تضاد و اختلاف کی وجہ کیا ہے۔ محب من! حدیث شریف میں سات چیزوں کو یعنی عرش[۱]۔ کرسی[۲]، لوح[۳]، قلم[۴]، جنت[۵]، دوزخ[۶]، ارواح[۷] کو ابدی اور غیر فانی کہا ہے۔ اور بعض حضرات صور کو بھی ابدی کہتے ہیں۔ اسطرح ابدی اشیاء کل آٹھ ہوئیں۔ لیکن آیت کریمہ کل شیئ ھالك الا وجھہٗ کے پیش نظر بعض علماء حدیث مذکور میں تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آیت کریمہ کے مطابق سوائے ذات باری تعالیٰ کے ہر شئی کیلئے فنا و ہلاکت ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اشیاء مذکورہ کے لئے بھی فنا کو تسلیم کیا جائے، اگرچہ وہ فنا صرف آنی اور ایک لمحہ کے لئے ہو تاکہ حدیث اور آیت میں کوئی اختلاف و تضاد نہ رہے۔

اور بعض علماء مثلاً امام حجۃ الاسلام غزالی، شیخ محی الدین ابن عربی صدر الدین قونوی، قدس اللہ اسرارہم، حدیث مذکور میں کوئی تاویل نہیں کرتے اور ظاہر حدیث کے مطابق ساتوں چیزوں یعنی عرش، کرسی، لوح، قلم، جنت، دوزخ، ارواح، کو ابدی کہتے ہیں، اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا ما شاء اللہ آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نفخ صور کے وقت تمام چیزیں بے ہوش یا فنا ہو

جائیں گی مگر جس کو اللہ چاہے وہ فنا یا بے ہوش نہیں ہونگی، لہذا وہ سات چیزیں جن کا ذکر حدیث میں ہے وہ اسی الا ما شاء اللہ کے استثناء میں داخل ہیں اور پہلی آیت، دوسری آیت کی وجہ سے عام مخصوص منہ البعض ہوگی تو نہ آیت، آیت میں تعارض ہوگا اور نہ آیت و حدیث میں۔ سید محمد لاہجی قدس سرہٗ نے شرح گلشن راز میں اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۲ دوسرے سوال میں آپ نے بعض متاخرین کے قول کے متعلق کہ جو دو ذات اور ایک وجود کے قائل ہیں، دریافت فرمایا ہے۔ سعادتمند! اس مقام پر دو چیزیں ہیں جو توجہ طلب ہیں۔ ایک صُوَر علمیہ ہے اور دوسرے موجودات خارجیہ ہے۔

تمام کائنات و موجودات کو پیدا کرنے سے پہلے باری تعالیٰ کو جو تمام اشیاء کا علم حاصل تھا اور وہ تمام اشیاء اس کے دائرۂ علم میں تھیں، تو اس حیثیت سے اُن کا نام صُوَر علمیہ ہے اور اسی کو ذوات ممکنہ حقائق کونیہ، اشیاء ثبوتیہ، اعیان علمیہ، موہومات خارجیہ اور حروف کہتے ہیں۔

اور وہی اشیاء و کائنات، باری تعالیٰ کے صُوَر علمیہ کے مطابق، جب خارج میں موجود ہوگئیں تو اس وجودِ خارجی کے اعتبار سے اُن کا نام موجودات خارجیہ ہے اور اسی دائرۂ وجود خارجی میں ان کو ظاہر وجود، ظاہر ممکنات، وجود اضافی، اشیاء وجودیہ، اعیان خارجیہ، کلمات وجودیہ اور کلمات اللہ بھی کہتے ہیں۔

یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جسطرح ذاتِ باری تعالیٰ قدیم ہے اُسی طرح اس کا علم بھی قدیم ہے، لہذا باری تعالیٰ کے علم میں یا یوں کہئے کہ اس کے صُوَرِ علمیہ میں تمام اشیاء و کائنات کی جو ذوات حاصل ہیں وہ سب قدیم ہوئیں۔ اگر صُوَرِ علمیہ کو قدیم نہ مانا جائے بلکہ حادث کہا جائے یعنی باری تعالیٰ کو اشیاء و کائنات کا علم، ازل سے نہیں تھا بلکہ بعد میں ہُوا تو باری تعالیٰ کا جہل لازم آئے گا۔ (معاذ اللہ من ذلک) تو جب باری تعالیٰ کی معلومات اور ذوات اشیاء قدیم ہیں، اس لئے بعض متاخرین دو ذات کے قائل ہیں۔ ایک ذات حق تعالیٰ اور دوسرے ذوات ممکنہ کہ جو باری تعالیٰ کے علم میں ہیں۔

رہا وجود کا مسئلہ تو خواہ صور علمیہ ہو یا موجودات خارجیہ کسی کا وجود ذاتی و مستقل نہیں ہے۔ صرف ایک وجود حق تعالیٰ کا ہے اور اسی ایک نور سے تمام صورِ علمیہ بھی روشن ہیں۔ صور علمیہ کے لئے کوئی علیحدہ اور الگ وجود نہیں ہے بلکہ صورِ علمیہ میں بھی اسی ایک نور کی تجلی اور اسی کا ظہور ہے۔

موجوداتِ خارجیہ کا بھی مستقل وجود نہیں ہے۔ اس لئے کہ موجودات خارجیہ کا وجود، صُور علمیہ کی وجہ سے ہے تو موجودات خارجیہ اسی صور علمیہ کے احکام، آثار، ظلال و عکوس ہیں، جس طرح ہمارے حروف و کلمات، حرکات، مکتوبات و مصنوعات، ہماری معلومات متخیلہ کے ظلال و عکوس ہیں اور جس طرح ہمارے مکتوبات و مصنوعات کے ظہور کے وقت ہماری معلومات متخیلہ کا زوال نہیں ہوتا، اسی طرح اعیان خارجیہ کے ظہور سے حق تعالیٰ کے اعیانِ علمیہ کا بھی زوال نہیں ہے۔ ورنہ اعیانِ علمیہ کے زوال سے باری تعالیٰ کا موجوداتِ خارجیہ سے جہل لازم آئے گا۔ (نعوذ باللہ منہا)

جب یہ معلوم ہوا کہ موجودات خارجیہ ظلال و عکوس ہیں تو یہ بات ثابت اور طے شدہ ہے کہ ظل اور عکس کا اصلی اور ذاتی وجود نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر متقدمین و متاخرین صرف ایک وجود حق تعالےٰ

قائل ہیں۔ موجوداتِ خارجیہ ہوں یا اعیانِ علمیہ' کسی کا وجود
مستقل اور اصلی نہیں۔

نظر کشف سے دیکھا جائے تو واضح ہوگا کہ جسطرح موجودات
خارجیہ' اعیانِ علمیہ کے ظلال و عکوس ہیں' اسی طرح اعیانِ علمیہ
خود اسمائے الٰہی کے ظلال و عکوس ہیں اور خود اسمائے الٰہی' ذاتِ
مطلق کے ظلال ہیں۔ اسی وجہ سے تمام اکابر' جس طرح ایک
وجود کے قائل ہیں' اسی طرح وہ ایک ذات کے بھی قائل ہیں۔
کیونکہ بقیہ تمام ذوات ذاتِ واحد ہی کے آثار و ظلال ہیں۔

حضرت شاہ نعمت اللہ قدس سرہٗ اپنے رسالہ مکاشفات
کے بیسویں مکاشفہ میں فرماتے ہیں۔ اعیان' اسمائے الٰہیہ
کے مظاہر ہیں' ارواح' اعیان کے مظاہر ہیں اور اشباحؔ
ارواح کے مظاہر ہیں اور یہ سب ظلالات ہیں۔ اسی کو اشعار
میں یوں ادا کیا ہے ؎

ظل ارواح اند اشباح ہمہ　　ظلِ اعیانند ارواح ہمہ،
باز اعیان' ظلِ اسمائے حق اند　　گرچہ اسما ظلِ ذاتِ مطلق اند

ظل' بحیثیت ظل' عالمِ خیال سے ہے اور حق تعالیٰ انہیں
خیالات و ظلالات کی صورتوں میں ظاہر ہے۔ اسی مفہوم کو
شعر کا لباس یوں پہنایا ہے ؎

نقشِ عالم' خیال می بینم　　در خیال' آں جمال می بینم
ہمہ عالم چو مظہرِ او بیند　　ہمہ را بر کمال می بینم

اس سلسلہ میں ایک بات جو بحث طلب ہے باقی رہ گئی' وہ
یہ کہ حقتعالیٰ کی ذات اور اس کا وجود ایک دوسرے کا عین ہیں'
یا غیر' تو متکلمین کا مسلک یہ ہے کہ ذات واجب' وجودِ واجب
کے مغائر ہے۔ لیکن مغائرت کے باوجود ذات' اپنے وجود کو اس
طرح مقتضی اور مستلزم ہے کہ وجود کا ذات سے انفکاک بالکل
محال ہے اگرچہ نفس تغائر کی وجہ سے انفکاک کا تصور ممکن ہے۔

اسکی مثال میں وہ آفتاب اور اسکی چمک و روشنی کو پیش کرتے
ہیں کہ آفتاب کی ضوء بعینہٖ آفتاب نہیں ہے بلکہ آفتاب کا غیر ہے۔
لیکن اس غیریت کے باوجود' ضوء اور روشنی کا آفتاب سے جدا ہونا
محال ہے اگرچہ نفس مغائرت کی وجہ سے انفکاک کا تصور ممکن ہے۔

اسکے برعکس محققین صوفیہ کا مسلک یہ ہے کہ وجودِ حق تعالیٰ عین
ذات ہے' وجود ذات سے مغائر نہیں ہے۔ اسکی مثال میں وہ آفتاب
کو نہیں بلکہ آفتاب کا ضوء کو پیش کرتے ہیں کہ اسکی ضوء خود ہی روشن
ہے' خود ہی روشنی ہے' یہاں الگ الگ دو چیزیں نہیں ہیں' بلکہ
ایک ہی ضوء ہے جس پر روشن اور روشنی دونوں کا صدق ہو رہا ہے
اسی طرح ذات باری اور اس کا وجود الگ الگ دو چیزیں نہیں بلکہ
ایک ہی ذات ہے وہی وجود ہے۔ یہی قول اقرب الی التحقیق ہے۔
کیونکہ حق تعالیٰ موجود بالذات ہے' اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کا
وجود اسکی ذات پر زائد یا مغائر نہیں ورنہ موجود بالذات کہنا صحیح نہ
ہوگا تو جب وجود اور ذات میں عینیت ہے تو جس طرح وجود کا ذات
سے انفکاک محال ہے۔ اسی طرح انفکاک کا تصور بھی محال ہے (کذا
فی النقد النصوص)۔

مسئلہ کی مزید تفصیل و تشریح اور دلائل و براہین کی تحریر کے
لئے وقت اور کاغذ دونوں ناکافی ہیں۔

تیسرے سوال میں مندرجۂ ذیل استفسارات ہیں:۔

۳ے۔ سورہ الم نشرح' عورتوں کے کفن کے دامن پر لکھا گیا ہے۔

ؔ یعنی اجسام و ابدان ۱۲

سانپ اور بچھو کے زہر کے دفع کرنے کی دعائیں کیا ہیں۔

نور ابلیسی کی علامت کیا ہے۔

خطرہ ربانی، ملکی، شیطانی اور نفسانی میں فرق کیا ہے۔

خطرات و وساوس کے دفع کرنے کا طریقہ کیا ہے۔

کرمفرما! سورۂ الم نشرح کی تحریر کے متعلق سنت نبوی اور کتب فقہی سے کوئی سند نہیں ملتی۔ بلکہ صاحب نصاب الاحتساب نے لکھا ہے کہ اسمائے باری تعالیٰ کا یا کلام اللہ کی آیات کا مردہ کے کفن پر لکھنا غیر مشروع اور منہی عنہ ہے۔

اسمائے الٰہی اور آیات قرآنی کے علاوہ میں مولا بخش صدیقی بہاری نے زاد الآخرت میں درمختار کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اگر عہد نامہ کو مردہ کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر لکھا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کریگا۔ (انتہیٰ)

اس میں یہ بھی مروی ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان فارسی کے کفن پر یہ شعر لکھا تھا۔

وفدت علی الکریم بغیر زاد — من الحسنات والقلب السلیم
فان الزاد اقبح کل شیئ — اذا کان الوفود علی الکریم

نیز مروی ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حدیث العہد سراج الجنۃ سنی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی تحریر لیکر اپنے اہل خانہ کو وصیت کیا کہ وفات کے وقت میرے کفن میں یہ تحریر رکھ دی جائے تاکہ قیامت کے دن میرے پاس دستاویز رہے۔

تفسیر عزیزیہ میں ہے کہ ایک عارف نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ کر اپنے اہل خانہ کو وصیت کیا کہ وفات کے وقت میرے کفن میں یہ تحریر رکھ دیا جائے۔ لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو عارف نے کہا میں نے سنا ہے کہ ایک فقیر نے ایک بڑے مکان کے عالی شان دروازہ پر جاکر سوال کیا۔ گھر والوں نے کوئی معمولی مختصر چیز لاکر اسے دے دیا۔ فقیر واپس آیا اور ایک کدال لیجا کر اس گھر کا عظیم الشان دروازہ گرانا شروع کر دیا۔ مالک مکان گھر سے نکلا اور اس حرکت کی وجہ پوچھا تو فقیر نے جواب دیا، یا دروازہ کو اپنی بخشش کے لائق بناؤ یا پھر اپنی بخشش کو اس عظیم الشان دروازہ کے لائق بناؤ۔

چونکہ آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کتاب اللہ کا دروازہ ہے تو اسی دروازہ سے میں کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس کے رحم وکرم کی درخواست کروں گا۔

مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ نے اپنے ایک رسالہ میں لکھا ہے کہ پیران طریقت کے شجرہ کو قبر کے اندر محراب میں رکھیں تاکہ میت کے بدن کی نجاست و آلائش سے آلودہ نہ ہو پس ان اسناد و روایات سے ظاہر ہوا کہ سورۂ الم نشرح کو میت کے کفن پر لکھنا جائز ہے۔

اگر شرح صدر اور تنگیٔ قبر کو دور کرنے کی نیت سے قبر میں اس طرح رکھیں کہ بدن کی آلائش و نجاست سے آلودہ نہ ہو تو جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

سانپ بچھو اور دوسرے موذی جانوروں کے زہر کے دفع کے لئے دعائیں اور دوائیں، کتاب حصن حصین اور طب نبوی سے معلوم کریں، اس میں سب مفصل مذکور ہے۔

نور ابلیسی کی علامت یہ ہے کہ اس سے کوئی حکم، علم

الٰہی کے خلاف سرزد ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جدی و شیخی حضرت سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ، نے جب نورِ ابلیسی سے حکم ربانی کے خلاف حکم پایا یعنی حرام اشیاء کو اس نے حلال قرار دیا تو آپ نے آیتہ کریمہ ان اللہ لایأمر بالفحشاء کی دلیل سے نورِ ابلیسی کو ٹھوکر مارا اور لاحول سے تو ضیع کی۔

خطرہ ربانی۔ ملکی، شیطانی، نفسانی کے متعلق مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ نے رسالۂ ھمعات میں لکھا ہے کہ اثناءِ ذکر میں سالک کے دل پر بہت سے خطرات و وساوس گذرتے ہیں، انوار و تجلّیات کا ظہور ہوتا ہے۔ سالک ان چیزوں کو امورِ عظیمہ تصوّر کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اسکو کوئی عجیب و غریب شئے حاصل ہو گئی ہے اور پھر وہ اپنے مقصود میں کوشش کرنے سے باز رہتا ہے۔ اس باب میں ایک قاعدہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے جس پر اس فقیر کو آگاہی بخشی گئی ہے۔ وہ یہ کہ جو صورت سالک پر ظاہر ہوئی ہے، وہ چند احوال میں سے کسی ایک حال سے خالی نہیں۔ اگر اس حالت میں سالک کو یقین ہے کہ یہ تجلی حق کی صورت ہے یا اسکی طرف منسوب ہے، تو وہ تجلی حق ہے۔ اور اگر اسکے متعلق وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ ملائکہ کی صورتیں ہیں یا مشائخ عظام کی ارواح طیبہ ہیں، تو وہی ہے جو وہ سمجھتا ہے۔ اگر اس حالت کے ضمن میں اُسے اُنس، انشراح اور سُرور حاصل ہو تو وہ واقعہ مَلکی ہے۔ اور اگر وحشت و انقباض پیدا ہو تو وہ شیطانی ہے اور اگر ان دونو باتوں میں سے کوئی بات نہ ہو تو اسکے خیالات طبعیہ میں سے محض ایک خیال ہے۔

حاصلِ کلام یہ کہ راہ سلوک کے عوارض اور اس کے معالجات بہت ہیں، حتیٰ کہ سالک کیلئے فقہاء کے اختلافات کی طرف توجہ کرنا یہ بھی موانع راہِ سلوک سے ہے۔ جیسا کہ امام حجۃ الاسلام غزالی نے کیمیائے سعادت میں ایسا ہی تحریر کیا ہے۔

فقیر نے اکثر عوارض اور اس کے طریق علاج کو اپنے رسالہ "اسفار" میں اسناد معتبرہ کے ساتھ قلمبند کیا ہے، رسالۂ مذکورہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

سعید وارجمند!

کام کا وقت گذر رہا ہے۔ جو لمحہ بھی گذرتا ہے عُمر کا حصہ کم ہوتا ہے اور موت کا زمانہ قریب آتا ہے۔ یہی بیداری و عمل کا وقت ہے۔ اگر آج بیداری نہ ہوئی تو کل سوائے حسرت و افسوس کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ راہ سلوک کے طے کرنے میں شریعت کے ظاہر و باطن کا پورا اہتمام کرنا چاہیئے۔ راہ سلوک کے موانع سے پورا اجتناب کرنا چاہیئے۔ یہی وقت کوشش و محنت کا ہے عیش و راحت کا وقت، کہ جو کوشش و عمل کا نتیجہ ہے آگے آنے والا ہے۔ عمل اور جدوجہد کے وقت عیش و آرام میں لگ جانا اور موانع راہ میں اُلجھ جانا، ایسا ہی ہے جیسے اپنی کاشت و فصل کو پختہ و رسیدہ ہونے سے پہلے ہی کاٹ ڈالنا اور پھل و پیداوار سے محروم ہو جانا اور پھر حیرانی و بے سروسامانی میں زندگی کے دن کاٹنا۔

خدا کرے آپ شادکام و بامراد رہیں۔

کیا مرنے کے بعد کوئی زندگی ہے؟

از : مولوی محمد شبیر احمد اکرمی بھٹکلی
مدرس دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

کائنات اور اشیائے کائنات کا بغور مشاہدہ کیا جائے تو کوئی شے ایسی نظر نہیں آئے گی جو حدوث اور تغیر سے مبرّا ہو اور جس کو دائمی سکون اور ثبات میسّر ہو، خواہ وہ حیوان ہو یا انسان، نباتات ہوں یا جمادات، ہر چیز میں آئے دن تغیّر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ اس کے کاروانِ وجود کو کہیں قیام نہیں۔ کائنات کے ہر ذرے میں یہ تڑپ موجود ہے اور ہر چیز اپنے مقام پر پہنچنے کے لئے بے چین و بے قرار ہے۔ اگر کسی کے لئے اس دنیا میں ابدی سکون نصیب ہوتا تو سید الانبیاء سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی اور کو کیا نصیب ہو سکتا تھا، مگر وہ بابرکت ہستی بھی اس دنیا میں اپنی زندگی کے ساٹھ پر تین ۶۳ سال پورے کرنے کے بعد اپنے رفیق الاعلیٰ سے جا ملی کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

اذا کانت الدنیا تدوم لواحد
لکان رسول اللہ فیھا مخلدا

(ترجمہ) اگر کسی کے لئے دنیا دائم رہتی تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس میں ہمیشہ کے لئے ہوتے۔ جس منزل کی جانب جانے کے لئے انسان بیقرار ہے وہ منزل دار الآخرۃ ہے بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ جن حقیقتوں کے ماننے کی مذہب اسلام ہمیں دعوت دیتا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم قیامت کے دن پر ایمان لائیں جسکی آمد کی خبر ہم کو قرآن اور حدیث سے دی گئی ہے اور اس کے جھٹلانے والے کی مذہب اور اس دن پیش آنے والے احوال اور واقعات کی ہر جگہ تنبیہ دی گئی ہے۔

یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیْهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ۔ آخرت کی زندگی ہی ایک ایسی زندگی ہے جہاں انسان کو ابدی سکون و قرار نصیب ہوگا۔ اس لئے آخرت کو دنیا کی زندگی پر ترجیح دی گئی ہے۔

وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰى وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۔ وَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ۔ اور حدیث میں وارد ہے الدنیا ملعونۃ ملعون ما فیھا الا ما ابتغی لوجہ اللہ عزو جل، الدنیا جیفۃ وطالبھا کلاب۔ ان آیات و احادیث کا ماحصل یہ ہے کہ خدائے عزوجل کے نزدیک دنیا کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ اگر اللہ کے پاس کسی چیز کی عزت ہے تو وہ آخرت کی زندگی ہے

اور انسان کی منزلِ مقصود بھی یہی دار الآخرت ہے جس کے لئے
وہ سفر کرتا رہا اور مختلف دَور سے گذرتا رہا۔ عمومی طور پر انسان
اپنی پیدائش سے مرنے تک تین دَور سے گذرتا ہے طفلگی، شباب
اور بڑھاپا۔ یہ دنیا کی مختصر زندگی کے دَور تھے۔ لیکن حضرت
عبداللہ الحداد باعلوی فرماتے ہیں کہ جب ہم انسان کی تمام عمر پر
نظر دوڑاتے ہیں جو ابتداء سے لیکر اس کے آخری ٹھکانے پر
پہنچنے تک اس پر گذرتی ہے۔ اس کے پانچ درجے ہیں۔ یعنی
انسان اپنے اوّل تخلیق سے آخر ٹھکانے جنت یا دوزخ پہنچنے
تک پانچ مراحل سے گذرتا ہے۔

انسان کے اس سفر کی ابتدا آدم علیہ السلام کے تخلیق سے
شروع ہوتی ہے، جبکہ خداوندِ قدوس نے حضرت آدم علیہ السلام
کو پیدا فرمایا اور آپ کی پشت مبارک میں ان تمام انسانوں کی
ارواح کو رکھا جو کہ سعید و شقی دونوں قسم کے لوگوں پر مشتمل
تھی۔ جو یکے بعد دیگرے اپنے باپ و ماں سے منتقل ہوتے
ہوئے دنیا میں آتے رہے۔ روزِ قیامت تک آتے رہیں گے۔
قال اللہ تعالیٰ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ
ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ
أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا

دوسرا سفر۔ دنیا میں آنے کے بعد سے لیکر اس کی موت
اور دنیا سے چلے جانے تک ہے۔

تیسرا سفر۔ دنیا سے چلے جانے کے بعد سے لیکر دوسرا
صُور پھونکنے تک ہے جبکہ سارے لوگ جی اٹھیں گے۔

چوتھا سفر۔ قبر سے جی اٹھنے کے بعد سے حشر کے قائم ہونے
تک ہے۔

پانچواں سفر۔ انسان کے اپنے عمل کے موافق جنت یا دوزخ
پہنچنے سے لیکر آخر تک ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

آخرت کی زندگی میں تمام انسانوں کو ان کے اچھے یا بُرے
اعمال کے مطابق جو سزا یا جزا دی جائے گی اس میں ان کے
روح اور جسم دونوں شریک رہیں گے۔ اس میں محدثین اور
متکلمین اور حکمائے اسلام کے درمیان اختلاف ہے۔ محدثین
اور متکلمین کہتے ہیں کہ جزا اور سزا کا تعلق ان کے جسم کے ساتھ
ہوگا۔ اور حکماءِ اسلام فرماتے ہیں کہ جزا و سزا انسان کی روح
کو دی جائیگی جسم اس کے ساتھ نہ ہوگا۔ لیکن علامہ اقبال نے
اس نظریہ پہ روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ہے کہ روح اور جسم کے
یہ تقسیم قرآنی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے کیونکہ قرآن کی تعلیم
کے مطابق انسان ایک ایسا فرد ہے جس میں روحانی اور جسمانی
دونوں خاصیتیں موجود ہیں۔ اور روح اور جسم دو الگ الگ
چیزیں نہیں ہیں۔

اسلام انسان کو ایک ایسا زندہ خاصیت تصور کرتا
ہے۔ یہ تصور قرآن میں صرف اسی ارضی زندگی کے لئے استعمال
ہوتا ہے۔ بلکہ حشر، حیات بعد الممات کے لئے بھی قائم رہتا ہے،
چنانچہ حیات بعد الموت یعنی انسان کی دوسری زندگی میں جزا
وسزا مقرر ہے۔ اور قرآن میں جسکے وعدے اور وعیدیں
سنائی گئی ہیں۔ اس کے تعلق روح اور جسم دونوں کے ساتھ
یکساں ہے۔

علامہ اقبال نے محدثین اور حکماءِ اسلام دونوں کے

نظریئے میں جو تطبیق پیدا کی ہے اس کا ثبوت احادیث اور واقعات صالحین سے ملتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر دو قبروں کے پاس سے ہوا تو آپ نے فرمایا یہ لوگ عذاب دئے جا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک کو اس لئے عذاب دیا جا رہا ہے کہ وہ پیشاب سے پاکی حاصل نہیں کرتا تھا اور دوسرا اس لئے کہ لوگوں کی غیبت کیا کرتا تھا۔ تو آپ نے ایک ہری شاخ لے کر دو ٹکڑے کر کے ہر ایک کی قبر پر لگا دیا۔ کہ آپ نے فرمایا شاید کہ ان پر سے عذاب کم کیا جائے۔ جب تک یہ ڈالیاں سبز ہوں، حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ ان کو دو پر لگے ہوئے تھے، وہ جنت میں ایک درخت سے دوسرے درخت پر اُڑ رہے تھے۔ کسی نے آپ کو پوچھا کہ آپ نے یہ مرتبہ کیسے پایا؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ ورع کی وجہ سے اور آپ کے ورع اور تقوے کا یہ عالم تھا کہ آپ جب مسجد میں داخل ہوتے تو داہنے پاؤں اوّل اور بایاں پاؤں بعد میں رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ غلطی سے آپ نے بایاں پاؤں اوّل داخل کیا جس پر آپ کو ندا آئی کہ اے ثور! آپ یہ سن کر دیر تک بیہوش ہوئے اور پھر آخر وقت تک آپ سے ایسی غلطی نہ ہوئی۔

ابی بکر بن ابی الدنیا اپنے بعض دوستوں سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کسی گورکن یعنے (قبر کھودنے والا) سے اس کے توبہ کرنے کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا میں نے ایک قبر کھودی، اس میں ایک انسان کے سارے بدن میں کیلیں گاڑھی ہوئی دیکھا اور ایک بڑی کیل اس کے سر اور دو کیلیں اس کے پاؤں پر گاڑھی ہوئی تھیں۔ اس طرح اور ایک شخص سے جب اس کے توبہ کرنے کا سبب پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ میں نے انسان کی کھوپڑی دیکھی جس میں سیسہ پگھلا کر ڈالا گیا تھا، یہ حیات بعد الممات کے نظریئے کا جسمانی پہلو تھا۔ اور اب کچھ رُوحانی پہلو پر نظر ڈالئے۔

کسی صالح سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک لڑکا شہید ہوگیا۔ کسی نے اس کو خواب میں نہیں دیکھا۔ جب حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا انتقال ہوا تو اُسی رات میں نے اپنے لڑکے کو خواب میں دیکھا تو میں نے اس سے پوچھا کیا تو انتقال نہیں کیا تھا؟ تو اس نے کہا بلکہ میں اللہ کی راہ میں شہید ہوگیا تھا اور میں اللہ کے نزدیک زندہ ہوں اور رزق دیا جاتا ہوں۔ تو میں نے پوچھا کس چیز نے تجھ کو یہاں لایا۔ تو وہ کہنے لگا آسمان والوں میں اعلان کیا گیا کہ کوئی نبی صدیق اور شہید مگر عمر ابن عبدالعزیز کے جنازے کی نماز میں حاضر ہوئے بغیر نہ رہے۔ میں اسی لئے آیا پھر آپ کے سلام کے لئے آیا۔

ابو نعیم حلیہ میں حضرت جبیر رضہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ میں نے ثابت البنانی کو لحد لگائی۔ میرے ساتھ حمید الطویل بھی تھے۔ جب ہم نے ان پر اینٹیں بند کردیں تو ایک اینٹ گر گئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اپنے قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اپنی زندگی میں یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ اگر تو نے اپنے بندوں میں سے کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی فضیلت بخشی ہے تو

مجھے بھی وہ فضیلت عطا کر، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دُعا رَد نہ کی اور آپ کو وہ فضیلت عطا کی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی صحابی قبر پہ بیٹھ گئے اور وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ قبر ہے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کسی شخص کی سورۃ الملک تلاوت کرنے کی آواز آتی ہے یہاں تک کہ اس شخص نے سورۃ الملک ختم کیا۔ وہ صحابی یہ حال دیکھ کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے تمام حال بیان کیا۔ یہ سورۃ عذاب کو روکنے والی اور نجات دینے والی ہے۔

ابو قاسم السعدی نے اپنی کتاب الافصاح میں تحریر کیا ہے کہ یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہے کہ میت قبر میں تلاوت کرتی ہے۔

ابن منده نے عاصم السقطی سے نقل کیا ہے کہ ہم نے بلخ میں ایک قبر کھودی، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بوڑھا شخص قبلے کی جانب منہ کئے ہوئے ہے۔ اور وہ سبز لباس میں ملبوس ہے، اس کے اطراف کی ہر چیز سبز ہے اور اسکی گود میں قرآن شریف ہے۔ جس میں وہ تلاوت کر رہا ہے۔ ابن منده ابی النضر نیشاپوری سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک صالح اور متقی حفار (قبر کھودنے والا) تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے ایک قبر کھودا۔ اس قبر میں ایک اور قبر نکلی۔ اس میں میں نے ایک خوبصورت جوان کو اچھے اور معطر کپڑے پہنے ہوئے چار زانو بیٹھے ہوئے پایا۔ ان کی گود میں ایک بہترین خط والی کتاب تھی اور وہ اس میں تلاوت فرما رہے تھے۔ اس نوجوان نے میری جانب نظر کی اور کہا کیا قیامت قائم ہو گئی۔ میں نے کہا نہیں، تو اس نے کہا اس اینٹ کو اپنی جگہ پہ رکھ دے۔ میں نے اس اینٹ کو اسی جگہ رکھ دیا۔ ان واقعات و احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جسم انسانی اور روح دونوں جزا و سزا میں یکساں شریک ہیں اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی زندگی ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ

اب یہ دیکھنا ہے کہ دنیا میں کچھ ایسے امکانات پائے جاتے ہیں کہ جس سے زندگی بعد الموت کا ثبوت ملے۔ اس سلسلے میں ہم کو انسان کی زندگی کے ان تین دَور پر نظر دوڑانا چاہئے جو اس پہ اس دنیا میں گزرتے ہیں، وہ یہی بچپن، جوانی، ادھیڑ پن۔

انسان کا جسم پیدا ہوتا ہے، نشو و نما پاتا ہے، مضمحل ہوتا ہے اور مر جاتا ہے۔ اس چیز کو سامنے رکھتے ہوئے اگر ہم سے سوال کیا جائے کہ مرنے کے بعد بھی کوئی زندگی ہے۔ کیونکہ ہم جس مادی زندگی سے واقف ہیں اور جو ترتیب اس زندگی میں پائی جاتی ہے مرنے کے بعد وہ ترتیب قائم نہیں رہتی۔ مگر سائنس بتاتی ہے کہ جسم کے مادی ذرات کا انتشار ہماری زندگی کو ختم نہیں کرتا، ہمارا جسم جن ذرات سے بنا ہے، وہ ذرے (خلیے) ہمیشہ بنتے اور تلف ہوتے ہیں۔ انسان کے جسم میں یہ عمل انسان کی پیدائش سے لیکر موت تک کئی بار ہوتا رہتا ہے اور بڑوں کی نسبت چھوٹوں میں جلد ہوتا رہتا ہے یعنے عمر کے بڑھنے سے اس عمل کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔ اگر انسان کی عمر کا اوسط لگایا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر دس سال میں جسم کے اندر یہ تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ ظاہر جسم کے خانے کا یہ عمل برابر ہوتا ہے۔ مگر اندر کا انسان

اسی طرح اپنی اصل حالت میں موجود رہتا ہے۔ اس کا علم اس کا حافظہ اسکی تمنائی عادتیں اس کے تمام خیالات بدستور باقی رہتے ہیں، وہ اپنی عمر کے ہر مرحلے میں اپنے آپ کو وہی سابق انسان محسوس کرتا ہے جو پہلے تھا، حالانکہ اس کی آنکھ ناک کان، ہاتھ پاؤں غرض ناخن سے بال تک، ہر ہر چیز بدل چکی ہوتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی زندگی جسم سے الگ کوئی چیز ہے، جو جسم کی تبدیلی اور مدت کے باوجود اپنا وجود باقی رکھتی ہے۔

ایک سائنسدان نے حیات یا انسانی ہستی کو ایک ایسی مستقل بالذات چیز قرار دیا ہے، جو مسلسل تغیرات کے باوجود اپنا وجود باقی رکھتی ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ الحداد باعلوی فرماتے ہیں، کہ انسان کے اندر اسکی پیدائش سے لیکر آخر تک تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے لیکن اس کے باوجود وہی پہلا انسان ہوتا ہے جس میں یہ تغیر و تبدیل واقع ہوا تھا۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ دنیا میں قیامت کے واقع ہونے کے کچھ امکانات پائے جاتے ہیں یا نہیں، یہ نظریہ اس بات کو چاہتا ہے کہ انسان اور کائنات کی چیزیں ابدی نہ ہوں، اور یہ بات بالکل یقینی ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی چیز مدت کے خطرے سے خالی نہیں ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ۔

ہر آں کہ زاد بنا چار بایدش نوشید
ز جام دہر مئے کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

سب سے پہلے تجربہ جو ہم کو قیامت کے امکان سے باخبر کرتا ہے، وہ زلزلہ ہے۔ یہ زلزلہ انسان کے لئے آج بھی سب سے زیادہ خوفناک چیز ہے۔ زلزلہ کے مقابل میں انسان بالکل بے بس ہے۔ یہ زلزلہ ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ کسی وقت یہ دنیا بھی فنا ہو سکتی ہے۔ ۱۱ر نومبر کو جو زلزلہ صبح ساڑھے چار بجے ہوا تھا کم و بیش ہر کہ و مہ پر مخفی نہیں ہے۔

بمبئی کے قریب شہر کوئنا میں اس کا اثر زیادہ پہنچا، کیا اس سے ہم کو پتہ نہیں لگتا کہ خالق کائنات آن کی آن میں اس دنیا کو تہ و بالا کر سکتا ہے۔ تو ہم کو قیامت کے ماننے میں کیا تامل ہوگا۔ قیامت کا آنا ہمارے لئے ایک معلوم حقیقت ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہم اس کو امکان کی حد تک جانتے ہیں اور کل اسے واقعہ کی صورت میں دیکھینگے،

از علم جدید کا چیلنج۔

قیامت اور میدان حشر کے قیام کا مقصد جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے، ہر انسان کی موجودہ دنیا کی اچھائیوں، اور برائیوں کا بدلہ دینے کے لئے ہے جیسا کہ قرآن شریف میں وارد ہے من جاء بالحسنة فله خير منها وهم من فزع يومئذ آمنون ومن جاء بالسيئة فكبت وجوههم في النار هل تجزون الا ما كنتم تعملون۔

عقیدۂ آخرت کے اس جزو کا وقوع بھی سو فیصدی ممکن نظر آتا ہے کیونکہ ہر شخص کا اعمالنامہ نیت قول اور عمل کی صورت میں ہر وقت ریکارڈ کیا جاتا ہے۔ کیونکہ انسان کا ہر عمل چھوٹا ہو یا بڑا اس کے لاشعور میں محفوظ رہتا ہے۔ جو خیالات ہمارے دل میں گذرتے ہیں ہم انہیں جلد بھول جاتے ہیں۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے،

کہ وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئے مگر ہم مدتوں کی ایک بھولی ہوئی
بات کو خواب میں دیکھتے ہیں یا ذہنی اختلال کے بعد آدمی ایسی
باتیں کرنے لگتا ہے جو ہوش و حواس کی صورت میں اس سے
سنی نہیں گئی تھی۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ آدمی کا حافظہ اتنا ہی
نہیں ہے جتنا ہم محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ فرائیڈ کہتا ہے نفس انسانی
کی مثال ایک اس برف کے تودے کی سی ہے جس کا صرف نواں حصہ
پانی کے اوپر دکھائی دیتا ہے اور بقیہ آٹھ حصے سطح سمندر کے
نیچے رہتے ہیں، یہی وہ حصہ ہے جو ہمارے تمام خیالات کو محفوظ
رکھتا ہے۔ اگر ہم ان خیالات کو بھلانا چاہیں تو بھی بھلا نہیں
سکتے۔ فرائڈ یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ ہمارے اعمال کا اس
احتیاط اور حفاظت کے ساتھ تحت شعور میں ضبط رہنا کارخانۂ
قدرت میں کونسے مقصد کو پورا کرتا ہے (قرآن اور علم جدید)

مگر اسی واقعہ کو آخرت کے نظریے کے ساتھ ملا کر دیکھا
جائے تو فوراً اس کا مقصد سمجھ میں آ جاتا ہے، وہ یہ کہ جب
دوسری زندگی شروع ہو گی تو ہر شخص اپنے پورے نامۂ اعمال کے
ساتھ وہاں موجود ہو گا گویا انسان اپنا گواہ خود ہو گا۔ کما قال
تعالیٰ۔ الیوم نختم علیٰ افواههم وتکلمنا
ایدیهم وتشهد ارجلهم بما کانوا یکسبون
قول کا بھی حال ہے، آدمی اپنے اقوال کے لئے جواب دہ ہے۔
انسان خواہ بات کرے یا بری زبان کو سچائی کا پیغام پہنچانے
کے لئے استعمال کرے یا بری بات پھیلانے کے لئے ہر حال میں ایک
کائناتی نظام کے تحت اسکے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کا مکمل ریکارڈ تیار
کیا جا رہا ہے۔ قال تعالیٰ ما یلفظ من قول الا لدیه رقیب
عتید یہی وہ ریکارڈ ہے جو اگلی دنیا میں ہر ایک کے سامنے پیش
کیا جائے گا۔ ووضع الکتاب فتری المجرمین مشفقین مما
فیه ویقولون یویلتنا مال هذا الکتاب لا یغادر صغیرۃ
ولا کبیرۃ الا احصاها۔ یہ بھی ایک ایسی چیز ہے کہ جس کا
وقوع ہماری معلوم دنیا کے مطابق ممکن ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ
جب کوئی شخص بولنے کے لئے زبان کو حرکت دیتا ہے تو اسی حرکت
سے ہوا میں لہریں پیدا ہوتی ہیں جسطرح ساکن پانی میں پتھر پھینکنے سے
لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ ہماری آواز کی ان لہروں کے سلسلے میں یہ
ثابت ہو چکا ہے کہ وہ ایکمرتبہ پیدا ہونے کے بعد فضا میں باقی رہتی
ہے اور یہ ممکن ہے کہ کسی بھی وقت اپنی عمل کا بھی یہی حال ہو۔ ہماری
معلومات اس کو بھی حیرت انگیز طریقہ پر ممکن الوقوع ثابت کرتی ہے۔

سائنس بتاتی ہے کہ ہمارے تمام اعمال خواہ اندھیرے میں
ہوں یا اُجالے میں، تنہائی میں اسکا ارتکاب ہو یا مجمع میں، سب کی
تصویریں فضا میں موجود ہے اور کسی وقت بھی ان کو جمع کر کے ہر
شخص کا پورا کارنامۂ حیات معلوم کیا جا سکتا ہے۔

جدید تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ ہر چیز اپنے
اندر سے مسلسل حرارت خارج کرتی ہے۔ یہ حرارت اس چیز کے
جسم سے اسطرح نکلتی ہے کہ بعینہ اس کا عکس ہوتی جس طرح
آواز کی لہریں اس مخصوص تھرتھراہٹ کا عکس ہوتی ہے، جو
کہ زبان سے نکلی تھی۔

چنانچہ ایسے کیمرے ایجاد کئے گئے ہیں جو کسی چیز سے
نکلی ہوئی حرارتی لہروں کو اخذ کر کے اس کا فوٹو تیار کرتے
ہیں، ایک حیرت انگیز دریافت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ

جس طرح فلم کے لئے ان کے اداکار کی تصویریں لی جاتی ہیں بالکل اسی طرح عالمی پیمانے پر ہر شخص کی زندگی فلمائی جا رہی ہے۔ اس طرح ایک روز ہر شخص کے کردار کی تصویر اس کے سامنے آسکتی ہے' اس کو دیکھ کر وہ پکار اٹھے گا مالھذا الکتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا یہ جیسا دفتر ہے جس نے میرا چھوٹا بڑا کوئی کام بھی درج کئے بغیر نہیں چھوڑا۔

ان تمام تجربات و مشاہدات سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ہر انسان کا مکمل طور پر نامۂ اعمال تیار کیا جاتا ہے تو اس صورت حال کی توجیہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ قیامت کے دن بارگاہ ذوالجلال میں ہر انسان کا جو مقدمہ پیش ہونے والا ہے۔ اس وقت شہادت پیش کرنے کیلئے یہ انتظام خود خالق کائنات کا بنایا ہوا ہے' (از علم جدید کا چیلنج)۔

قرآن و حدیث کے الفاظ قیامت کے دن پیش آنے والے احوال کی بار ہا تنبیہ کرتے رہے تھے' لیکن اس دور کے سائنسی تجربات و مشاہدات نے بھی زندگی بعد الموت اور اس وقت وقوع میں آنے والے حادثات و حالات کو ایک حد تک ممکن کر دکھایا ہے' کیا اس کے باوجود بھی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زندگی کے بعد موت نہیں ہے۔

خدا سے دعا ہے کہ آخرت میں ہمارا حشر انبیاء و علماء و صالحین کے ساتھ ہو۔ آمین

بجاہ سید المرسلین۔

بقیہ صفحہ ۷۵ اور آپس میں نزاع مت کرو' ورنہ تم میں کمزوری آجائیگی۔ تم پست ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ساکھ و دھاک جو چار دانگ عالم میں موجود ہے وہ جاتی رہے گی۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو اسوقت عرب کی یہ حالت تھی کہ فرد فرد کا قبیلہ قبیلہ کا' خطہ خطہ کا دشمن بن بیٹھا تھا۔ جب آپ اس دنیا میں آئے تو سب سے پہلے اس کا انسداد فرمایا جیسا کہ قرآن شاہد ہے اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا (ترجمہ) اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان جبکہ تم آپس میں دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں باہمی محبت پیدا کر دی تو اسطرح تم اس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔

وہ قوت جو آپس میں صرف ہو رہی تھی اس کو اکٹھا کر کے آپ سرور عالم نے اس کا رُخ دوسری جانب موڑ دیا جس کی وجہ سے وہ لوگ ہر جگہ کامیاب و فتحیاب ہوتے گئے۔ وہ دن اب بھی موجود ہے' اگر ہم چاہیں تو پھر دنیا کو ایک مرتبہ دور فاروقی کی جھلک دکھا سکتے ہیں' مگر شرط یہ ہے کہ مسلمان اپنے مقصد اصلی پر آجائیں ؎

آج بھی ہو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۱۲

كيف كان اشتياق الشهداء للحرب والضرب في المعركة

لفضيلة ... حسين الملاباري المتعلم بدار العلوم اللطيفية بويلور

بسم الله الرحمن الرحيم

يا أيها الذين آمنوا هل أدلكم على تجارة تنجيكم من عذاب أليم تؤمنون بالله ورسوله وتجاهدون في سبيل الله بأموالكم وأنفسكم ذلكم خير لكم إن كنتم تعلمون يغفر لكم ذنوبكم ويدخلكم جنات عدن ذلك الفوز العظيم وأخرى تحبونها نصر من الله وفتح قريب وبشر المؤمنين

باسم الذات العلية، وبحمد موارده سائغة هنية، وأصلي وأسلم على النور الموصوف بالتقدم والأولية واستمنا حالي رضوان الله وحبيبه ورضوان المجاهدين في سبيله مترقباً لذات المستجمع لصفات الكمالية وإذا أتت الرسائل من تلقاء الواحد القهار قالوا لبيك !!

تمهيد

إن الحاكم جل شانه خلق في قلب كل انسان اربعة اشياء محبوبة سواء كان صغيرا او كبيرا اميرا او فقيرا يحب هذه الاشياء طبعا من غير استثناء وهن البلد والمال والاولاد والنفس، اذا تدبرنا انسانا لا يحب وطنه لما وجدناه وهلم جرا اذا تدبرنا الذي لا يؤلف ماله، والذي لا يحب ولده والذي لا يؤثر نفسه على الجميع لن نجده ولكن المحبة بينها بالأولية او الأولوية، ويرفض في بعض الاحيان وطنه على المال ويذهب اقصى ممالك. وكذلك يفدي المال على محبة الاولاد وربما يقرب حب الاولاد على حب النفس هكذا [يذيله بعض الفوائد]

جهاد النفس افضل من الحرب لان النبي صلى الله عليه وسلم لما رجع من احدى غزواته قال "رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر اى جهاد النفس" هذا دليل على ان جهاد النفس ارقى من جهاد العدو، وما هو جهاد النفس؟ هو يحصل بترك الكسل وبترقيه شان الامة وبالسياحة

في الارض وبترك الشر وتهذيب النفس والمهذب نفسه مجاهد والعالم مجاهد۔ ولقد ورد ما معناه ان العالم مجاهد؟ هو ان مداد العلماء كدم الشهداء و لعمري لقد عظم امر العالم وفاق شهيد المعركة۔ العالم الذي يزرع العلم والبركة في نفوس الاف من الناس هو خير من الاف من الشهداء، هذا هو الجهاد ان كان فيهم اخلاص۔

الآية المتلوة في صدر الكلام ذكر فيها الله لنا تجارة ودلنا عليها وجعل تلك التجارة وسيلة للنجاة من عذاب اليم۔ ما هي تلك التجارة؟ هي ان نؤمن بالله ورسوله ونجاهد في سبيله باموالنا وانفسنا وضمن لنا بذالك امرين الجنة في الآخرة والنصر في الدنيا طلب منا امرين وضمن لنا الامرين طلب الايمان والجهاد وضمن الجنة في الآخرة والنصر في الدنيا اما الايمان فمعلوم۔

اما الجهاد فاعلم! يظن الجهال ان الجهاد انما هو حرب مع الكفار وحده كلا ..... ان الجهاد لا يختص بحرب العدو بل يشمل سائر الاعمال العامة وليس منحصرا في البدن والاموال بل يقال المجاهد لمن يطلب العلم اي الدين ومن كان يصلي ويحارب الشيطن بطريق معنوي ومن مات بوجع البطن و احتراق وغرق وبطاعون ومن ماتت بوضع الحمل هذا كله شهيد الآخرة فيغسلون ويصلي عليهم بخلاف من كان شهيد الدنيا والآخرة وهم من جاهدوا في سبيل الله لعلو دينه وقتل في المعركة وايضا هم الذين جاهدوا وبذلوا بانفسهم واموالهم وافاضوا دمائهم خالصا لوجهه الكريم الذين تركوا اوطانهم وازواجهم كلها لسلامة الدين من ايدي الكفار واعلاء كلمته وابقاء حرمتها۔

وما احوال الشهداء؟ كيف جاهدوا وكيف قتلوا وكيف شوقهم لضرب اعناق الكفار وجذبهم تذكروا عليا رضي الله عنه لما قاتل في غزوة غزيها وصال على احد واضطجع جرحه وقعد على صدره فبصق ذالك الرجل على وجهه رضي الله عنه فتركه ولم يقتله حال كون السيف مسلولا۔

وان حنظلة رضي الله تعالى كان فتى شكيلا وزهرة منظومة من الحسن الماجد الجهيد راسخ الايمان۔ وكان محبوبا في حيه لكل كانه لؤلؤ الذي لم يتكل۔ ينضح من عينيه بشوقه الشهادة شراب من كوثر۔ ومن حسن العفة والصدق كان وجهه مبيضا منورا وكان في قبيلته متمنى بالوف الاماني ولا يعلم هو الحيوة في حيوة هذا العالم الفاني وليس معيارا اماني العبد المؤمن في هذا العالم الفاني الا حب رسول الكونين ليس عنده شيء ما هو لذيذ من الايمان ولا يزال في هذه التصورات التي ليس

فی امواج حیاته تفریحٌ مّا - وبمحض فیض صحبة رسول الله صلی الله علیه وسلم بلغ تقدسه الرّوحانیّ الی نقطة العروج الذی هناك ینضج التاج لازهاره المقدسة -

یمضی ایام حنظلة رضی الله عنه فی احوال هذا اللّون والنّور المقدس وسبقت اعمارہ حتی تغشّتہ شمس الحسن والشباب الی حدّ نصف النّهار وبلغ اشدّہ واستوی التقت الام ما فی معدن منطقها من الدّرر الثّمینة فی فیه ذات یوم واظهرت امانیّ التّی ... قالت ای زهرة الامانی المفتوحة! تأتی کل یوم کثیرة من الخطبات من قبائل مقدسة فاذن لی حتی اقبل النّسبة المناسبة المسرورة - فاجاب الولد مقبّلاً قدمی أمّه یا امّ! تکفی لی فی حیوتی محبّة الاسلام لیس فی قلبی مکان خالٍ الذی القی فیه حبًّا آخر یا امّاه! دعینی فی هذه الدنیا الّتی تتمّ فیها مقاصد الدّنیا والاخرة لا تسوقنی ولا تحرّضی لاستیفاء عهد اخر هذا کافٍ لی - ومن یعلم؟ متی یصوّت منادی الرّسول؟ ولا بد للمجاهدین ان یضعوا علی منکبیه ثوبًا یکفن فیه - فقالت الام بلی ولکن یا بنیّ! وقرّة عینیّ! وکم من سنة مضت انّی منتظرة لان انظر الی شبابکم - خلصت مقاصدی المحبوبة من اشراقها فی تخطب اللّغو - وان رضیتم من فورکم هذا فی فصل الشّتاء الطموع المقدسة بوجه مّا فاذن لی لان التقط لکم وان اضع علی جبهتکم الوردة المنوّرة -

فقال الابن تواضعًا وتقبلًا وتضرّعًا لامر الله ورسوله الان لیس فی قلبی الانکار فبالرّأس والعین - وبایّ شیئ تقرّ عینا کم منّی اجازة - بعد قلیل من الایام اصطفیت قرابةٌ جلیلة عزیزة - وانتخبت لحنظلةً زوجةٌ عزیزة ودرّة یتیمة حتی کان فی اوّل لیلة من لیالیه المنوّرة معاشرًا مع درّته الیتیمة -

القلبان المضطربان تداخلان فی عالم جدید فی تلك اللیلة ولم ینظر ذلك الفتی الی فتاة اجنبیّة من قبل قطّ حتی کان هذه اللیلة اقبل وتصادم علی زهرة منوّرة زاهرة یشمّها فلمّا تطاولت اللّیلة مظلمة اذًا صوت خفیف من خلف الجدار فاستیقظ وانقطع شوق النّشاط واللذّة وقام وعاود السّمع فاذن یصوّت منادی الرّسول صلی الله علیه وسلم ان یقول ای عبد الله! یدعوك من لولاه لما تکوّنت الاکوان و لا تعیّنت الاعیان الذی سجدت له الاشجار وأتمر له القمر الی ان تصدر البیض حمرًا بعد ورودہ الی رأس کلّ عدوّ من اللّدم المسودّ ممتلاًّ - و ان تکتب بسمر الخطّ کلّ حرف جسم ولا ان ترجع الّا وانت منعجم فلمّا ان خطر فی قلبه انه مفارق من الوردة اللّتی تصادفها الیوم ولم تتمّ الشموم کاملًا فقال یا ایتها الزهرة المرجیه! بل الوردة المقدسة المنوّرة المقیمة غدًا فی ریاض الجنان

قد جاء الصوت من ھیجاء الحرب فاستأذنک لان ارزو انضم الی صف المجاھدین وان رجعت من معرکۃ الغزو بسلامۃ وعافیۃ لا قدم ولا کمل لیلتک کاملۃ والا ۔۔۔۔ ودم کبدی ان کان قد تلبس فی جذب الایمان الاقیک بیوم القیمۃ فی صف الشھداء انشاء اللہ تعالیٰ ۔

وبینما یقول اذ فاضت من عینیھا دموع وافرۃ فاذنت وقالت ای قرۃ عینی ! ھل اخرج معکم ؟ وان وجدت مکانا خالیا فی اخر صفکم فھو خیر لی نصیبا وتقدیراً فاجاب حنظلۃ رض بلفظین فقط اولیس ھذا کاف لک سرورا ۔ وانک اجزت لی ھذہ الاجازۃ مملوءۃ بابشارۃ والسرور فامنی انی لا اذھب الی معرکۃ الغزو بمحض حاجتی ولکنی اذھب مع امانیک فلما بلغ الی معرکۃ الغزو واستوت الصفوف مزینۃ واخذ یقاتل الکفار واجتھد علیھم وبصولتہ کان الناس کالفراش المبثوث ۔ اذا بلغ الی کبدہ سھم حتی کان الدم یسیل من عروقہ ومع ھذا قاتل الابطال حتی انطفاء الدم وسقط علی الارض ۔

وفی ھذہ اللمحات بلغ روحہ القدس الی عالم الارواح فلما زالت الشمس وھرب الکفار حصل للمسلمین فتح بین ۔ فلما انطفأ لظی الحرب واخذت الجرحاء وجمعت الشھداء وطفق یطلب الناس حنظلۃ رضی اللہ عنہ فلم یوجد فتحیرت الجنود ، و

العساکر فلما بلغ خبرہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال بعد لحظات یسیرۃ رافعا الی السماء بصرہ قد رفعتہ الملئکۃ الی عالم الارواح لیغسل بعد قلیل وقت ۔ جنازۃ حنظلہ رضی اللہ عنہ حاضرۃ والاشعار مبلولۃ ینضح من بدنہ ماء ممزوج بدم ۔ فلما استطرف اھل دارہ عن احوالہ فقالوا ھو عند الذھاب قد وجب علیہ الغسل ولم یمھلہ شوق الاضطراب للغسل ۔ فلھذا قد رفع فی عالم الارواح بأیدی الملئکۃ وبذلک سمی "غسیل الملئکۃ"۔

کذلک کانت الشھداء اخلاصھم ایمانھم وتصدقھم وشوقھم للحرب والضرب ۔ انظروا الی حنظلۃ رض انہ قد ذھب الی لظی الحرب وفی قلبہ امانی مستورۃ ومخفیۃ قد عاشر مع امرأتہ اول لیلۃ ولم ینظرھا کاملاً ولم یذق منھا قلیل لذۃ ۔ ولکن اللذۃ المعتدۃ لھم بفیضان الدم فی سبیلہ جل شانہ جعلنا اللہ من متبعیھم وتحت ظلھم فی المعشرۃ آمین ثم آمین والحمد للہ رب العالمین واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ۔

بقلم الحقیر فضل بن حسن المالابار

انسان کا مقصدِ تخلیق

از
حافظ محمد ابراہیم
آدہونی - زمرۂ رابعہ
متعلم دارالعلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اللہ تبارک تعالیٰ نے اس عظیم الشان کائنات کی تخلیق ایک مہتم بالشان مقصد کے تحت فرمائی ہے۔ کیونکہ ایک حکیم و دانا ذات سے بے مقصد چیز کی تخلیق محال و ناممکن ہے۔ یہ مشرق سے نکلتا ہوا سورج مغرب سے طلوع ہونے والا چاند اس آسمان پر پھیلے ہوئے ستارے، آسمان سے باتیں کرنے والے مہیب پہاڑ، زمین کو گھیرے ہوئے اتاہ سمندر یہ کہہ رہے ہیں کہ ہماری تخلیق کا ایک مقصد ہے۔

آئیے اب ہم اندازہ لگائیں کہ کس کی تخلیق کس مقصد کے تحت ہوی ہے اور کیوں؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام بزم آرائیاں ایک ایسی ذات کے استقبال میں ہوئیں جو مسجودِ ملائکہ بنا۔ اور جسکو سجدہ کرنے سے ابلیس نے انکار کر دیا۔ جس کی مخالفت ملائکہ مہیمن نے سختی سے کی۔ لیکن اللہ تبارک و تعالےٰ نے انہیں مسکت جواب دیتے ہوے خاتم و اشرف المخلوقات کو خلیفۃ اللہ فی الارض کا پیراہ دیکر وجود بخشا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اسکی مقصد تخلیق کو بھی واضح کر دیا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ؀

(ترجمہ) ہم نے جن وانس کو عبادت کے لئے پیدا فرمایا۔ آئیے ذرا جائزہ لیں کہ ہم اپنی مقصد تخلیق میں کہاں تک کوشاں ہیں اور اسکے ساتھ ہی ساتھ اس بات کو بھی جان لیں کہ وہ ایسی کیا خوبی تھی کہ جس کی وجہ سے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو ہر جگہ کامیابی و فیروزمندی نے آگے بڑھکر ان کا خیر مقدم کیا۔ تو وجہ اظہر من الشمس ہے کہ مقصد تخلیق کی اہمیت ان لوگوں کے نزدیک اتنی تھی کہ وہ لوگ اپنی جان کو قربان کر دینا گوارہ کرتے تھے، لیکن اپنی مقصد تخلیق کو ہاتھوں سے نہ جانے دیتے تھے۔

دیکھیئے سب سے پہلے اللہ تبارک و تعٰ ہمیں کس چیز کا حکم دیتا ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ۔ (ترجمہ) قائم کرو تم نماز کو اور دو تم زکواۃ کو۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ خیر القرون کے مسلمان کہاں تک اس کو اپنائے ہوے تھے۔ چنانچہ چند واقعات بطور ہدیہ ناظرین کے پیش کر رہا ہوں ؎

گر قبول افتد زہے عز و شرف

نماز ۲۶؁ھ کا واقعہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زینت آرائے مسند خلافت تھے۔ دربار خلافت سے فتح افریقیہ کا فرمان صادر ہوا اور یہ فرمان عبداللہ بن سرح کے نام تھا جو حاکم مصر تھے۔ فداکاران اسلام کے لئے اس سے بڑھکر مژدہ جانفزا و جانبخش اور کیا ہوسکتا تھا، جنہوں نے اپنی

زندگی اعلائے کلمۃ الحق کے لئے وقف کر دی تھی۔ اور راہِ حق میں جان کی بازی لگا دینا فدا کاران اسلام کا ایک دنیٰ کھیل تھا۔

چنانچہ فرمان خلافت دستیاب ہوناہی تھا عالم وقت عبداللہ ابن سراج نے مہم افریقہ کی تیاری کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ جونہی مجاہدین نے حاکم وقت کا یہ حکم سنا تو نہایت جوش وخروش کے ساتھ جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ اور بہت ہی قلیل مدت میں دس ہزار سرفروشان اسلام جہاد افریقہ کے لئے تیار ہو گئے اور چند ہی دنوں میں افریقہ پہنچ گئے۔ اس کے بعد دونوں فریقوں میں جنگ بڑی گھمسان کی چھڑ گئی۔ دن کسی طرح ڈھل گیا کسی کو علم نہ تھا۔ اچانک عبداللہ بن سراج کی نظر آسمان کی جانب اٹھی تو وہ دیکھتے ہیں کہ عین ظہر کا وقت ہے۔ اسی وقت پچاس مسلمانوں کو اذان دینے کا حکم دیا جب پچاس مسلمانوں نے مل کر اذان دی اور جب مسلمانوں نے اذان سنی تو ان کا جوش اور بھی بڑھ گیا اور بڑے شد ومد سے جنگ کرنے لگے۔ جب ہنگامہ دار وگیر بلند تھا تو عبداللہ تقریباً نصف لشکر لے کر پیچھے ہٹے اور نماز کی تیاری کرنے لگے۔ انہوں نے بلند آواز سے کہا "مسلمانو! نماز ایک ایسا فریضہ ہے جس کی معافی ہوش وحواس کی حالت میں بالکل نہیں ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا حکم ہے فان خفتم فرجالا او رکبانا "پس اگر لڑائی کا خوف ہے" تو پیدل یا سواری پر نماز ادا کرو" اے اسلام کے شیدائیو نماز ہرگز مت چھوڑنا کیونکہ انسان نماز میں اپنے خدا سے ہمکلام ہوتا ہے۔ مسلمان وہی ہے جو نماز پڑھتا ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے فرضوں کی نیت باندھ لی اور نماز پڑھ کر جلد گھوڑوں پر سوار ہو کر میدان جنگ میں پہنچ کر الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہہ کر پکارنے لگے۔ اس آواز کو سنتے ہی وہ مسلمان جو لڑ رہے تھے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے اور جو لوگ نماز پڑھ کر آئے وہ لوگ آگے بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے اس طرح سے وہ آدھا لشکر جواب تک پیچھے ہٹا اور جلدی سے نماز پڑھا۔ پھر نماز پڑھکر یہ لوگ بھی جلدی سے اٹھے اور اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر پھر میدان جنگ میں جا پہنچے۔ پھر خونریز جنگ شروع ہو گئی۔ الغرض مسلمانوں نے افریقہ فتح کر لیا اور پرچم اسلام سرزمین افریقہ میں نصب کیا۔

(ماخوذ از افریقہ کی دلہن)

دیکھئے شاعر اس واقعہ کی نوعیت کو کتنے لطیف پیرایہ میں پیش کر رہا ہے ؎

نہ مسجد میں نہ کعبے میں نہ بیت اللہ کے دیواروں کے سایہ میں
نماز عشق ادا ہوتی تھی تلواروں کے سایہ میں

اس واقعہ کے پڑھنے کے بعد ناظرین کو اس بات کا شبہ ہو سکتا ہے کہ ایسے نازک وقت میں جبکہ تلواریں بجلی کی طرح کوندرہی تھیں اور ایک ایک کے سروتن کا فیصلہ کر رہی تھیں اور گھنٹہ نقارۂ اجل بجا رہی تھی تو ان میں خشوع وخضوع کہاں باقی رہے گا تو ایسی نماز کے پڑھنے سے ان کا نہ پڑھنا بہتر تھا۔ تو ہمارا ان کو اس طرح کہنا ایک بیکار اور مہمل سی بات ہوگی کیونکہ عبارت میں جو چیز مخل ہونے والی ہے وہ ہے شیطان۔ ہماری حالت یہ ہے کہ جب ہم عبادت کرتے ہیں تو وہ آکر ہم کو بہکانے لگتا ہے اور ہم اس ملعون کے فریب کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن ایک وہ بھی مسلمان تھے جن کو شیطان آکر عبادت کے لئے اٹھاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ آرام فرما رہے تھے، شیطان آکر آپ کو
اس طرح سُلادیا کہ آپ کی نماز کا وقت فوت ہوگیا۔ جس کی وجہ سے
آپ اتنا روئے کہ آپ کا یہ رونا بارگاہ کبریائی میں مقبول ہو
گیا اور آپ کو بشارت دی گئی کہ اے حسن بصری رح ہم آپ کے ایک
ایک آنسو کے قطرے کے عوض میں ستر ہزار رکعت کا ثواب دے رہے
ہیں۔ جب یہ بات شیطان کو معلوم ہوئی تو بہت شرمندہ ہوا کہ میری
تدبیر کارگر ثابت نہیں ہوئی۔ چنانچہ دوسرے دن آکر آپ کے
اٹھنے سے پیشتر آپ کو نماز کے لئے بیدار کیا تو آپ نے فرمایا، تم
کون ہو تو شیطان نے جواب دیا میں شیطان ہوں۔ جب آپ
شیطان کا نام سنتے تو متعجب ہوکر پوچھے کہ تیرا کام تو عبادت
کرنے والوں کو گمراہ کرنا ہے مگر تو مجھے آکر اٹھا رہا ہے تو بتا، کیا
ماجرا ہے۔ تو شیطان نے کہا کل میں آکر آپ کی نماز کا وقت فوت
کیا تھا اس کی وجہ سے آپ اتنا روئے کہ آپ کو جتنا ثواب کہ
نماز کے پڑھنے سے ملتا تھا اس سے کہیں زیادہ آپ کے رونے
سے ملا تو مناسب سمجھا کہ اگر کچھ نہ ہو سکا تو یہی آپ کی ترقی
کی راہیں تو مسدود کر دوں، لہذا اسی غرض سے چلا آیا ہوں۔

ناظرین! ذرا غور فرمائیں اور دیکھیں کہ اصل چیز جو عبادت کے
درمیان حائل ہوتی ہے، جب وہی چیز ان کی مطیع و فرماں بردار ہوگئی
ہے تو بتائیے اور وہ کونسی چیز ہے جو ان کو اس سے روگرداں کرا
سکے۔ لہذا ہمارا ان کے حق میں اسطرح کہنا سراسر غلط اور بے بنیاد سی
بات ہے۔

اسی کی مصداق ایک دو واقعہ ہے، امید ہے کہ اس سے آپ کے
شکوک دور ہو جائینگے۔ ایکمرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ
کے پیر میں ہڈی چبھ گئی تھی۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین
نے اس کو نکالنا چاہا تو آپ درد کو برداشت نہ کرکے پیر کو ہٹا لیتے
تھے۔ ایکدن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو یہ مشورہ دیا، کہ
جب حضرت علی رضی اللہ عنہ، نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو جائیں تو اس
وقت یہ ہڈی نکالی جائے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے ایسا ہی کیا۔ جب
آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور جب سجدہ کرنے کے لئے سجدہ
میں چلے گئے تو آپ کے پیر سے ہڈی نکالی گئی۔ مگر آپ کو اس کی
مطلق خبر نہ تھی۔ یہ رہی ان لوگوں کی نماز، جب نماز پڑھتے تھے، تو
وہ اس میں اس طرح محو و مستغرق ہو جاتے تھے کہ دیکھنے والا اگر
دیکھے تو کہے یہ تو دنیا و ما فیہا سے بے خبر ہے۔ اس واقعہ کے پڑھنے
کے بعد کسی کو یہ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہے گی کہ ان لوگوں میں
خشوع و خضوع نہیں رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ زندگی کے
ہر میدان میں کامیاب و کامران ہو کر نکلے۔

صرف گنتی کے چند مسلمانوں نے لاکھوں کی فوج اور بڑے
بڑے سورماؤں کو زیر و زبر کر ڈالا۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے
کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ
واللہ مع الصابرین۔ تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات آج بھی موجود ہیں،
کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ اسلام کی سب سے پہلی جنگ جو بدر کے
نام سے موسوم ہے اسی کو لیجئے، اس میں صرف گنتی کے چند مسلمان تھے
جن کی کافروں کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں تھی۔ کفار تو یہ سمجھتے رہے
کہ ہم آج مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینگے۔ مگر جب جنگ شروع ہوئی
تو مسلمانوں نے کفار کو بے دریغ قتل کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ انہیں
بُری طرح شکست دیا اور بہت سے ایسے واقعات موجود ہیں، مثلاً

طارق بن زیاد جو اسپین میں پرچم اسلام کو نصب کر دیا اور اسی طرح
سلطان صلاح الدین ایوبی وغیرہم کے واقعات سے تاریخ بھرپور ہے۔
ذرا غور کر کے دیکھئے کہ یہ سب چیزیں انہیں کیسے نصیب ہوئیں۔ تو بات
نصف النہار کے مانند واضح ہو جاتی ہے۔ ان کا کوئی فعل ایسا نہیں
ہوتا تھا جو ان کی مقصد تخلیق کے خلاف ہو۔ ان واقعات کے پڑھنے
کے بعد وہ اوصاف کہ جن کو وہ اپنائے ہوئے تھے (یعنی قرآن و
سنت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم) جب ہم اپنی حالت پر نظر کرتے ہیں تو
ہم میں اس کا کچھ شائبہ بھی نظر نہیں آتا۔ تو عوام الناس ہی اس بات
کا فیصلہ کریں کہ جب ہم اسے یاد نہیں کرتے تو وہ ہمیں کیسے یاد کریگا۔
اس کا تو فرمان ہے ادعونی استجب لکم (ترجمہ) بلاؤ تم مجھ کو
جواب دوں گا میں تم کو۔ جب ہم اس کے فرمان سے روگردانی کی
تو وہ بھی ہم سے منہ موڑ لیا جسکی وجہ سے اب ہمارا پرسان حال کوئی
نہیں رہا۔ اور آج ہم گوناگوں مصائب و آلام میں گرفتار ہوتے چلے جا
رہے ہیں۔ کسی شاعر نے اس منظر کی عکاسی کس انداز میں پیش کی ہے۔
ملاحظہ ہو۔ اگر مسلمان حقیقت میں اس کو سمجھ لیں تو یہی شعر ان کے
لئے شمع ہدایت بن سکتا ہے ؎

دیکھ رفتارِ جہاں جلد بدل اے مسلم
اپنے افعال و خیالات بدل اے مسلم

زکوٰۃ

آیئے اب ہم آیت کریمہ کے دوسرے حصے پر کچھ نظر
کریں (یعنی وآتوا الزکوٰۃ) جس کے معنی آتے ہیں
دو تم زکوٰۃ کو۔ دیکھیئے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے دل کو کہ اکثر
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام سے مخاطب ہو کر صدقہ و خیرات
وغیرہ کے متعلق پند و نصیحت فرما رہے تھے۔ اسی اثنا میں حضرت
ابو طلحہؓ نے فرمایا یا رسول اللہ دنیا میں میری سب سے محبوب چیز
میرا باغ ہے، میں چاہتا ہوں کہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دوں، تو
اس وقت آنحضورؐ نے حضرت ابو طلحہؓ کو دیکھ کر لب کشائی کی اور
فرمایا کہ تم اس کو اپنے قرابت داروں میں تقسیم کر دو۔ چنانچہ آپ نے
ایسا ہی کیا۔ یہ باغ حضرت ابو طلحہؓ کو محبوب ہونے کی وجہ یہ تھی، کہ
اس میں آنحضورؐ ہر روز آتے تھے اور اس میں سے کچھ کھجور توڑ کر تناول
فرماتے تھے۔ اور اس میں ایک کنواں بھی تھا جس میں سے آپؐ
پانی پیتے تھے اور اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی
ایک واقعہ ہے، وہ یہ کہ جنگ خیبر کے بعد مال غنیمت میں آپ کو
ایک زرخیز زمین ملی تھی۔ آپؓ نے بھی اس کو اللہ کی راہ میں خرچ
کر دیا۔ واقعات میں سب سے اہم اور قابل درجہ واقعہ حضرت ابوبکر
صدیق رضؓ کا ہے جو ناظرین کے لئے ایک مشعل راہ کا کام دیتا
ہے، جو درج ذیل ہے :-

شمع رسالت کی زبان تقدس سے صدقہ وخیرات کے
متعلق یہ کلمات جاری ہوئے اے لوگو! اللہ کی راہ میں کچھ خرچ
کرو، جب یہ بات یار غار کے گوش گذار ہوئی تو گھر کا تمام مال جو
کچھ کہ اپنے پاس رکھتے تھے فی سبیل اللہ خرچ کر ڈالا یہاں تک کہ
اپنے پہنے ہوئے کپڑے بھی اللہ کی راہ میں دیدیا اور اپنے گھر میں خلوت
گزینی اختیار کی۔ ایک دن دو دن بارگاہ نبوی میں آپ کی حاضری
نہیں ہوئی تھی جس کی وجہ سے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت
تشویش ہوئی، اور آپ کی عدم موجودگی کے متعلق دوسرے
صحابۂ کرام سے حقیقت حال دریافت فرمایا تو صحابۂ کرام نے
حقیقت حال سے آگاہ فرمایا۔ جونہی آپ نے یہ خبر سنی تو فوراً اپنی

لختِ جگر اور حبیبی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے، اور دریافت فرمایا کہ اے لختِ جگر کیا تمہارے پاس کوئی کپڑا ہے، جو حضرت ابابکر کے بدن کو ڈھانپ سکے۔ تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اے میرے اباّ میرے پاس کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جو حضرت ابوبکر رضؓ کے بدن کو ڈھانک سکے۔ تو نبی کریمؐ نے اپنی بیٹی کے اس جواب کو سُن کر بڑی مایوسی سے لوٹ رہے تھے اور حضرت فاطمہ رضؓ نے دیکھا کہ آج تک میرے اباّ میرے گھر سے اس طرح نہیں لوٹے تھے، جو آج لوٹ رہے ہیں تو فوراً اپنی باندی کے ذریعہ یہ کہلا بھیجا کہ میرے پاس ایک چمڑے کا ٹکڑا ہے اور ایک عبا کا ٹکڑا ہے اس میں سے جو چاہیں آپ لے لیں۔ تو آپ نے اس میں سے عبا کا ٹکڑا لے لیا اور حضرت ابوبکر صدیق کو دے بھیجا۔ حضرت ابوبکرؓ اس کپڑے کو لیکر پہن لئے اور اس کو بٹن یعنی گنڈی کے بجائے ببول کے کانٹے لیکر لگائے، اور اسی لباس سے بارگاہِ نبوی میں حاضرِ خدمت ہوئے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ آپ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے، تو اسی لباس میں حضرت جبرئیل امین آکر نبی کریمؐ کی خدمت میں بیٹھ گئے تو آنحضورؐ نے متعجب ہو کر حضرت جبرئیلؑ سے دریافت فرمایا یہ آپ کا کیا لباس ہے تو جبرئیلؑ نے فرمایا یہ صرف میرا لباس ہی نہیں ہے بلکہ آج آسمان کے تمام فرشتوں کا لباس یہی ہے، جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضؓ کا ہے۔ اب جو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، وہ اس غرض سے کہ اللہ نے حضرت ابوبکرؓ پر سلام بھیجا ہے۔ اس بات کو سن کر آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو سنایا تو ابوبکر نے فرطِ انبساط کے عالم میں اس طرح چلنے لگے کہ ان کی یہ چال از روئے شرع خلاف سمجھی جاتی تھی، صحابۂ کرام نے ان کی یہ چال دیکھ کر آپؐ سے دریافت فرمایا۔ آج ابوبکر صدیق اس طرح چلتے ہیں، تو آپؐ نے جواب دیا کہ آج ان کو اس طرح چلنا چاہیئے کیونکہ آج ان سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ہے۔ یہ تھا عاشقانِ رسولِ خدا کا جذبۂ صادق کہ بات پورے طور سے نہ نکلنے پائی تھی کہ تعمیل ہو جاتی تھی۔ جب ہم زمانۂ موجودہ پر نظر کرتے ہیں تو کہیں ڈھونڈھنے پر بھی یہ چیز نظر نہیں آتی۔ حتیٰ کہ جب زکوٰۃ دینے کا وقت آتا ہے تو کسی نہ کسی حیلہ سے نجات پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر دنیا کے تمام مسلمان صحیح معنوں میں زکوٰۃ نکالیں تو ہم کو کہیں تلاش کرنے پر بھی ایک قلاش و نادار نہیں ملیگا۔ تو ہم کو چاہیئے کہ پھر سے ہم ایسے اوصاف اپنے اندر اختیار کریں جن سے ہماری دین و دنیا دونوں سنور جائے۔

یہ تمام برائیاں جو ہم میں سرایت کر گئی ہیں اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ ہم نے قرآن اور سنت نبویؐ کے احکام کو فراموش کر ڈالا۔ جو ہمارا مقصدِ اصلی ہے جسکے سبب میں ہم ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ اسی حقیقت کو کسی شاعر نے کس انداز میں پیش کیا ہے ملاحظہ ہو:

سہ درسِ قرآں، نہ اگر ہم نے بھلایا ہوتا
یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا
چاٹ لی ہم نے کتبِ فلسفہ و انگلش کی
ہاتھ بھولے سے بھی قرآں کو لگایا ہوتا

اتفاق

اور ہماری ہلاکت و بربادی کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ جبکو اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے کلام میں یوں ارشاد فرماتا ہے واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین اے لوگو! تم اللہ و رسولؐ کی اطاعت کرو

بقیہ بر صفحہ ۶۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غزل خسرو

پیشکش
از جناب شیخ عبدالرحیم صاحب
کامی دہلوی
تحصیلدار

اے چہرۂ زیبائے تو، رشکِ بتانِ آذری
ہر چند وصفت می کنم در حسن زاں زیباتری

تو از پری چابک تری، وز برگِ گل نازک تری
وز ہر چہ گویم برتری، حقّا عجائب دلبری

ہرگز نیاید در نظر صورت ز رویت خوب تر
شمسے ندانم یا قمر فرزندِ آدم، یا پری

آفاقہا گردیدہ ام مہرِ بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام امّا تو چیزے دیگری

عالم ہمہ یغمائے تو، خلق و جہاں شیدائے تو
ایں نرگسِ رعنائے تو، آوردہ رسم کافری

من تو شدم، تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں، من دیگرم، تو دیگری

خسرو غریب است و گدا افتادہ در شہرِ شما
باید کہ از بہرِ خدا سوئے غریباں بنگری

تلواروں کے نیچے بھی اعلانِ حق

از
مصطفیٰ کمال پاشاہ جام الجگر
زمرۂ رابعہ متعلم دار العلوم اللطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور

آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بے باکی،
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

تاریخ شاہد ہے کہ اسلام نے ایسے بے شمار حق گو بزرگ پیدا کئے ہیں جنہوں نے حق وصداقت کی آواز بلند کرنے میں نہ کبھی کسی تلوار کی پرواہ کی ہے اور نہ حکمرانوں کی۔ یقیناً سچا مسلمان وہ ہے جو حق بات کہنے میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے بھی کبھی مرعوب ہو۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا کردار یہی تھا کہ وہ اعلائے کلمۃ الحق کے معاملہ میں حکمرانوں کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے اور ہمیشہ حق گوئی و بے باکی سے کام لیا کرتے تھے اور یہی وجہ تھی جو چند تعداد میں ہونے کے باوجود ہزاروں کی تعداد پر غالب آیا کرتے تھے، اور باطل کے آگے کبھی بھی اپنا سر جھکانا منظور نہیں کیا۔ اسلامی تاریخ مسلم جاں بازوں اور سرفروشوں کی داستانوں سے بھری پڑی ہے۔ اسلام کو اس بات پر فخر ہے کہ اس نے ایسے ایسے جانباز پیدا کئے ہیں جن کی مثال تاریخ عالم میں مفقود ہے۔

مسلمانوں میں حق گوئی اور حق پسندی کا جذبہ اتنا عام تھا کہ یہ شاہ و گدا خاص و عام سب ہی کی زندگی میں کارفرما نظر آتا تھا اور اس کی بدولت مسلم معاشرہ، جرأت مندی بے باکی اور عدل وانصاف جیسی اعلیٰ انسانی قدروں کا حامل بن گیا تھا۔ چنانچہ ذیل کے مضمون میں مسلمانوں کی جرأت ایمانی کے چند واقعات پیش کر رہا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

حجاج بن یوسف کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بڑا ظالم و جابر بادشاہ گذرا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے خانۂ کعبہ پر بھی سنگباری کرنے سے احتراز نہیں کیا۔ لوگ اس کے نام سے کانپتے تھے۔ ایک دن یہ تقریر کر رہا تھا۔ تقریر کرتے کرتے یہاں تک کہ مغرب کی نماز کا بھی وقت آگیا۔ اسی مجلس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی موجود تھے۔ آپ نے فرمایا اے شخص نماز کا وقت آگیا ہے۔ اب خاموش ہوجا اور اس کے بعد جو جی میں آئے بکنا۔ مگر وہ بدستور تقریر جاری رکھا۔ آپ نے ان الفاظ کا تین مرتبہ اعادہ کیا لیکن وہ ظالم اپنی تقریر جاری رکھا۔ چوتھی مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا اے لوگو! خدا اور شریعت اسلامیہ کے مقابلہ میں حاکم کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور نہ وہ کچھ حقیقت رکھتا ہے۔ اس لئے میں تم لوگوں سے کہتا ہوں کہ میں جیسا ہی مجلس سے کھڑا ہو جاؤں تم بھی فوراً میرے ساتھ کھڑے ہو جاؤ، یہ کہتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کھڑے ہو گئے۔ آپ کے کھڑے ہوتے ہی سب لوگ کھڑے ہو گئے اور حجاج دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حجاج کی طرف مخاطب ہو کر کہا معلوم ہوتا ہے کہ تجھے نماز کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ شاید آخرت کا خوف تیرے دل سے نکل چکا ہے۔ یہ سن کر حجاج مارے شرم کے

خاموش ہو گیا۔ اور آخر کار مجمع کے ساتھ ہی اس نے بھی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد اس نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو طلب کیا۔ اور دریافت کرنے لگا کہ آپ نے مجھے بھرے مجمع میں سب کے سامنے ذلیل و شرمندہ کیوں کیا، آپ نے فرمایا میں نے تمہیں شرمندہ و ذلیل نہیں کیا۔ بلکہ اپنا فرض انجام دیا۔ یاد رکھو نماز ہم تمام پہ فرض ہے اور میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ جب نماز کا وقت آجائے تو اپنی ہر ضرورت کو چھوڑ کر نماز پڑھ لیا کر۔ نماز کے بعد جو جی میں آئے بکا کر۔ اس وقت تو حجاج خاموش ہو گیا لیکن اس نے یہ قصد کر لیا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اپنی اس ذلت کا انتقام ضرور بضرور لے گا۔ اور ہمیشہ اس ہی تاک میں لگ گیا۔

آخر کار حجاج کے ہی حکم سے ایک بدمعاش نے ایام حج کی بھیڑ بھاڑ میں ایک زہریلا نیزہ آپکے پائے مبارک میں دھنسا دیا اور آپ اس زہر آلود نیزہ کے زخم کی شدت کی وجہ سے جانبر نہ ہو سکے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جینا انہیں کا جینا، مرنا انہیں کا مرنا
اک بانکپن سے جینا، اک بانکپن سے مرنا

خلفائے بنی اُمیہ کے دور میں خالد بن صفوان، ایک باعمل بزرگ گزرے ہیں۔ وہ کبھی بادشاہوں کے پاس نہیں جاتے تھے۔ اگر کبھی جاتے بھی تو ان کی کمزوریاں جتلانے کے لئے۔ ایکدن آپ خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے پاس گئے۔ ہشام نے خالد بن صفوان سے کہا کہ مجھے کوئی اچھی بات سنائیے۔ آپنے فرمایا میں تمہیں ایک نہایت ہی دلچسپ واقعہ سناتا ہوں۔ دورِ گذشتہ میں ایک بادشاہ تھا۔ اس نے ایکمرتبہ اپنے بڑے بڑے عالی شان محلوں کی طرف اشارہ کر کے اپنے مصاحبوں سے پوچھا یہ کس کے محل ہیں، مصاحب بول اٹھے جہاں پناہ آپ کے، اس کے بعد فوج کی طرف اشارہ کر کے پوچھا بتاؤ، اس فوج کا مالک کون ہے؟ مصاحبین نے کہا حضور آپکے سوا اور کس کو ایسی فوج میسر آسکتی ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے اپنے خزانے کی طرف اشارہ کیا اور کہا بتاؤ یہ خزانہ کا مالک کون ہے؟ تو مصاحبین نے عرض کیا حضور! یہ خزانہ آپ کے سوا کس کا ہو سکتا ہے۔ انہیں لوگوں میں ایک حق پرست بوڑھا بھی موجود تھا۔ اس نے کہا یہ اس سے پہلے آپ کا نہیں تھا۔ بلکہ آپکے باپ دادا کا تھا۔ باپکے انتقال کے بعد یہ سب کچھ جو ملا ہے آپ کو میراث میں ملا ہے، اسی طرح آپکے انتقال کے بعد بھی یہ سارا مال آپ کی اولاد کو مل جائے گا۔ جس طرح پہلے کے لوگ اپنے ساتھ کچھ بھی نہیں لے جاسکے اسی طرح آپ بھی اس میں سے کچھ بھی نہیں لے جاسکیں گے۔ اے بادشاہ یاد رکھ آج تو اس کو اپنا سمجھ رہا ہے اور اُس دن کو بھی نہ بھول جبکہ تیرا وارث تجھے خاک میں ملا کر تیرے مال پہ قابض ہو جائے گا۔

سچ تو یہ ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ بھی ہے اس میں ایک ذرہ برابر بھی اس پر تیرا حق نہیں۔ بس اپنے ساتھ وہی لے جائیگا جو دنیا میں کیا تھا اور یہی چیز تیرا ساتھ دے گی۔ اور یہی تیرا مال بھی ہے۔ اس قصہ کا اثر خلیفہ ہشام پہ اس طرح اثر کر گیا کہ یہ اسکی زندگی میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور آخر کار اس نے اپنا

سارا خزانہ مخلوقِ خدا کے لئے وقف کر دیا۔

ابومسلم خراسانی کا ظلم اس انتہا کو پہنچ چکا تھا کہ کسی کی کیا مجال تھی کہ کوئی اس کے خلاف کچھ کہے اور یہ اپنی دولت کے نشہ میں بنی اُمیہ کے طرف داروں کو جو بے گناہ اور معصوم تھے، قتل کرا رہا تھا۔ اس زمانے میں ایک مشہور بزرگ تھے جن کا نام تھا ابراہیم بن ماموں۔ یہ اس ظالم کے اس جور و ستم کو دیکھ کر اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکے۔ اسی حالت میں ابومسلم کے پاس آئے اور کہا اے ظالم آخر ظلم کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے۔ اس فانی دولت کے لئے آخرت کا وبال کیوں مول لے رہا ہے۔ دیکھ اچھا نہیں، اس حرکت سے باز آجا۔ ابومسلم جو کہ تکبّر و گھمنڈ کا پتلہ تھا اس میں یہ سکت کہاں تھی کہ وہ اس قسم کے جملے سن کر برداشت کر سکے۔ فوراً حکم دیا کہ ابراہیم بن میمون کو قید کر لیا جائے۔ ابراہیم بن میمون کو جوں ہی قید کرنا تھا اس قدر ہنگامہ برپا ہو گیا کہ ابومسلم کو مجبوراً فوراً رہا کرنا پڑا۔ رہائی کے بعد آپ نے پھر ابومسلم کے پاس آئے اور کہا دیکھ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں، کہ تو ظلم سے باز آجا ورنہ اس کا انجام تیرے لئے بُرا ثابت ہوگا۔ ابومسلم اس وقت تو خاموش ہو گیا۔ مگر چند دن کے بعد آپ کو گرفتار کر کے قید خانہ ہی میں شہید کرا دیا۔ گویا آپ حق و صداقت پر اس طرح شہید ہوئے۔ آپ کی شہادت کی خبر جب حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی تو آپ بہت روئے اور افسوس ظاہر کیا۔ اور کہا صد افسوس کہ آج ایک سچا حق پرست اس دنیا سے اُٹھ گیا۔ لیکن یہ بات قابلِ یاد داشت ہے، کہ جس طرح ابومسلم نے مخلوقِ خدا کو قتل کروایا تھا اسی طرح وہ بھی بڑی بے دردی سے قتل ہوا۔ قدرت کا انتقام بھی بڑا سخت ہوتا ہے۔

منصور عباسی چاہتا تھا کہ حضرت امام اعظمؒ جو ایک ایسے بزرگ تھے کہ وہ سرکاری معاملات سے گریز کیا کرتے تھے۔ آپ کو سرکاری معاملات میں جکڑ لینے کی غرض سے اس نے حضرت امام ابوحنیفہ کو اپنے دربار میں طلب کیا اور بڑے فخر سے کہا کہ میں نے تمہیں قاضی کا عہدہ منتخب کیا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے جواب میں فرمایا کہ جس حکومت کا بادشاہ خود منصف نہ ہو تو اس حکومت کا قاضی رعایا کے ساتھ کیا خاک انصاف کر سکتا ہے۔ جس طرح کہ حضرت سعدی رح کا ایک مشہور مقولہ ہے

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

میں قاضی کا عہدہ ہرگز قبول نہیں کر سکتا۔ اور نہ میں خود اس عہدے کے لائق ہوں۔ آپ کے اس جواب کو سن کر منصور طیش میں آگیا اور کہا تم بکتے جھوٹے ہو۔ حضرت امام ابوحنیفہ نے کہا اگر میں جھوٹا ہوں تو اس عہدے کیلئے یقینی نا اہل ہوں، کیونکہ اسلامی شریعت کے حکم کے مطابق جھوٹا شخص تو قاضی ہو نہیں سکتا۔ آپ کے اس جواب نے منصور کو اور اُبھار دیا۔ وہ ضد کرتا رہا۔ اور اس نے کہا واللہ میں تمہیں یہ عہدہ دیکر ہی رہونگا۔ اور تم اس کو ماننا ہی پڑیگا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذکورہ دلیرانہ جوابات پر سارا دربار انگشت بدنداں ہو گیا۔ منصور کو اس کے غصّہ نے دیوانہ بنا دیا تھا اور آخر کار اس نے زبردستی یہ عہدہ امام صاحب کو دے دیا۔ لیکن پھر بھی آپ نے قطعاً کام نہیں کیا۔ آخر منصور نے آپ کو قید کر دیا تھا۔ دیکھئے یہ تھا حق گو

بزرگوں کا کردار۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ ایک مرتبہ اس دور کے ایک عباسی نامی خلیفہ نے آپ کے دربار اقدس میں ایک سکوں کے تھیلی کے حاضر ہوا اور بطور عقیدت اس نذرانے کو پیش کیا۔ لیکن معلوم نہیں کس وجہ سے شیخ کو خلیفہ کا یہ اظہارِ عقیدت قابل قبول نہ ہو سکا۔ آپ نے غصہ کی حالت میں اس تھیلی کو نچوڑا تو اس سے خون بہنے لگا اور فرمایا کیا تم مجھے غریب عوام کا خون پلانا چاہتے ہو۔ واللہ سچ کہتا ہوں اگر خوفِ خدا نہ ہوتا تو میں تمہارے سارے محل کو خون میں ڈبو دیتا۔ خلیفہ کو شیخ کی اس گفتگو نے خاموش کر دیا یہاں تک کہ لب کشائی کی جرأت تک نہ ہو سکی۔

یزید بن عبدالملک نے عمر بن حبیرہ کو خراسان کا گورنر منتخب کیا۔ ایک دن اس نے حضرت حسن بصری رح کو اپنے دربار میں آنے کی اجازت دی اور کہا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے تو آپ نے فرمایا یاد رکھ کہ یزید کے معاملہ میں تو خدا سے ڈر، کیونکہ معلوم نہیں کہ یزید کا انجام کیا ہونے والا ہے لیکن یزید سے خدا کے معاملہ میں ہرگز خوف نہ کھا اور ہر وقت حق کا ساتھ دیتے رہو۔ یہی تمہارا فرض ہے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ خلیفہ منصور عباسی نے حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی۔ آپ کے آتے ہی بڑے اعزاز و اکرام و عقیدت مندی سے مسندِ شاہی پر تشریف رکھنے کو کہا اور فرمایا آج جو مانگنا چاہتے ہو مانگو، میں دینے کے لئے تیار ہوں۔ یہ سن کر حضرت امام جعفرؓ نے فرمایا میری خواہش یہی ہے اور میں یہی چاہتا ہوں کہ پھر مجھے برائے مہربانی کبھی بھی یاد نہ کیا جائے اور اٹھ کر چلے گئے۔

خلیفہ ہشام بن عبدالمالک ایک دن سیر کے ارادے سے ایک بہت ہی خوبصورت اور نہایت ہی خوشنما مقام پر گئے اور اس جگہ کی خوبصورتی اور دلکشی نے اس کو دلپذیر اور متاثر کر دیا۔ اور بلا شبہ کہنے لگے کہ میں بڑا ہی خوش قسمت اور خوش نصیب ہوں کہ اس دلکش مقام کا تنہا مالک ہوں۔

اسی مقام پر ایک حق گو بوڑھا کھڑا ہوا خلیفہ کی ان ساری باتوں کو سن رہا تھا۔ کہنے لگا۔ امیر المومنین آپ کی تو یہ آمد پہلی ہے اور آج ہی آپ اس کو دیکھ رہے ہیں۔ لیکن اس سے قبل آپ جیسے کئی حضرات یہاں پر تشریف لا چکے ہیں اور اس کو دیکھ چکے ہیں۔ اور یہاں پر عیش ازل سے ہیں۔ بلکہ بہت جلد دوسروں کو مل جائینگی۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ خلیفہ منصور عباسی کی ناک پر ایک مکھی بار بار آ بیٹھتی تھی اور وہ ہمیشہ اس کو ہٹاتے رہا۔ لیکن وہ پھر بھی آ بیٹھتی تھی، آخر کار تنگ آ کر کہنے لگا کہ اللہ نے آخر اس ذلیل مکھی کو کیوں پیدا کیا۔ اسی دربار میں ایک عالم شیخ ابن سلیمان نامی بھی موجود تھے، انہوں نے کہا متکبروں کا غرور توڑنے کے لئے۔

ان تاریخی واقعات سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے کیسے کیسے حق گو بزرگ پیدا کئے جو علما نے

کلمۃ الحق کے لئے دنیا کی کسی بڑی سے بڑی طاقت کو بھی
نظروں میں نہیں لاتے تھے۔ یہی وجہ تھی جو اپنی قلیل تعداد کے
باوجود ہزاروں کے مسلح مجمع پر کامیاب و کامران تھے، اور
وہ حق گوئی میں "سر کٹا سکتے ہیں لیکن سر جھکا سکتے نہیں"
کی عملی تصویر تھے اور ان میں یہ خصوصیت بھی تھی کہ یہ امیر غریب
سبھی کو ایک ہی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔ کسی کے ساتھ زیادتی
یا کمی یہ چیز ان کے اخلاق سے بعید تھی۔ اس لئے آج بھی ہم ان
کو نیکنامی سے یاد کرتے ہیں اور جب بھی ان کا نام سنتے ہیں
تو رضی اللہ عنہم کہتے ہیں۔ اس دنیا میں کسی کو ثبات و قیام
نہیں ہے۔ اس لئے ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ کوئی ایسا کارنامہ
دنیا میں چھوڑ جائے کہ لوگ اس کو نیک نام سے یاد کریں۔
حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

ایں ہمہ ہیچ ست چوں می بگذرد
بخت و تخت و امر و نہی و گیر و دار

نام نیک رفتگاں ضائع مکن
تابماند نام نیکت برقرار

آج ضرورت ہے کہ ہم تمام مسلمان حق گوئی و بے باکی
کو اپنا لیں، جو اسلام کا ایک زرین اور اہم اصول ہے اور
مسلمانوں کی ایک شان امتیاز ہے۔"

وہی آغاز پیدا کر وہی انجام پیدا کر
محمدؐ کے زمانے کا وہی اسلام پیدا کر

دعا ہے کہ اللہ جل شانہ ہم تمام کو دین اسلام کا ایک
ایک مجاہد بنا دے۔ آمین ثم آمین
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ والسلام

از
ایس۔ یم۔ کمال اللہ ظہوری
چتوری
متعلم زمرۂ ثالثہ دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان
ویلور۔

ز اتفاق مگس شہد می شود پیدا
غذا چہ لذت شیریں در اتفاق نہاد

طلوع اسلام سے قبل ہر گوشہ میں درندگی و بربریت عام تھی اور اخوت و بھائی چارگی کا نام و نشان تک ناپید تھا۔ اور معمولی سی باتوں پر خون کی ندیاں بہجاتی تھیں اور باہم اختلاف کئی صدیوں تک قائم رہتے۔ اس عالمگیر جہالت میں اسلام نے ایسے ایسے کرشمے پیش کئے کہ وہ تمام برائیاں جو اسلام سے قبل دنیا میں تھیں مفقود ہو گئیں۔ علاوہ اس کے اسلام نے گمراہ قوموں کو راہِ مستقیم پہ گامزن کیا۔

اسلام کی انہیں خصوصیتوں میں سے "اتحاد" بھی ایک بہت بڑی خصوصیت ہے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جس نے مختلف فرقوں کو باہم ملایا جو علیحدہ علیحدہ ہو چکے تھے اور باہمی عصبیت، جو کارفرما تھی مٹاتے ہوئے نفاق کے جو شعلے بھڑک رہے تھے اُنہیں ٹھنڈا کیا ؎

شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

غرض اتحاد اسلام کی خوبیوں میں سب سے بڑی خوبی ہے اگر کسی قوم یا جماعت میں یہ خوبی پیدا ہو جائے تو وہ ہر طرح کے مقاصد میں کامیاب و کامران ہو جائے گی۔ اس کی تعلیم بھی ہے کہ ہم تمام آپس میں مل جل کر یکجہتی کے ساتھ رہیں۔ چنانچہ کلام اللہ آج بھی کہہ رہا ہے انّما المومنون اخوۃٌ فاصلحوا بین اخویکم (ترجمہ) مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں پس صلح کرو تم تمہارے بھائیوں کے درمیان۔ غرض یہ کہ اتحاد و اتفاق ہی واحد شی ہے جس سے مشکل سے مشکل امر بھی آسان ہو جاتا ہے بشرطیکہ عزم راسخ ہو۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

مرد باید کہ ہراساں نہ شود
مشکلے نیست کہ آساں نشود

کلام الٰہی پکار پکار کر یہ ندا دے رہا ہے کہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا (ترجمہ) اللہ کی رسی کو تم تمام مل کر مضبوطی سے پکڑو۔ یہ آیت کریمہ انسان کی فلاح و بہبودی اور اتحاد کے لئے ہے۔ قرآن میں یوں ذکر کیا ہے کہ تم تمام مل کر اسلام کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو۔ رسی سے مراد دین اسلام ہے۔ دین حق توحید الٰہی ہے۔ تمام بندوں کو مشتمل کر کے کہا گیا ہے کہ اسلام کے لئے یہ ایک مضبوط اور مستحکم ستون ہے۔

لفظ اتحاد بظاہر پانچ حروف پر مشتمل ہے۔ لیکن درحقیقت ایک وسیع تشریح کا محتاج ہے اور اپنے میں ایک ایسی لازوال دولت رکھتا ہے اگر انسان اس کو اپنا لے تو وہ بہت کچھ ترقی کر سکتا ہے۔ اگر کسی جماعت یا فرد پر کوئی مصیبت آجائے تو چاہیئے کہ اسکی مصیبت میں ہر ایک شریک ہو۔ انسان کی انسانیت کا بس اسی وقت پتہ چل سکتا ہے جبکہ وہ دوسروں کے دکھ، درد میں شامل ہو۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے اسی مفہوم کو اس طرح پیش کیا ہے ؎

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے، اطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین (ترجمہ) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور باہم مت جھگڑو، لیں کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ساکھ ختم ہو جائیگی، صبر کرو تم اللہ تعالیٰ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے۔

اس آیت سے ہم خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہم کس حد تک اس پر عمل پیرا ہیں۔ ہم نے اسلام کے اصولوں کو فراموش کر دیا۔ اور ہم میں کچھ ایسی فرقہ بندیوں کا عجیب و غریب اور لامتناہی تسلسل ہے اس کے برخلاف اسلاف کی زندگیاں ہمارے لئے مشعل راہ ہیں اور اسلام کی تاریخ اتحاد کی مثالوں سے معمور ہے، کیسے ہم فراموش کریں؟۔

تاریخ کہہ رہی ہے یاد کرو انہیں لوگوں کو جو مٹھی بھر مسلمان تھے، جنہوں نے نصف صدی کے اندر اندر دنیا کا اکثر و بیشتر حصہ فتح کر لیا۔ وہ کونسی اسپرٹ اور طاقت تھی، جو ساری دنیا پر حاوی ہو چکی۔ بس یہی ایک "اتحاد"۔

اگر آج بھی ہم میں بیداری پیدا ہو جائے اور باہم متفق ہو جائیں، اور خدا و رسولؐ کی اطاعت کریں اور قوانین اسلام پہ قائم رہیں تو بعید نہیں کہ بڑی سی بڑی قوم پر بھی قابو پا جائیں۔ اگر ہم تاریخ کے سنہرے اوراق پر نظر ڈالیں تو ہمیں وہی اقوام و ممالک خوشحال نظر آتی ہیں جن میں یہ جوہر موجود تھا۔ اسی طرح ہم متفق رہیں تو کسی دشمن کی بھی یہ مجال نہیں کہ وہ ہماری طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔ لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ آج ہم نے اس کمیاب جوہر کو خاک میں ملا دیا۔ اور دوسری قوموں نے اس کو اپنا لیا۔ اور یہ جوہر ہمارے ہاتھوں سے جاتا رہا۔ ہمیں ان ارشادِ عالی پر غور کرنا چاہیئے جو آج سے تقریباً چودہ سو سال قبل کہے گئے:

سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان حقاً علی المومنین ان یتوجع بعضھم لبعض کما یالم الجسد للرأس (ترجمہ) بیشک مومنین کے حقوق یہ ہیں کہ ان میں کا ہر ایک دوسرے کی ہمدردی کرے جیسا کہ تکلیف برداشت کرتا ہے "جسم" سر کی۔ اور ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ المومنون کرجل واحد ان اشتکی عینہ اشتکی کلہ وان اشتکی رأسہ اشتکی کلہ (ترجمہ) مومنین کی مثال ایک شخص کی ہے، اگر اس شخص کا کوئی عضو مثلاً اس کی آنکھ کسی چیز کی شکایت کرے تو بلاشبہ اسکے سارے اعضا شکایت کرتے ہیں۔ اور اگر آپکا سر شکایت کرے تو یقیناً سب کی جانب سے شکایتیں شروع

ہو جاتی ہیں۔ فرمانِ رسولؐ کے اس ارشاد سے صاف صاف ثابت ہو گیا کہ ایک مسلمان بھائی دوسرے مسلمان بھائی کا ایسا ہی ہمنوا ہے جیسا کہ ایک عضو دوسرے اعضا کو ہمدردی پہ ابھار رہا ہے چنانچہ سعدی علیہ الرحمتہ نے اس کی ترجمانی یوں کی ہے سے

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند

کہ در آفرینش زیک جوہر اند

یہی وجہ تھی کہ اسلام کے قبل اگلی قوموں نے بھی اسی اتحاد جیسی نعمت کو ہاتھ سے جانے نہ دیا اور سمجھا کہ اسی میں قومی و شخصی زندگیاں مضمر ہیں۔ اور یہ سچ تھا کہ اسی کو اپنا رہنما تسلیم کیا۔ اسی کے بل بوتے پہ اقوام نے عداوت و دشمنی جنگ جدل کے موقعہ پہ معاہدہ کے لئے پیشقدمی کرتے تھے۔ یہی چیز اگلی قوموں کا شعار بن گئی۔ تاریخ کے اوراق الٹیں اور اخلاق حسنہ پہ کیا جالی نظر ڈالیں تو رہنمائی کا ایک سچا نمونہ ہمارے آگے نکھر کر آئے گا۔

چنانچہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نے دنیا والوں کو نئی زندگی عطا کی۔ خصوصاً اہل مدینہ اس سے بہت مستفید ہوئے اور ان تعلیمات نے انصار و مہاجرین کے دلوں میں باہمی الفت و محبت اور بھائی چارگی پیدا کر دی۔ یہاں تک کہ اس اتحاد کی تعلیم نے بیویوں کو تقسیم کرنے پہ مجبور کر دی۔ یہ کوئی ظلم و تشدد نہ تھا بلکہ خوشی و فراخ دلی تھی۔ دو جنبی ہاتھ ملاپ کے لئے آگے بڑھائے گئے تو رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا ھٰذا اخوک۔

اچانک چہروں پہ خوشی کے آثار جھلکنے لگے اور غیریت کا فرق ختم ہو جاتا تو حقیقی اور غیر حقیقی بھائی کی تمیز مشکلوں سے ہوتی تھی۔

اخوت کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی کے پاس دو بیویاں ہوتیں تو پسند کرنے کا حق پہلے غیر ہی کو دیا جاتا تھا۔ اور اگر ایک اونٹنی کسی کے پاس ہوتی تو آدھی قیمت مہاجر بھائی کو اور آدھی قیمت اپنے لئے روا تھی۔ سچ ہے کہ اس تعلیم میں ایک شیرینی حقیقت اور چاشنی موجود تھی۔ اور اس سے کئی سلطنتوں کا وجود ہوا جو تاریخ کے صفحات ایسے واقعات سے پُر ہیں۔

چنانچہ اسی کے متعلق ایک واقعہ ہے اسکی تفصیل یہ ہے، کہ نبی آخر الزماںؐ کے وفات کے بعد تمام اہل مدینہ کے اتفاق سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، خلیفہ مقرر ہوئے۔ جب آپ کا دورِ خلافت ختم ہونے لگا تو تمام مدینہ والوں نے آپؓ سے یہ درخواست کی کہ آپ ہی ہمارے لئے امیر تجویز کر دیجئے۔ جو آپ کے بعد نائب رسولؐ ہو۔ آپ نے خلافت کے اہم امور انجام دینے کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب کیا۔ چنانچہ وہی خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپکے دورِ خلافت میں اسلام کا چرچا بہت دور دور تک پھیلا اور آپ کئی سلطنتوں کے فاتح بنے اور جب آپ بھی داعیٔ اجل پہ لبیک کہے تو آپکے بعد مسلمانوں کی اتفاق رائے سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقرر ہوئے۔ ان کے بعد شیرِ خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پہ فائز ہوئے، مگر والیٔ شام امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ نہ مانا۔ آخر دونوں میں مقابلہ ہوا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ملک تقسیم ہو گیا۔ امیر معاویہ شام و مصر کے والی ہوئے اور حضرت علیؓ باقی

ممالک پر قابض رہے۔ اسوقت قیصر روم نے دونوں کے باہمی اختلاف سے فائدہ اٹھانا چاہا اور یہ ارادہ کیا کہ حضرت علیؓ کے ملک پر حملہ کر دیا جائے۔ جب یہ خبر امیر معاویہ کو ملی تو آپ نے اسے لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ تم ہماری آپس کی مخالفت سے حضرت علیؓ کے ملک پر حملہ کرنا چاہتے ہو، لیکن میں تمہیں خبر کرتا ہوں کہ تم اس ارادہ کا ہرگز خیال نہ کرنا، میرے اور ان کے درمیان جو کشیدگی ہے، میں اس کے متعلق کچھ خیال نہ کروں گا اور میدانِ کارزار میں حضرت علی کی جانب سے سب سے پہلا تمہارے مقابلے کے لئے جو سپہ سالار آئے گا وہ میں ہی ہوں گا۔

جونہی قیصر روم کے ہاتھ یہ خط ملا تو وہ دیکھ کر اپنے ناپاک ارادے سے باز آ گیا اور یہ دونوں مسلمان امیر اپنی اپنی جگہ حکومت کرنے لگے۔ اگر معاویہ ایسا نہ کرتے اور اپنی جگہ آپ بیٹھے تماشہ دیکھتے رہتے تو ممکن تھا کہ شاہ قیصر روم مسلمانوں کو ناکام و ذلیل کرتا۔ آخر اس بلائے ناگہانی سے نجات دلانے والی کونسی وجہ تھی۔ آخر وہ اتفاق ہی تو تھا۔

اتحاد کو ختم کرنے کے اسباب

اگر کسی قوم یا جماعت میں بجائے اتفاق و اتحاد کے بغض، حسد، کینہ، فرقہ بندیاں پیدا ہو جائیں تو یقین کر لینا چاہئے کہ وہ قوم کبھی ترقی نہیں کرے گی بلکہ بڑی تیزی کے ساتھ تنزلی کی طرف بڑھیگی، جو مانند ایک سیلاب کے ساری نسل کو برباد کرے گی۔

اونچے خاندان اور اچھے گھر کی شناخت کنبہ والوں، اور گھر والوں کے اتحاد سے ہی ہو گی نہ کہ باہمی کشمکش اور اندرون خلفشار سے یہی "اتحاد و اتفاق" خوشحالی اور جنت کا نمونہ پیش کرتے ہیں؛ ورا سی کی عدم موجودگی جہنم سے کہیں بڑھ کر تکالیف میں مبتلا کر دیتی ہے۔

جس گروہ میں چاہے وہ حیوان یا انسان کا گروہ ہی کیوں نہ ہو، جب ان میں اتفاق پایا جائے تو ان کی مثال ایک مضبوط قلعہ کی طرح ہے، نہ اس کو طوفان سے ڈر ہے اور نہ کسی شدید حملے سے خوف، غرض کسی سے نہیں۔ اگر ہے تو بس یہی کہ کہیں آپس میں نفاق پیدا نہ ہو جائے۔ آج یہ جو کچھ ہماری نظر کے سامنے ہو رہا ہے، یہ سب خود ہی کا فیض ہے۔ مقولہ مشہور ہے کہ "خود کردہ را علاج نیست"

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

ایک اہم فتویٰ

۴۸۶
۹۲ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اذان اور نماز میں مکبر الصوت کا استعمال جواز کے کن حدود میں ہے۔ آیا اسپیکر کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز کا ثواب بلا اسپیکر پڑھی جانے والی نماز سے زیادہ ہے اور اس کے ترک کرنے سے گناہ تو نہ ہوگا خصوصاً نماز میں اس کے استعمال کی صورت میں بعض اوقات عجیب و غریب قسم کی آوازیں نکلتی ہیں اور نماز میں یکسوئی باقی نہیں رہتی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام کے قرأۃ کرنے کی آواز جماعۃ میں شریک آخری آدمی تک کا سننا ضروری ہے، کیا ایسا کہنا صحیح ہے۔ اگر صحیح نہ ہو اور اسکے استعمال سے نماز کے خشوع و خضوع میں خلل پڑتا ہو تو پھر بھی اسپیکر کا نماز میں استعمال کرنا جواز کی کونسی حد میں ہوگا؟

۲) ریڈیو پر قوالیاں اور سنیما کے گانے سننا اور سنانا اور شادی بیاہ کے اوقات میں گانوں کے ریکارڈ بجا بجا کر یہ کہنا کہ خوشی کا یہ دن زندگی میں صرف ایکدفعہ آتا ہے۔ لہٰذا یہ سب کچھ کیا جا سکتا ہے، کہاں تک درست ہے بینوا وتوجروا

السائل وی کے عبد الحمید صاحب

الجواب

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

حامداً ومصلیاً ومسلماً در صورت مسئولہ

۱) لاؤڈ اسپیکر کی ایجاد زمانۂ خیر القرون کے بہت بعد کی ہے۔ اس لئے اس کے جواز و عدم جواز پر قرآن وحدیث یا صحابۂ کرام، یا ائمہ مجتہدین کا کوئی قول یا حکم پیش نہیں کیا جا سکتا ہے، جو لاؤڈ اسپیکر کے حکم پر صریح حجت ہو۔

زمانۂ موجودہ کے جدید علماء بھی اس مسئلہ میں مختلف الرائے ہیں۔ ایک فریق مطلقاً جواز کا قائل ہے اور دوسرا فریق عدم جواز کا، اور دونوں کے پاس اپنے اپنے دعوے پر دلائل و براہین ہیں۔ اس لئے ان مختلف اقوال کی موجودگی میں کسی ایک رائے کی صحت پر قطعیت کے ساتھ حکم نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ علمائے کرام کے اقوال کی روشنی میں ایک معتدل اور درمیانی راہ (جو افراط و تفریط سے خالی ہو) یہ سمجھ میں آتی ہے کہ جو عبادات غیر مقصودہ ہیں مثلاً درس، حدیث و تفسیر، مجلس وعظ و تبلیغ اور حج وجہاد کے موقع پر کوئی اعلان عام، محفل نکاح و ولیمہ، ان سب معاملات میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز بلکہ مستحسن ہے۔ کیونکہ یہ آلہ خود ناجائز نہیں، اور جس مقصد کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے، وہ بھی ثواب اور نیکی کا کام ہے۔ اور جو عبادات مقصودہ ہیں مثلاً نماز

اور خطبہ تو اس میں درمیانی راہ یہ ہے کہ جہاں ضرورت ہو کہ جامع مسجد یا عید گاہ میں ہزاروں لاکھوں کا مجمع ہوتا ہے، جیسے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کی عید گاہوں کا یہی حال ہے اتنے بڑے کثیر اجتماع میں لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ سے حسن نظم و ضبط کے ساتھ نماز ادا ہوتی ہے وہ ایک حقیقت ہے اور لاوڈ سپیکر کے بغیر جس بدنظمی، انتشار وافراتفری کا منظر رونما ہو سکتا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ اس لئے ایسی شدید ضرورت کے وقت اس کو بلاشبہ جائز کیا جائے گا کیونکہ اس وقت لاؤڈ سپیکر کے استعمال سے نماز کی صحت کا ظن غالب ہے۔ اور نماز کے درمیان کرنٹ کے فیل ہونے سے فساد کا احتمال ضعیف ہے۔ لہٰذا اس ضعیف احتمال کی وجہ سے، ظن غالب کو، اور وہ بھی ضرورت کے موقع پر، ترک نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن بلا ضرورت جبکہ لاؤڈ سپیکر کے بغیر بآسانی کام چل سکتا ہو جیسے عام طور سے پنجوقتہ نمازوں کا یہی حال ہے تو ایسی حالت میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال غیر ضروری اور ممنوع ہے۔ کیونکہ اس میں تکلف اور تصنع ہے اور اسلام میں سادگی اور بے تکلفی کا خاص اہتمام ہے۔

۲) سنیما کے گانے عام طور پر لغو اور بیہودہ مضامین پہ مشتمل ہوتے ہیں، جو لہو ولعب میں داخل ہے، لہٰذا مسلمانوں کو حتی الامکان بچنا چاہیے۔ لیکن اگر ایسی نظمیں اور غزلیں ہیں جو حمد، نعت، منقبت، یا اور پند و نصیحت وغیرہ مفید مضامین پر مشتمل ہیں تو اس کے سننے اور سنانے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ دل اگر عبرت پذیر ہو تو اس کا ایک اچھا اثر پڑتا ہے۔ خدا کا خوف، بزرگان دین کی عظمت و محبت، دنیا کی بے ثباتی آخرت کی یاد، ہر طرح کی پند و نصیحت کی باتیں ذہن میں نقش ہوتی ہیں۔

شادی بیاہ کا موقع تو اظہار خوشی کا موقع ہے، لہٰذا اس قسم کی نظمیں اور غزلیں، ریڈیو یا گراموفون سے سننے، سنانے کے جواز میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ مزامیر سے خالی ہو۔ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ اعتدال اور میانہ روی کا لحاظ اور غلو وانہماک سے احتراز ہر حال میں ضروری ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ، سید حمید اشرف غفرلہ،

مدرس دارالعلوم لطیفیہ، مکان حضرت قطب ویلور

قدس سرہ العزیز

اسلام جس کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیاں، اور غلط فہمیاں پیدا کی جاتی ہیں۔ مگر اسلام کی حقیقت کے جاننے والوں پر یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ کہ اسلام نے کس انداز میں ہر شئی کو اپنایا، دوست ہو یا دشمن، اپنا ہو یا غیر، ہر ایک کو اپنے سینے سے لگایا۔ اور وہ انسان جس کو دیکھ کر انسان لرز رہے تھے اس انسان کو تختِ سیادت پر بٹھایا۔ ہر معاملہ کو اسلام نے اپنا پہلا فریضہ سمجھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی یہ خوبی ابتدائے اول سے لیکر آج تک موجود ہے اور انشاء اللہ قیامت تک رہیگی۔ اسلام نے اخلاق، قانون، مساوات، تہذیب، تمدن، عدل و انصاف، رحم و کرم، حلم و عفو، سخاوت و سیر چشمی، خلوص و ایثار، شفقت و ہمدردی، عالی حوصلگی، وسیع القلبی، تواضع و انکساری، ورع و تقویٰ، امانت و دیانت، وعدہ و قول کی پابندی، سچائی و پاک بازی و راست بازی، ہر ایک کو ایک ایک اونچا مقام عطا فرمایا، اور ہر ایک کی حقیقت کو بھی سامنے رکھ دیا۔ اگر ہم کما حقہٗ ان تمام اوصاف کو اپنالیں، اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوی باتوں پر عمل کریں تو ہمیں اور کس چیز کی حاجت ہے؟ ہمارے ہر معاملہ میں خدا خود کفیل ہو جائے گا۔ اگر ان تمام اوصاف کو چھوڑ کر بخل، حسد، تنگ نظری، خود غرضی، مفاد پرستی، شقاوت و تنگدلی، غیظ و غضب، فخر و غرور، مکر و فریب، کذب و دروغ، فسق و فجور، یہ تمام جو منافی اسلام ہیں اگر اس کو بجا لائیں تو ہمارا کیا حشر ہوگا؟ ہر ایک کی تفصیل کا موقع نہیں، صرف مساوات کو لیجیئے۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ کسی کو کسی پر فوقیت و برتری حاصل نہیں ہے۔ چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم، مرد ہو یا عورت، گورے ہوں یا کالے، ہندی ہو یا چینی سب برابر ہیں، گویا اللہ کی نظروں میں برابر ہیں سب انسان۔

اسی حقیقت کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے

یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثیٰ و جعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

ترجمہ، اے لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تم کو قبیلوں اور کنبوں میں تقسیم کر دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، خوب یاد رکھو اللہ کے نزدیک تم میں وہی شخص مکرم ہے جو زیادہ متقی ہیں۔

مذکورہٗ بالا عبارت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام

نے حسب ونسب کو توڑ کر افرادِ انسانی کے اندر کس بھرپور انداز میں مساوات قائم کیا۔

خلفائے راشدین کے طریقۂ کار کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ ہر معاملہ میں آگے آگے رہتے تھے۔ جنگ میدان میں فقیروں مسکینوں کی مدد کرنے میں، عبادت وریاضت میں ثواب وعمل کے اندر آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے اور ساری ساری رات عبادت وریاضت میں گذارتے تھے، ان لوگوں نے نازک موقعہ پر بھی مساوات کو اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تمام باتوں کا خاص خیال رکھتے ہوئے اس پر پوری طرح سے عمل کیا۔ بس یہی وجہ تھی کہ دوسری اقوام نے بھی اسلام سے مساوات کا سبق سیکھا، غیر مسلم اسلام کے حالات اور اس کے عدل وانصاف اور مساوات کو دیکھ کر کہہ اٹھے کہ واقعی مذہب اسلام میں مساوات کی کیا خوبی ہے کہ انہوں نے کسی کو کسی پر فوقیت نہیں دی۔

جب بھی جنگ میں مشرکین ہوا اور کوئی قید ہو کر آتے تو ان کے ساتھ یہی سلوک رہا کہ وہ اپنے گھر کے مہمان ہیں۔ چنانچہ جنگ بدر کے موقعہ پر بہت سے مشرکین قید ہو کر آئے تھے مسلمانوں نے ان کی مشکیں باندھ کر ایک خیمہ میں مقید کردیا۔ قیدیوں میں زیادہ تر ایسے بھی مشرکین تھے جنہوں نے مسلمانوں کو سخت تکلیفیں پہنچائی تھیں۔

رات کے وقت حضور علیہ السلام قیدیوں کے خیمہ کے قریب عبادت میں مشغول تھے کہ ان لوگوں کی کراہنے کی آوازیں آئیں۔ حضور علیہ السلام ان کے پاس گئے اور پوچھا کیا تکلیف ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری مشکیں سخت بندھی ہوئی ہیں تو آپ نے فوراً مشکیں کھول دیں۔

یہ آپ کے اخلاق تھے۔ ساتھ ہی دیکھئے کہ ایسی حالت میں بھی آپ نے مساوات کا کتنا خاص خیال رکھا کہ وہ بھی ہماری طرح انسان تو ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے نازک سے نازک موقعہ پر بھی ان تمام اوصاف کو اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیا، چاہے مرد ہو یا عورت، فقیر ہو یا امیر، بادشاہ ہو یا مزدور آپ کی عدالت میں سب برابر تھے۔ آپ نے اپنی حکومت میں عدل و انصاف اور مساوات کو اس طرح قائم کیا جس کو دیکھ کر دوسرے لوگ انگشت بدنداں ہیں۔ حالانکہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کسی کے سامنے نہ زانو نہیں ہوئے اور نہ کسی مدرسہ یا مکتب میں جا کر استاد سے سبق سیکھا۔ بس صرف محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم حاصل تھی۔ بڑی سے بڑی حکومت والے آپ کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد کہہ اٹھتے ہیں کہ واقعی حضرت عمر رض کی حکومت کی عدالت عدالت رہی۔ ان کی حکومت جیسی آج نہ کوئی حکومت ہے اور نہ ہی عدل وانصاف اور مساوات، اب سب اسکی ضد میں پاتے ہیں۔

اسی سلسلے میں ایک واقعہ نقل کرتا ہوں، لکھتے ہیں، کہ حضرت عمر فاروق رض کے پاس ایک غلام اور ایک اونٹ تھا۔ اسی اونٹ سے آپ کا بہت کام نکلتا تھا۔ بعد ازیں حضرت عمر رض اپنے غلام کے ساتھ بیت المقدس جانے کا ارادہ کرتے ہیں۔ باری باری سوار ہونے کے بارے میں تصفیہ ہوتا ہے۔ لیکن عجب اتفاق دیکھئے کہ جب شہر میں داخل ہونے کا وقت آیا تو غلام کی باری تھی،

اس نے بصد اصرار کہا اے امیر المومنین شہر قریب ہے آپ سوار ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، تمہارا حق ہے، تم سوار ہو۔ چنانچہ غلام سوار ہوا اور حضرت عمرؓ اونٹ کی نکیل تھامے شہر میں داخل ہوئے، جبکہ اہل شہر بڑے تزک و اعتشام کے ساتھ خلیفہ کو دیکھنے باہر کھڑے تھے، حالانکہ حضرت عمرؓ خلیفۂ وقت تھے۔

اگر کوئی شخص ایسا طرز عمل اختیار کرتا جو اخلاقی حیثیت سے مساوات کے خلاف ہو تو صحابہ کرام اس کو سخت ناپسند فرماتے۔ ایکبار حضرت مغیرہ بن شعبہ رضؓ نکلے تو ایک شخص نے کہا السلام علیکم ایہا الامیر ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس کے بعد آپ نے تمام لوگوں کو خطاب کر کے کہا السلام علیکم کافی تھا میں بھی تو تمہیں میں سے ہوں۔

دیکھئے اسلامی حکومت میں عدل و مساوات کے بارے میں ایک ڈاکٹر جس کا نام گستاؤلی ہے، لکھتا ہے کہ خلفائے راشدین کے زمانے میں ہر شخص برابر سمجھا جاتا تھا اور ایک ہی قانون سب کے لئے تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بہ نفس نفیس خود عدالت کے سامنے مدعی بن کر آئے اور ایک شخص پر دعوے کیا جس نے آپ کی ذرّہ چرائی تھی۔

جس وقت غسان کا نصرانی بادشاہ جبہ مسلمان ہو گیا تھا حضرت عمرؓ سے ملنے مکّہ آیا تو اتفاقاً ایک اعرابی اسے نادانستہ دھکّا دیا۔ اس پہ بادشاہ نے خفا ہو کر اسے مارا۔ اعرابی کی نالش پہ حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ بھی بادشاہ کو مارے۔ اسپر بادشاہ نے کہا اے امیر المومنین یہ بھی کہیں ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بادشاہ کو ہاتھ لگائے؟ خلیفہ نے جواب دیا کہ اسلام کا یہی قانون ہے۔ اسلام میں نہ درجہ کی عزّت ہے، نہ ذات پات کی۔ ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں سب برابر تھے اور ان کے خلفاء میں بھی یہی روایات قائم رہینگی۔ (از تمدن عرب)

قربان جائیے اس ذات بابرکت پہ جن کی اطاعت و انقیاد ہی میں ہمارے لئے عزّت و سعادت ہے اور آپ کی اطاعت و انقیاد کے لئے تمام کی گردنیں جھک گئیں اور جھک جاتی ہیں اور دنیا میں جتنی بھی اصلاحات ظہور پذیر ہوں گے، وہ آپ ہی کے سرچشمۂ فیض کا نتیجہ ہے۔ وہ انسان جسکو دیکھ کر انسان لرز رہے تھے یعنے انسانیت لرز رہی تھی۔ جہاں ایک المناک درماندگی چھائی ہوئی تھی۔ جہاں شراب کا استعمال عام تھا، جہاں غارت گری ایک دلچسپ مشغلہ تھا۔ جہاں بدکاری پہ لوگ فخر کرتے تھے، اس رحمتؐ عالم نے ان ظالموں کو، رحم دل سنگدلوں کو سراپا رحمت غارتگروں کو ولیِ کامل اور وحشی درندوں کو صاحب معرفت بنایا۔ جہاں عورتوں کی کوئی حقیقت نہیں تھی اس رحمتؐ عالم نے ان سبھوں کو ایک صف میں لا کھڑا کیا اور عورتوں کو ان ان کا حق دلوایا۔

قدیم زمانے میں خواتین کو مال و اسباب اور چوپایوں کی طرح خرید و فروخت ہوتی تھی انہیں کسی چیز کا حق ملکیت حاصل نہیں تھا۔ عورتوں کی حیثیت کنیزوں اور باندیوں کی طرح ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ شوہر کے مرنے کے بعد وہ بھی میراث میں وارثوں کے حصے میں آتی تھیں۔ سب سے زیادہ عجیب بات تو یہ

تھی کہ قدیم زمانہ میں عورت کی ہستی کو مشتبہ نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ اسے نجس حیوان اور ذلیل چیز سمجھا جاتا تھا۔ عہد جاہلیت میں پیدا ہوتے ہی اسے بعض قبائل زندہ درگور کر دیتے تھے۔ بعض مذاہب اسے شیطان کا جال سمجھتے تھے اور اسے جنت میں داخل ہونے کے قابل نہیں سمجھتے تھے اور بعض قومیں انہیں جانوروں کی طرح عقید رکھتی تھیں۔ بعض قوموں میں یہ اجازت تھی کہ باپ اپنی بیٹی کو فروخت کر سکتا تھا اور اگر کسی وجہ سے مرد عورت کو قتل کر دے تو اس سے قصاص نہیں لیا جاتا تھا۔

مگر اسلام نے خواتین کو ایسے مساوی حقوق عطا کئے جو کسی شریعت میں نہیں دئے گئے۔ چنانچہ کتاب اللہ اور سنت نبوی کے احکام میں مرد و زن یکساں طور پر مخاطب ہیں اور چند مخصوص نسوانی فرائض و احکام کے علاوہ اور کسی حکم میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا۔ اسلام نے نہ صرف خواتین کو مساوی حقوق عطا کئے بلکہ مردوں کو بھی یہ تعلیم دی کہ وہ خواتین کا احترام کریں، اور انہیں اپنے سے کمتر نہ سمجھیں۔

علامہ ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ "خواتین کی وہی عزت کرتا ہے جو شریف النفس ہے اور ان کی وہی توہین کرتا ہے جو کمینہ ہوتا ہے"۔

اسلام نے مرد اور عورت کے فرائض الگ الگ مقرر کئے تاکہ سماجی نظام صحیح بنیادوں پر قائم رہے۔ (ماخوذ)

اخیر میں ابوالقاسم محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو بھی پیش کر دیتے ہیں۔ آپ نے جو حجۃ الوداع کے موقعہ پر ارشاد فرمایا تھا دیکھئے آپؐ نے کس انداز میں ان الفاظ کو پیش فرمایا ہے تاکہ آنے والی نسلوں میں کسی کو کسی پر فوقیت و برتری حاصل نہ رہے اور سب کے سب برابر رہے۔ ایک دوسرے کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے۔ آپؐ کو یہ تمام باتیں پہلے ہی سے معلوم تھیں کہ ہمارے بعد آنے والی نسلوں میں ضرور تفرقہ پڑیگا۔ غلام کو غلامی ہی رہے گی۔ ان تمام باتوں کو دور کرنے اور ایک دوسرے کے دلوں میں محبت پیدا کرنے کی غرض سے آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے: ۔

لیس لعربی علی عجمی فضل ۔ ولا للعجمی علی عربی فضل ولا لاسود علی ابیض فضل ۔ ولا لابیض علی اسود فضل الا بالتقویٰ

نہ تو عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل ہے اور نہ عجمی کو عربی پر۔ اور نہ کالوں کو گوروں پر اور نہ گوروں کو کالوں پر سوائے تقویٰ کے۔ یعنی ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔

مذکورہ بالا حدیث سے تمام باتیں واضح ہوگئیں کہ کسی کو کسی پر فوقیت و برتری حاصل نہیں ہے۔ بلحاظ پیدائش تمام اولادِ آدم ہیں۔ لیکن آج ہم لوگوں نے اسلام کی اس بلند ترین اخلاقی تعلیمات کو یکسر فراموش کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہم پر نحوست و ادبار کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ ہم انصاف و مساوات کے زرین قانون پر عمل پیرا ہوں تو پھر ہم دنیا کی بہترین امت بن جائینگے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزۃ اپنے حبیبؐ پاک کے صدقہ میں ہمیں معاف فرمائے اور نیک توفیق و ہدایت نصیب کرے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

از سید مصطفیٰ حسین بخاری
(فاضل لطیفیہ)
کڈپوی
مدرس دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور
قدس سرہ العزیز

ہندوستان کا حسین شہر میسور جس کی پُر لطف ہوائیں حسین فضائیں، سرسبز و شاداب درخت، دلکش مناظر، زندگی بخش نظارے کشادہ شاہراہیں اور عجیب و غریب نوادرات انسان کو کچھ دیر کے لئے محوِ حیرت کر دیتی ہیں۔

اسی حسین شہر میں ایک نیک سیرت انسان جن کو آج سے پچاس سال بیشتر دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ کی طالب العلمی کا شرف حاصل رہا جس نے اعلیٰحضرت مولانا مولوی محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہما کے دور میں علوم دینیہ کی تحصیل کی۔ وہ آج شہر میسور میں الحاج حکیم سید غوث محی الدین کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔

موصوف کی دلی خواہش اور دیرینہ آرزو تھی کہ اپنے فرزند بلند اقبال ڈاکٹر سید حمید سلمہٗ جو حال ہی میں ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے امریکہ سے واپس آئے ہیں، ان کی شادی خانہ آبادی کے موقعہ پر خطبۂ نکاح اعلیٰحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ کی زبان فیض رسان سے بنفس نفیس ادا ہو۔ لہٰذا آپ نے اسی آرزو کے تحت درخواست کی صورت میں یہ اظہار خیال کرتے ہوئے پیش فرمایا کہ "یہ میری زندگی کی آخری تمنا ہے"۔ حضرتِ والا نے کثیر مصروفیات اور عدیم الفرصتی کے باوجود آپ کی درخواست کو شرف قبولیت سے نوازا۔

تاریخ عقد ۲۳ر جون سنہ ۱۹۶۸ء م ۲۶ ربیع الاول سنہ ۱۳۸۸ھ بروز یکشنبہ مقرر ہوئی۔ ۲۱ر جون روز جمعہ آپ اور آپ کے برادر عزیز جناب الحاج سید جلال الدین صاحب سابق انجنیر بوقت شام مکان حضرت قطب ویلور تشریف لائے مکمل انتظامات کے بعد دوسرے دن صبح ۲۲ر جون بروز شنبہ ½۹ بجے براندوان اکسپریس سے بصد احترام و عقیدت عالیجناب اعلیٰحضرت قبلہ مدظلہٗ، آپ کے عزیز برادر حضرت مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری دامت برکاتہم العالی ناظم دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ اور اس ناچیز کے علاوہ جناب مولانا مولوی سید حمید اشرف صاحب کچھوچھوی فیض آباد یو پی۔ مدرس دار العلوم کو لے کر میسور روانہ ہوئے۔

ہماری ٹرین ٹھیک ایک بجے صحافیوں کے شہر بنگلور سٹی پہنچی۔ وہاں سے ہم لوگ ½۲ بجے بذریعۂ کار عازم میسور ہوئے۔ راستے کے دلچسپ اور روح پرور مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ½۴ بجے شہر میسور پہنچے۔ بعد نماز عصر عقیدت مند احباب اعلیٰحضرت قبلہ مدظلہ العالی سے شرف ملاقات حاصل کرنے کے لئے جوق در جوق

آنے لگے۔ نمازِ مغرب کے بعد بھی بہت دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

رات کچھ دیر آرام کرنے کے بعد صبح مؤذن کی صدائے دلنشین الصّلوٰۃ خیرٌ مّن النّوم پر لبیک کہتے ہوئے بستروں کو چھوڑ دیا اور ضروریات سے فارغ ہو کر نمازِ فجر ادا کی، اوراد و وظائف سے فارغ ہوئے۔ صبح کے ناشتہ کے بعد کئی ایک احباب جو مجلسِ نکاح میں شرکت کے لئے مختلف مقامات سے تشریف لائے تھے، ان سے ملاقاتیں ہوئیں، ½۱۰ بجے کے قریب ہم تمام مقامِ نکاح "خلیل منزل" پہنچے۔ جہاں ایک عالیشان شامیانہ نصب کیا گیا تھا جس میں علماء، حکماء، رؤسا اور معتدد احباب جمع تھے۔

جلسہ کا آغاز کلام پاک کی آیتوں سے ہوا۔ جناب حافظ الحاج قاری محمد اقبال صاحب میسوری نے انتہائی خوش الحانی سے قرأت کی جس سے سامعین بہت ہی محظوظ ہوئے۔

بعد ازاں جناب الحاج حکیم سید غوث محی الدین صاحب نے اہلِ مجلس سے اعلیٰحضرت قبلہ مدظلہ العالی کا **تعارف** کراتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ مقدس خاندان ہے جس کے ذریعہ جنوب ہند میں علم دین کے چشمے جاری ہو گئے اور تبلیغ دین کو فروغ ہوا۔ اور فرمایا کہ ہم بہت خوش نصیب ہیں کہ اعلیٰحضرت قبلہ مدظلہ العالی نے ہماری دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اپنی شرکت سے ہمیں ممنون و مشکور فرمایا۔

اس تعارف کے بعد جناب سید شاہ ظہیر الدین حسینی قادری صاحب ضمیر عاقل شاہی نے محبان میسور کی جانب سے **نظمِ استقبالیہ** بقدوم میمنت لزوم اعلیٰحضرت قبلہ پیش کیا جو ہدیۂ ناظرین ہے:۔

شیشۂ قلب ہو کتنا ہی مکدّر دُھل جائے

کتنا دلکش ہے یہ محفل کا سماں کیا کہنا
کس قدر شاد ہے ہر پیر و جواں کیا کہنا

جلوے کیا کیا ہیں ان آنکھوں میں نہاں کیا کہنا
نعمتِ قربتِ صاحب نظراں کیا کہنا

کیوں نہ ہر گوشۂ میسور بنے بقعۂ نور
رونق افروز جہاں آج ہیں قطبِ ویلور

کوئی آئے میری محفل کا مہکنا دیکھے
طائرِ دل کا مسرت سے چہکنا دیکھے

بن پیئے حضرتِ انساں کا بہکنا دیکھے
شاخِ اُمّید کا بل کھا کے لہکنا دیکھے

اپنے مہمان ہیں ہر حال میں اپنے یاور
سیّدی ۔ سیدنا حضرت سیّد باقر

وہی باقر کہ جنہیں آلِ نبیؐ کہتے ہیں
وہی باقر جنہیں اولادِ علیؓ کہتے ہیں

ہاں وہ باقر جنہیں عالی نسبی کہتے ہیں
وہ جنہیں اپنے زمانہ کا ولی کہتے ہیں

ہم نشیں! ٹھیر انہیں اپنا بنا لوں تو سہی
ان کی تصویر نگاہوں میں بسا لوں تو سہی

آپ کی ذات یہاں نور و د برسانے لگی،
جسکو جنّت کی فضا دیکھ کے شرمانے لگی

علم و عرفان کی کچھ ایسی گھٹا چھانے لگی
ایسے لگتا ہے مدینہ کی ہوا آنے لگی

رہبری چوں نشود زہد و ریاضت کہتر
اک نفس با تو زصد سالہ عبادت بہتر

اے کہ از آمدنت خانۂ ما شد آباد
اے کہ از نورِ تو کاشانۂ ما شد آباد

اے کہ از تو دلِ ویرانۂ ما شد آباد
ساقیٔ ما ز تو میخانۂ ما شد آباد

ما کہ در محفلِ تو تشنہ لبانٔ تو ساقی است
ساقیا! نشۂ دیدارِ تو مارا کافی است

بہرِ الطاف و عنایات سزاوار نہ ایم
وعدہ کردیم فراموش و وفادار نہ ایم

قصدِ یاریم ولے در نظرِ یار نہ ایم
تو زخاصان او ما واقفِ اسرار نہ ایم

لطف فرما کہ تو از خاصۂ خاصانِ خداست
بہر ما نزد خداوند دعائے تو دُعاست

کیوں نہ بختاور دارین ہو دولہ حیدر | سایۂ دست قطب آج ہے جس کے سر پہ
اب فقط ہے یہ تمنائے ضمیر احقر | نخلِ اُمید ہو از فضلِ خدا بار آور

درجہاں ہر دو عروسین نشاط آگیں باد
ایں دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

گزارندۂ

عقیدتمندانِ میسور

نظم استقبالیہ کے بعد جناب نیاز مند علی صاحب نے عقیدتمندان میسور کی طرف سے اعلیٰحضرت قبلہ مدظلہ العالی کی خدمتِ عالیہ میں سپاسنامہ پیش کیا جو ناظرین کی دلچسپی و معلومات کیلئے پیش کیا جارہا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم — نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سپاسنامہ

بخدمت عالی اعلیحضرت عظیم المرتبت شیخ طریقت، رہبر ملت، مہر منیر آسمانِ عرفان، بدر زہیر فلک بیان، واقف اسرار نہان، راز دار رموز یزداں، قطب زماں، مجدد دوراں، نائب ختم مرسلاں چراغ راہِ خدا شناساں، قبلۂ امن و اماں، علامۂ زماں، آیۂ از آیات الٰہی، معجزہ از معجزات رسالت پناہی چشم و چراغ خاندان مصطفوی، نور دیدۂ دودمان مرتضوی، قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین مولانا مرشدنا ادینا مولوی **ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری**، سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ۔

قبلۂ عالم! آج ہم نہایت ادب سے آپ کے اوقاتِ شریفہ میں خلل انداز ہوتے ہیں اور ہم جناب الحاج حکیم سید غوث محی الدین صاحب و الحاج حبیب اللہ خان صاحب کے متشکر ہیں کہ انہوں نے اپنے فرزندوں

کے محفل نکاح میں خطبۂ نکاح کے ارشاد کے لئے آپ کو مدعو فرمایا۔
آپ اپنے اشفاق بزرگانہ سے، باوجود اپنی مصروفیات شرعی کے
شرف قبولیت عطا کرتے ہوئے یہاں نزول اجلال فرمایا اور ہمیں
آپ کی زیارت شریفہ کا شرف عطا فرماکر ہماری چشم اشتیاق کو روشن کیا۔

، باجمال خویش پیدا کردۂ۔ عاشقاں را مست وشیدا کردۂ
گاہ پیدا می شوی گاہے نہاں۔ بوالعجب خود را ہویدا کردۂ
کسوت ناسوت را پوشیدۂ۔ پردۂ لاہوت را وا کردۂ
عاشقاں را سیر وحدت دادۂ۔ عارفاں را دیدہ بینا کردۂ

آپ کی تشریف آوری پر حاجی صاحبان اپنے فرزندوں کی بلند
اقبالی پر جتنا ناز کریں بجا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

معرفت آگاہ! آپ اس سلسلہ خدادانی کے جواہر زواہر
میں جوہر لاثانی ہیں جنکی شان میں خدا نے فرمایا ہے ولتکن منکم
امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون
عن المنکر واولئک ھم المفلحون آپ کے جد اعلیٰ حضرت
سید شاہ عبداللطیف قادری رحمۃ اللہ علیہ جن کا سلسلۃ النسب
حسنی وحسینی ہے تین سو سال پیشتر بیجاپور سے مراجعت فرماکر شاہ نور
جو ہوبلی سے قریب ہے تشریف لائے اور وہاں سے سرا میں جلوہ
افروز ہوکر بارہ سال مقیم رہے اور ویلور تشریف لائے۔ میدان
میں قیام فرمایا۔ شب میں عالم خواب میں سرور دو جہاں پیغمبر آخر
الزماں حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حکم فرمایا کہ
اسی جگہ سکونت اختیار کرنا، مدرسہ وخانقاہ تعمیر کرنا۔ آپ نے
حکم رسول اللہ کی تعمیل کی اور اس سرزمین میں مکان جنت نشان بنایا،
جو مکان قطب ویلور کے نام سے موسوم ہے، جو مرجع عالم ہے
دارالعلوم لطیفیہ کا اجرا کیا جہاں سے اشاعت علم دین ہونے
لگی۔ تحصیل علوم کے ساتھ ساتھ سلسلہ تبلیغ کا اجرا ہوا۔ فارغ التحصیل
علماء نے جنوبی ہند کے علاوہ شمالی ہند کے مقامات میں تبلیغ
دینی کی۔

آپ کے بزرگوں کی تعلیم وفیض روحانی ورشد وہدایت کے
اثر سے خلق خدا حلقۂ ارادت میں منسلک ہوئے اور اوج خدادانی
پر پہنچ گئے۔ حلقۂ طاعت الٰہی سے گردنیں نہیں چھوٹیں، ربقۂ
صوم وصلوٰۃ گردنوں سے نہیں نکلا۔ ان بزرگوں کی شان میں
خداوند کریم ورحیم فرماتا ہے۔ یوم تری المومنین و
المومنات یسعیٰ نورھم بین ایدیھم وبایمانھم
بشریٰکم الیوم جنت تجری من تحتھا الانھار
خالدین فیھا ذالک ھو الفوز العظیم ۃ

اے شیخ یگانہ وعارف زمانہ! آپ کے بزرگوں کی
بے نیازی فقید المثال ہے۔ سید السالکین حضرت مولانا محی الدین
شاہ سید عبداللطیف قادری ذوقی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں
نواب کرناٹک حضرت والا جاہ بہادر نے بوقت مغرب شرف نیاز
حاصل کیا اور ایک پروانۂ جاگیر جسکی سالانہ آمدنی اس زمانہ میں
بارہ ہزار تھی پیش کیا۔ حضور نے فرمایا یہ کیا ہے؟ پروانہ۔
سامنے شمع جلتی تھی۔ پروانے کو اس شمع پہ رکھ کر نسیا منسیا کر ڈالا۔
نواب صاحب کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ نواب صاحب نے فرمایا یہ
پروانۂ جاگیر آپکے اور آپ کی اولاد کے لئے تھا۔ آپ نے فرمایا فقیر کو

اس کی حاجت نہیں۔ میرے اور میری اولاد کے لئے خدا اور رسول کی توجہ کافی ہے۔ آپ کے اسلاف میں قدوۃ السالکین حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری المشہور بہ قطب ویلور قدس سرہٗ کو اصلاح خلق کی زیادہ لگن تھی۔ دعوت الی اللہ فی الخلق کے تحت آپ نے تقریر کے علاوہ تحریر سے بھی کام لیا۔ چنانچہ ایک دعوت نامہ کوئین وکٹوریہ ملکۂ ہندوستان کو اس وقت دیا جبکہ وکٹوریہ آپکی خدمتِ عالی میں ایک گراں قدر رقم نذرانہ کی روانہ کی۔ لیکن آپ نے شکریہ کے ساتھ رقم واپس فرماتے ہوئے تحریر فرما دیا" کہ میرے لئے سب سے زیادہ مسرت اندوز یہی ہے کہ تم مذہب اسلام قبول کرلو۔ ملکۂ وکٹوریہ نے اس دعوت نامہ کے جواب میں یہی لکھا" کہ میں مانتی ہوں کہ مذہب اسلام یقیناً حق ہے۔ لیکن میرے سامنے چند وجوہات ایسے ہیں جسکی وجہ میں قاصر ہوں۔ ہاں اتنا ضرور کہوں گی کہ ہماری اتنی بڑی وسیع سلطنت میں ہندوستان کے اندر ایک ایسا مومن کامل بھی ہے جو حق گوئی میں آپ اپنی مثال اور خدمتِ اسلام کا صحیح جذبہ رکھتا ہے اور اس کا علمبردار ہے۔

والی سرینگپٹن حضرت ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کو ان بزرگوں سے خاص عقیدت حاصل تھی" ان کے زہد و ورع وکشف و کرامات کو ملاحظہ فرما کر قدوۃ السالکین اعلیحضرت مولانا مولوی سید شاہ ابوالمحسن قادری محوی قدس سرہٗ کو سرینگپٹن آنے کی دعوت دی لیکن آپ نے بعض وجوہات کے پیش نظر جانے سے انکار کردیا۔ آپ ہمارے سامنے ان بزرگان سلف کی یادگار ہیں۔ اور اسی جاہ و تقدس کے ساتھ اس مکان کی سجادگی پر جلوہ افروز ہیں۔

آپ کا وہی طریقہ ہے جو آپ کے سلف کا رہا۔ غرباء پروری مہمان نوازی' اہل دول سے بے نیازی متوکل علی اللہ قانع واقع ہوئے ہیں۔ آپ دارالعلوم لطیفیہ کی ترقی کے لئے کوشاں و ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ اور اپنے بزرگوں کی تصانیف جو زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئے انہیں منظرِ عام پہ لانے' اور خلق خدا کو اس سے بہرہ مند کرنے کے لئے چند سال ہوئے' کہ آپ نے دار التصنیف کا اجرا کیا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں آپ کے ارادوں میں استحکام عطا کرے' اور آپ کو باین جاہ و تقدس دیرگاہ سلامت رکھے۔

ہم ملتجی ہیں کہ مظان اوقات میں اپنی دعاؤں کے ساتھ ساتھ ہم دورافتادوں کے لئے دعا فرمائیں۔

سایہ ات کم مباد از سرِ ما
ولبسط اللہ ظلکم ابداً

گذارندۂ عقیدتمندانِ میسور

۲۶ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ
م ۲۳ جون ۱۹۶۸ء

اس کے بعد اعلیٰحضرت قبلہ مدظلہ العالی نے ڈاکٹر سید حیدر سلمہٗ ابنِ جناب الحاج حکیم سید غوث محی الدین صاحب اور احمد اللہ خان صاحب خویشگی سلمہٗ ابن جناب الحاج حبیب اللہ خان صاحب خالہ زاد برادران کے خطباتِ نکاح اپنی زبان فیض ترجمان سے ادا فرماتے ہوئے ہر دو نوشاہ و حاضرین مجلس کے لئے بارگاہِ رب العزۃ میں پُر خلوص دُعائیں کیں۔

اسی دن شام میں تقدس مآب اعلیٰحضرت قبلہ مدظلہ العالی کے اعزاز میں جناب الحاج غوث پیراں صاحب نے ایک شاندار عصرانہ دیا۔ شب میں جناب عبدالخالق صاحب رئیس آمبور نے پر تکلف ضیافت کی۔

عشائیہ سے فارغ ہو کر شہر میسور کی معروف و معتقد شخصیت مولانا حضرت سید شاہ درویش پیر قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکان "درویش منزل" پہنچے۔ (مرحوم حضرت والا کے قریبی رشتہ دار تھے) جہاں اُس خاندان کے چشم و چراغ جناب مولانا سید شاہ اسد پیراں صاحب قادری زید کرمہٗ سے ملاقات ہوئی۔ موصوف شہر میسور کے گورنمنٹ قاضی، خطیب اور مسجد جامعہ کے متولّی اور ایک بلند پایہ شاعر ہیں۔ آپکے فرزندانِ بلند اقبال کا علمی شوق بھی خاندانی روایات علمی کی غمازی کرتا ہے۔ فی الوقت تمام کے تمام اعلیٰ علمی قابلیت و صلاحیت کے مالک ہیں۔ آپ سے بہت دیر تک مختلف موضوعات پر سلسلۂ گفتگو جاری رہا۔

روز دوشنبہ ۲۴ جون کی صبح مؤذن کی صدائے اللہ اکبر نے نیند سے چونکا دیا۔ نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر ویلور دارالسرور چلنے کی تیاری میں معروف ہو گئے۔ صبح تقریباً پونے سات بجے چامنڈی اکسپریس میں سوار ہو کر بنگلور پھر وہاں سے بذریعۂ برندوان ایکسپریس ۵½ بجے کاٹپاڈی جنکشن پہنچے۔ اور یہاں سے دلوں میں سرور اور خوش کن یادیں لے کر ۶ بجے داخل مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز ہوئے۔

یہ سفر نہایت پُر لطف اور کامیاب رہا جس میں متعدد لائق و فائق اور پیکر خلوص و محبت شخصیتوں سے مل کر انتہائی مسرت ہوئی۔

اہل میسور اور وہاں کی چیزیں نظروں سے ضرور اوجھل ہیں لیکن ان کی عقیدت اور بے لوث محبّت کو یاد کر کے بے ساختہ دل سے دُعائیں نکلتی ہیں کہ خداوند کریم ہر دو نوشاہ و عروس، جناب حکیم صاحب، آپ کے برادر عزیز، آپ کے ہم زلف جناب الحاج حبیب اللہ خان صاحب اور جمیع عقیدتمندان میسور کو دین و دنیا میں کامیاب و کامران رکھے۔ آمین۔

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

قال تعالٰی: سنۃ اللہ التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔

جب زمین پیاسی ہوتی ہے تو ربّ السموٰت والارض اسے سیراب کرنے کے لئے بارانِ رحمت کا نزول فرما دیتے ہیں۔ جس سے زمین کی خشک لب سیراب ہو جاتی ہے۔ جب کبھی اور جہاں کہیں خشک سالی کے آثار نمودار ہوتے ہیں تو فرشتۂ رزق کو بارگاہ رب العزۃ سے بارش کے نزول ہونے کا حکم ملتا ہے جس سے زمین کا چپہ چپہ سرسبز و شاداب ہو جاتا ہے، بے آب گیاہ صحرا پہ سبزی کے مخملیں بچھوا دی جاتی ہیں جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے، وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا لِنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا بالکل اسی طرح جب مخلوقِ خداوندی اپنی حقیقی معبود اور حکم خداوندی سے ناآشنا ہو کر جہالت کی عمیق غار میں گرتی دکھائی دیتی ہے تو خداوند قدوس ان کی رہنمائی اور اصلاح کے لئے اپنے خاص بندے کو ان کی جانب مبعوث فرماتے ہیں جیسا کہ ولادت مسیح سے پورے دو ہزار سال قبل کا واقعہ ہے کہ عرب میں دریائے فرات کے ساحل پہ ایک آباد شہر اُر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے

ماہرینِ اثریات کی کوشش سے جو کتبے برآمد ہوئے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پُر رونق شہر عراق میں کلدانیوں کی زبردست حکومت کا پایہ تخت تھا۔ کلدانیوں کی سلطنت اُن دنوں بڑے عروج پہ تھی اور ان کو اپنی تہذیب و تمدن اور رفیع الشان عمارتوں اور سر بفلک حویلیوں پہ بڑا ناز تھا۔ مذکورہ کتبوں سے خط تمثال معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کے سلاطین آگ میں پکائی ہوئی مٹی کے تختیوں پہ اپنے قوانین تعزیرات اور مذہبی اعتقادات کندہ کر رکھے تھے۔ جن سکوں پر یہ عقائد منقوش تھے وہ ظاہر کرتے تھے کہ یہ کلدانی حکومت حضرت ہود علیہ السلام کی شریعت کی تابعدار تھی اور ان کو اپنا نبی تصور کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام کے دوسرے بیٹے فلج۔ ۸ ویں پشت میں پیدا ہوئے۔ مورخوں اور مفسروں کی تحقیقات کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد کا نام آذر ہے۔ چنانچہ سورۂ مریم میں آپ کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ سب سے پہلے آذر ہی کو راہِ راست پہ لانے کے لئے انتہائی سعی کی۔ آپ نے بڑے ادب اور مؤثر پیرائے میں اصنام پرستی کی تردید کی اور ہر طرح سے آذر کو سمجھایا کہ وہ بتوں کی پرستش کو ترک کر دیں۔ ان کے جواب میں آذر نے پرلے درجہ کی بیجا سختی سے کام لیا اور کہا اے ابراہیمؑ اگر تو اپنی حرکات سے باز نہ آیا تو اس جرم کی پاداش میں تجھے پتھر

مار مار کر تیرا اُستھراؤ کرینگے۔ اگر تو خیریت چاہتا ہے تو ہمارے معبودوں کی تردید و تکذیب کو چھوڑ دے اور ہمارے وطن سے بھاگ جا۔ ان دُرشت کلاموں اور سختیوں کے جواب میں آپنے ارشاد فرمایا سَلَامٌ عَلَيْكَ سلامتی ہو تم پر۔

ابراہیم اور آگ

بعد اس کے آپنے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ تم کو کیا ہو گیا ہے کہ تم بے جان مٹی سے بنے ہوئے بتوں کو پوجتے ہو۔ جب تم نے بتوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے تو یہ تو کہو کہ کل دنیا کے پالنے والے کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ یہ لوگ زیادہ تر ستاروں کی پرستش کیا کرتے تھے، اور سمجھتے تھے کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے وہ ستاروں کے طفیل ہو رہا ہے۔ جب آپنے ستاروں کا غیر خالق ہونا ثابت کیا تو حاکم وقت نمرود نے آپ سے مناظرہ طلب کیا۔ اب نمرود اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان وجودِ باری پر مکالمہ شروع ہوا۔

مکالمہ

نمرود: اے ابراہیم کیا تم نے رب کو دیکھا ہے؟ وہ تمہارا رب ہے؟ کہ جسکی طرف ہمیں بلاتے ہو۔

ابراہیم: رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فرمایا میرا رب وہ ہے جو کہ جلاتا ہے اور مارتا ہے۔

نمرود: یہ بھی کوئی مشکل کی بات ہے، یہ کہتے ہوئے دو آدمیوں کو طلب کیا اور ایک کو فوراً قتل کر دیا۔ اور دوسرے کو رہا کیا کہ جسکے حلق میں پھانسی کا حلقہ پڑنے والا تھا۔ اور کہا دیکھو یہ مارنا اور جلانا ہے جسکو میں کر سکتا ہوں۔

ابراہیم: اِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ میرا رب وہ ہے کہ سورج کو مشرق سے نکال کر روشن کرتا ہے اور مغرب میں غروب کرتا ہے۔ اگر تو سچا ہے تو اس آفتاب کو جو مشرق سے نکلتا ہے اسکے بجائے مغرب میں نکال۔ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ اس پر نمرود کو کچھ جواب نہ بن پڑا۔ بلکہ وہ مبہوت ہو گیا اور اس فن میں حق کی فتح اور باطل کی شکست دیکھ کر دنگ و حیرانی سے انگشت بدنداں ہوا اور اس پر حق منکشف ہو گیا اور وہ معقولیت اور استدلال کے میدان میں حضرت ابراہیم سے بازی نہ لے جا سکا۔ انہوں نے بمصداق ؎

چو حجت جفا جوئی را بیکار کردن کشد روئے را

اب حضرت ابراہیمؑ نمرود کے دربار سے اٹھکر چلے آئے تو نمرود لوگوں کے مشوروں سے آپ کو آگ میں زندہ جلانے کا فیصلہ ٹھیرایا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے کہ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ان لوگوں نے کہا کہ اس کو جلا دیا جائے، اور اپنی معبودوں کی مدد کرو، اگر تم کر سکتے ہو۔ اسی مصداق سے لکڑیاں جمع کرانے کا حکم دیا گیا جسکی تعمیل نمرود کی سلطنت کے ہر فرد و بشر نے کی۔ خدا جانے کہ کتنے ہزار من لکڑیاں صرف ایک اللہ کے بندے حضرت ابراہیم کو نذرِ آتش کرنے کے لئے اکٹھی کی گئی تھیں جس کا گناہ قوم کی نگاہ میں صرف یہ تھا کہ وہ اپنے باپ دادا کے غلط راستوں سے ہٹا کر صراطِ مستقیم پر لگانا چاہتا تھا۔ اور جس کا قصور فقط یہ تھا کہ وہ ہزاروں خداؤں کی بندگی سے نکال کر صرف ایک خدا کا بندہ بنائے۔ غرض حضرت ابراہیمؑ کو بذریعہ منجنیق یعنی گوپھن کے ذریعہ حوالۂ آتش کر دیا گیا۔ لیکن باوجود تمام مخلوق

مشرق و مغرب کے کھینچنے کے وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ جبتک کہ
آپ کے والد آذر نے آکر ہاتھ نہ لگایا تھا۔ لیکن پسر نے نگاہ محبت سے
پدر کو منجنیق کھینچتے دیکھا تو آپ کی زبان سے ایک چیخ نکلی،
کہ اے خداوندا تو مجھے زیادہ دیکھتا ہے کہ آج میرا باپ دشمن بن گیا
ہے۔ اے دوجہاں کے پالنے والے آج میں اپنوں اور غیروں سے
بیگانہ ہو گیا ہوں۔ اب سوائے تیرے مجھے پناہ دینے والا کوئی نہیں ہے۔
جب آپ کو لوگوں نے نذر آتش کر دیا تو آگ میں داخل ہوتے ہی فوراً
غیب سے ندا آئی کہ یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ
اے آگ تو ابراہیم پہ ٹھنڈی ہو جا اور زیادہ ٹھنڈی بھی نہ ہو بلکہ
اپنے آپ میں ایسی تبدیلی پیدا کر جو ابراہیم کے لئے باعث سلامتی
ہو۔ اسی کے متعلق حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں بوستان میں،

گلستاں کند آتش بر خلیل

اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کریمی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔
وہ خدا جس نے آگ میں حرارت سوزش کا مواد پیدا کر رکھا ہے،
نار کو حکم دیا کہ وہ ابراہیم کے حق میں گل گلزار بن جا۔ چنانچہ اسی کے
متعلق علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا ۔ آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

یہاں پہ بھی نمرود، دنگ و حیران ہو جاتا ہے کہ آگ ابراہیم کے
حق میں کیسے گلزار بن گئی۔ ان تمام واقعات کو نمرود ایک اونچی جگہ
بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا۔ لیکن جب آپ کو وہاں آرام سے بیٹھا بات
چیت کرتے دیکھا تو اپنی غضب ناک نگاہ کو آپ سے پھیر لیا اور پتھر
اٹھا اٹھا کر آپ کی طرف پھینکنے لگا لیکن اسوقت وہ پتھر بھی مثل
بادل ہو کر آسمان پہ چھانے لگے اور آپ کو سایہ کرنے لگے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ ابھی آگ کے شعلے آپ کے مبارک
بدن تک پہنچنے نہ پائے تھے کہ آگ سرد پڑ گئی اور اسکے بعد اتنا پانی
برسا کہ آتش نمرود سرد ہو گئی الغرض حضرت ابراہیم چالیس روز تک
آتش کدہ میں تھے۔ چالیس دن بعد آتش کدے سے زندہ صحیح سالم
اس آزمائش سے نکل آئے اس کے بعد بعض آدمی تو ایمان لائے اور
آپ کی نبوت کو قبول کر لیا۔

ہاجرہ و اسمٰعیل

عین بڑھاپے کے عالم میں جبکہ آپ کی
عمر چھیاسی ۸۶ برس کی تھی، تو بڑی بڑی
آرزوؤں و تمناؤں کے ساتھ اللہ رب العزۃ کے دربار میں عرض
کی، چنانچہ اللہ رب العزۃ نے آپ کی خواہش و دعا کو قبول کیا، اور
بطن ہاجرہ سے اسمٰعیل کو عطا فرمایا۔ یعنی آپ اسماعیل کی پیدائش پر
نہایت مسرت محسوس کی لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے خلیل کی دوبارہ
آزمائش منظور تھی، ارشاد ہوا۔ اے ابراہیم جاؤ اور اپنے
لخت جگر حضرت اسمٰعیل کو مع ان کی والدہ بی بی ہاجرہ کے ریگستان
عرب کے اس بے آب و دانہ مقام پہ تنہا چھوڑ آؤ۔ وہ شہر جہاں آپ
کی دوبارہ آزمائش ہوئی، وہ بیابان آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے
رحمت کا نشان بن کر مکہ معظمہ کے نام سے آباد ہے۔ چنانچہ آپ
حضرت ہاجرہ و اسمٰعیل کو اسی تپتی ہوئی ریگستان میں چھوڑ کر رخصت
ہو گئے۔ تو کچھ دیر گذر گئی تو پیاس سے حضرت اسمٰعیل بے ہوش ہونے
لگے۔ حضرت ہاجرہ بے قرار ہو کر جبل صفا سے جبل مروہ تک سات
مرتبہ پانی کی تلاش میں دوڑتی پھریں۔ لیکن کہیں پانی کا نشان تک
نہ پایا تو مایوس ہو کر چلیں۔ جب آپ حضرت اسمٰعیل کے قریب پہنچیں،
تو کیا دیکھتی ہیں کہ جہاں پہ اسمٰعیل اپنے دونوں پیر پیاس کی وجہ سے

زمین پر مار رہے تھے اسی جگہ ایک چشمہ جاری ہے، دونوں اسی پانی سے سیراب ہوگئے۔ اپنے فرزند اور پانی کو دیکھ کر بہت خوش ہوجاتی ہیں۔ آج اس پانی کو آب زمزم سے پکارا جاتا ہے۔

جو لوگ صاحب اولاد ہیں، وہ یہ خیال کریں کہ خداوند قدوس کے نام پر قربان ہونے والے کس دل ودماغ کے انسان تھے کہ جلتی دھوپ، صحرائے سنگلاخ، بے آب ودانہ اور بے ثمر ٹیلے میدان میں اس شیرخوار بچہ اور اپنی اہلیہ کو چھوڑ کر چلا جانا، یہ صرف حضرت ابراہیمؑ کا کام تھا۔ سنتے ہی جو کچھ کہا جا رہا تھا خدا کے حکم سے کیا جا رہا تھا اور کامل سکون واطمینان کا اظہار کرنا اور شکایت کا ایک لفظ بھی اپنے زبان سے نہ نکالنا یہ صرف حضرت ہاجرہ ہی کا کام تھا۔ مکہ مکرمہ سے اٹھارہ میل فاصلہ پہ عرفات کا پہاڑ واقع ہے۔ جب آپ یعنی حضرت ابراہیمؑ اس پہاڑ کے قریب پہنچے تو ایک حسرت بھری نگاہ ڈالی اور فرمایا ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتك المحرم اے ہمارے پرورش کرنے والے میں اپنی اولاد کو تیرے عزت والے گھر کے پاس اور ناقابل زراعت وبیابان میں بسائی ہے تاکہ وہ تیرا [illegible] کریں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آج بھی ذی الحجہ ۹ تاریخ کو دنیا بھر کے حاجیوں کا عالمگیر اجتماع ہوتا ہے، اور ایک خطبہ دیا جاتا ہے جو دنیا کا کوئی سالانہ جلسہ یا کانفرنس اس اجتماع کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

قربانی

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے انتہائی صبر وتحمل اور فرماں برداری کی مثال یہ ہے کہ جب آپ نے نور نظر اسمٰعیلؑ جو اپنی خواہش سے دعا مانگ کر حاصل کیا تھا اسی کو ایک وقت میں قربانی دینا یہ حضرت ابراہیمؑ ہی کا کام تھا۔

ایک مدت کے بعد جناب ابراہیمؑ اپنے فرزند نور نظر حضرت اسمٰعیلؑ کو دیکھنے کے لئے پھر آئے، محبت پدری نے جوش مارا۔ چاہا کہ ان سے ہمیشہ اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے رہیں لیکن جب آپ چلنے پھرنے کے قابل ہوگئے تو ان کے والد ماجد حضرت ابراہیمؑ نے ایک شب خواب میں دیکھا کوئی آپ سے کہہ رہا ہے، اے ابراہیمؑ اٹھ اور قربانی کر۔ صبح ہوئی تو آپ بیدار ہونے کے بعد ایک سو اونٹ قربانی دئے، اور اسی طرح یہی الہام تین روز تک ہوتا رہا۔ جب چوتھے روز آپ نے جانا کہ قربانی سے مراد اپنا بیٹا ہے تو بعد تحقیق یعنی الہام حق کی معرفت وحقیقت کو سمجھ کر صبح ہوتے ہی اپنے نور نظر سے فرمایا کہ آج تم کو میرے ساتھ ایک دعوت میں جانا ہے اور حضرت ہاجرہ سے بھی یہ کہا جب تیار ہو گئے تو آپ نے اپنی آستین میں رسی اور چھری کو چھپاتے ہوئے اپنے ساتھ لیکر چلے۔ جب کچھ دور تک پہنچے تو حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ سے فرمانے لگے جس کا واقعہ قرآن حکیم میں اس طرح وارد ہے۔

فلما بلغ معه السعی قال یبنی انی اری فی المنام انی اذبحك فانظر ماذا تری پھر جب پہنچا اس کے ساتھ (ترجمہ) اے بیٹے میں دیکھتا ہوں خواب میں کہ تجھ کو ذبح کرتا ہوں، پھر دیکھ تو، تو کیا دیکھتا ہے۔ اس حکم کے بارے میں کیا کہتے ہو تو حضرت اسمٰعیل نے فرمایا یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین (ترجمہ) فرمایا

اے میرے باپ! آپ کو جو حکم ہوا ہے کر دیجئے۔ اگر اللہ چاہے تو
آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ بعدہٗ کچھ دیر اس جگہ
بیٹھے رہے پھر اپنے فرزند جلیل سے فرمایا اب تمہاری کیا رائے
ہے تو حضرت اسمٰعیل نے وہی فرمایا جو اس سے قبل فرمایا تھا۔
فلما اسلما وتلہ للجبین جب دونوں نے حکم مانا تو حضرت
اسمٰعیل نے فرمایا میں آپ کو تین وصیتیں کرتا ہوں، پہلی یہ ہے کہ
آپ براہ کرم میرے ہاتھ پاؤں مضبوط باندھیں کیونکہ میری جان
بہت نازک ہے کہیں چھرے کے زخم کے مارے طیش میں نہ آ جاؤں
اور خدانخواستہ اگر میرا ایک خون کا قطرہ آپ کے کپڑوں میں لگ
جائے تو میں قیامت کے دن گرفتار ہو جاؤں گا۔

دوسری وصیت یہ ہے کہ میرا منہ آپ زمین کی طرف کر
دیجئے کیونکہ فرط محبت سے جوش میں آ کر کہیں قربانی نہ کر سکیں۔

تیسری وصیت یہ ہے کہ جب آپ گھر لوٹ جائیں تو میری
والدہ دل افسردہ کی خدمت میں میرا سلام کہہ دینا اور کپڑا خون
آلود کا ان کو دکھا دینا اور یہ بھی کہہ دینا کہ یہ نشانی تسلی کی ہے۔
بعدہٗ حضرت ابراہیمؑ آپ کی وصیتوں پر عمل کرتے ہوئے آستین
سے چھری باہر نکالی اور چاہا کہ ذبح کریں۔ جب چھری کو اپنی طرف
سے زور سے چلایا تو اس پیکر ایثار بچے کو بچا لیا۔ جب چھری
حلق پر نہ چلی تو آپ غصہ سے چھری کو ہٹا لیا۔ اتنے میں غیب سے
فوراً ندا آئی، اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر
وللہ الحمد۔ جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو جبرئیل امین آواز کرتے
آ رہے ہیں۔ چنانچہ قول باری ہے ونادیناہ ان یا ابراہیم
قد صدقت الرؤیا انا کذالک نجزی المحسنین۔
ان ھذا لھو البلاء المبین۔ اور بچا رہا ہم نے
اس کو اسطرح کہ بے شک تو اپنے خواب کو سچ کر دیا۔ تحقیق
ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں احسان کرنے والوں کو تو یہاں پہ
بھی حضرت ابراہیمؑ کو تیسری مرتبہ آزمایا گیا اور آپ تینوں
امتحانوں میں کامیاب و کامران رہے۔

واقعہ یہ تھا حضرت اسمٰعیل کو جو قربانی کے لئے تیار کئے
گئے تھے اس جگہ بحکم الٰہی حضرت جبرئیل امین نے جنت سے ایک
دنبہ لا کر رکھ دیا۔ جب دوسری مرتبہ چھری زور کی چلائی تو دنبہ
ذبح ہو گیا۔ جب آنکھ کھول کر دیکھے تو اپنے فرزند رشید
کی جگہ یہ دنبہ ذبح پڑا پایا۔ اور آپ کے بازو حضرت جبرئیل امین
کھڑے مسکرا رہے تھے اور دوسری جانب حضرت اسمٰعیل اپنے والد
کے آزمائشوں کو اپنی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

جسکی پشت سے سرتاج انبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
پیدا ہونے والے تھے۔ اسمٰعیل کو بچا کے اور آپ کی جگہ دنبہ کی قربانی
کا حکم دیکر اللہ تعالیٰ نے اپنے مشیت ربانی کا اظہار کر دیا کہ ہم کو
انسانوں کی قربانی اس انداز سے منظور نہیں بلکہ اس کا طریقہ جدا
گانہ ہے لیکن نتیجہ اس قربانی کا یہ ہوا کہ ساری امت مسلمہ پر سنت
ابراہیم کا طریقہ رائج ہو گیا۔

بیان ہے کہ حضرت ابراہیم کا امتحان الٰہی میں صبر، استقلال
کے ساتھ کامیاب ہونا اور عزم و ہمت سے حق تعالیٰ کے حکم کو
بجا لانا معلوم ہوا جس سے انکی شخصیت کا اندازہ ملتا ہے کہ حکم
خداوندی بجا لانے میں کسقدر مستقل مزاج اور فرماں بردار تھے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از مولوی بشیر احمد گنگاپوری مدرسہ العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور۔

خدا پرستی کے نور میں نہائی ہوئی یہ ذات روح و دل کہ ان اندھوں کو بھی دکھائی دیتی ہے جن کو ان کا خدا نظر نہیں آتا۔ پتھروں کے پجاری بھی اس دلکش کردار پر تعجب کی نظریں ڈالتے ہیں تو فرطِ عقیدت سے جھوم جاتے ہیں۔ جن کے حلق چالیس سال تک "صادق وامین" کہتے کہتے خشک ہو جاتے ہیں، عین اس وقت انسانیت اپنی آخری سانس بڑی مشکل سے لے رہی تھی۔ نتیجہ دم کے گھٹنے پر منکل رہا تھا۔ یقیناً دنیا ہلاکت و بربادی کی مہیب و عمیق غار کی متلاشی تھی کہ اچانک ایک غیبی سہارا آن پہنچا اور جلوہ گر ہو کر رہا۔ جس طرح ایک شفیق و مہربان باپ اپنی اولاد کی بربادی اپنی آنکھوں نہیں دیکھ سکتا، بالکل اسی طرح خالق کائنات کو اپنے پرستاروں کی راہ ضلالت پر گامزن ہونا پسند نہیں آیا اور دیکھا نہیں گیا۔ ٹھیک وقت پر معبود حقیقی نے سرور کائنات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت و رسالت کے ساتھ مبعوث کیا تاکہ گمراہوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف کھینچ لائے۔ چنانچہ قرآن اسی کی تصدیق کر رہا ہے۔

الرٰ۔ کتٰب انزلنٰہ الیک لتخرج الناس من الظلمٰت الی النور۔ کفار و مشرکین جن کی آنکھیں چکا چکی تھیں۔ اس کے بلند مرتبہ کو دیکھ کر خیرہ ہو گئیں اور یہیں سے بظاہر ترقی کی راہیں مسدود ہوتی دکھائی دے رہی تھیں لیکن جس کے پیچھے ایک قوی ہاتھ کارفرما تھا کہ کفار و مشرکین عجز و نیاز مندی پر مجبور ہو گئے، مگر ان کے دل قہر و انتقام کی آگ سے معمور تھے۔ ارادے بُرے نکلے، آگ بھڑک اٹھی اور اسی ذات کے خون کے پیاسے بنے دوڑ دھوپ کر رہے تھے، لیکن "مجبوری" نے دم توڑ دیا۔ ننگی تلواریں شرما گئیں۔

دوسری طرف چند حق پرستوں کی ایک جماعت جن کے قلوب توحید کی امانتوں سے معمور تھے ابھر آئے اور باطل سے ٹکرانے پر سینہ سپر ہو گئے۔ انہوں نے سمجھا کہ جام شہادت کا نوش کرنا ہی ہماری نجات کا سبب ہے، ایسے کیوں؟

اس مختصر سوال کا جواب بس یہی کہ ان کی زندگی احکام خداوندی کی دلدادہ اور عمل پیرا ہونے کو بے قرار تھی اور تعلیم رسالت کا وہ انوکھا طریقہ بار بار ان کی تاریک زندگیوں کو جھنجوڑ رہا تھا اور ان کے آگے کلام اللہ کی وہ زندہ جاوید آیتیں جو قربانیوں کی تلقین کر رہی ہوں "حساس دل" اور حق شناس آنکھیں اس تصویر پر کھیا اور ہونے کیلئے ترس رہی تھیں کہ بے ساختہ ان

کی زبانیں ان آیات پر کھل گئیں۔

یاایھا الذین اٰمنوا ھل ادلکم علیٰ تجارۃٍ تنجیکم من عذاب الیم۔ تؤمنون باللہ ورسولہ وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون۔

اس بہترین تعلیم، تعلیم ربانی پر شیدائے دین کی زبانیں کیوں نہ کھلیں؟ دنیوی کونسی ایسی طاقت ہوگی جو بند کر سکے، الفاظ فضائے بسیط میں گونج گئے اور نشتر کا کام کر گئے۔

یہی وہ الفاظ تھے فداہ ابی وامی ہماری جانیں اور ہمارے مال آپ پر نثار ہیں گھبرائیں نہیں۔

یہ الفاظ کھوکھلے اور لغو نہیں تھے بلکہ دلوں کی دھڑکنیں اور بے تاب چیخیں ان میں سمٹ آئی تھیں۔ اس ایثار کے نعرے آج بھی تاریخ اسلام کے سینے پر سرخ حروف میں خون جگر سے تازہ دکھائی دیتے ہیں گویا اس آگ کے شرارے کے جو کوہ آتش فشاں کے دامن میں چھپا رہتا ہو لیکن جب پھوٹنے پر آجائے تو ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

بعینہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت حسن اخلاق کی تکمیل تھی۔ آپ نے ان سنگلاخ وادیوں اور زمینوں میں جہاں زندگی کے دلخراش نمونے انسانی زندگی کا استقبال کرتے ہوں۔ ایسے چٹیل میدانوں میں ببانگ دہل حق کا اعلان فرماتے ہیں۔ حالانکہ آپ کے مخاطبین کفار ومشرکین بھی تھے اور مومن وموحدین بھی آپ کی زبان مبارک سے کیا ہی بیش بہا موتی جو پھولوں کے مانند جھڑتے تھے ہیں۔

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

میری بعثت حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے ہوی۔ آپ نے اپنی آمد اور مقصد بعثت پر عمل پیرا ہونے کو اپنا پہلا فریضہ جانا۔ اور ہمہ تن مصروف کار ہو گئے ہے۔ چنانچہ آپکی دعوت تبلیغ شروع ہوی اور رفتہ رفتہ یہی تبلیغی مشن پروان چڑھنے لگی۔ آپ ابھی مکہ ہی میں مقیم تھے کہ آپ کی تعلیمات نے آگ ان لوگوں کے دلوں میں لگا دی جو حقیقت سے غافل تھے، آگ کی تپش نے بے قرار کر دیا۔ کہ کہیں اسکو بجھائے، یہی سے دنیا والوں کی آمد آمد ہوتی ہے۔ دنیا کا جیہ جیہ مستفید ہونے کو بے قرار وبے تاب ہوتا ہے، تو دوسری سمت اہل کنبہ اور قرابت داروں کی جدائی کا رنج وغم ناقابل برداشت کے متلاطم ہے۔

عین اسی وقت متلاشی حق کا دل توحید کی امانتوں کو اپنے آغوش میں لینے اور ایمان جیسی نعمت سے سرشار ہونے کو پہلو بہ پہلو بدل رہا ہے۔ امن وسکون کے چھین جانے پر پریشان وپراگندہ مارا مارا در در کی خاک چھان رہا ہے، مگر بد نصیبی دیکھئے اس مختصر مدت میں ایک سہارے کی آس بھی نہیں ملتی۔ اس عالم یاس میں حرماں نصیب، خوش بخت کی آنکھیں کچھ ایسے شخص پر پڑتی ہیں، جو دنیوی اعتبار [illegible] کے سہارے سے بھی محروم لاچار پھر رہا تھا اور حق وصداقت کا پرچار کرتے کرتے آگے بڑھ رہا تھا تو دشمنان اسلام کی زبانیں "صادق وامین" کہتے کہتے لڑکھڑانے لگیں تو "شاعر ومجنون اور کاہن" کہنے سے دریغ نہیں کیں تو اس شیدائی کا سر اس کے آگے سجدہ ریز ہونے پر مجبور ہو گیا جس کا دامن اور آغوش ہی راہ نجات

کا سبب بن سکتا تھا۔ اور وہ وقت بھی آگیا کہ فوراً اپنے بھائی سے بڑی آہستگی سے کہہ اٹھتا ہے کہ اے عزیز بھائی! وہ جس کی تعلیمات کا چرچا چاروں طرف بڑی تیزی سے ہو رہا ہے، کیا وہ حقیقت ہے یا کھوکھلا پن؟ آخر وہ تعلیمات ہیں کیا؟ جس کو سننے اور دیکھنے کے لئے کان اور آنکھ آشفتہ ضرور ہیں۔ کیا آیا یہ تعلیمات دھوکہ دینگی یا حقیقت کا نظارہ پیش کریں گی؟ میرا من تو بس یہی چاہتا ہے کہ میں خود اپنی آنکھوں اس شخص کو دیکھ آؤں اور اس کی تعلیمات پر غور و خوض کروں۔ یہی رغبت اور یہی خواہش اور یہی دیرینہ تمنائیں ایک بے چینی دل کو بیقرار اور مضطر کر رہی تھی۔

اب ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ بیقرار دل کس کا تھا؟ یہی وہ ذات تھی جس کا نام ہم جب بھی اپنے زبان پہ لاتے ہیں تو بے ساختہ یا اس سے اس کے پروردگار کی رضامندی کیلئے لب جنبش کرتے ہیں (رضی اللہ عنہ) یہی ابوذر غفاری کی ذات تھی کہ اپنے پیارے بھائی کو سید الکونین نور مجسم نیر اعظم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھ آنے اور آپ کی تعلیمات کو سن آنے پر ترغیب دے رہی تھی۔

چنانچہ بھائی اپنے بھائی کی آشفتگی نہ دیکھ سکے اور آپ کے بڑھتے ہوئے اشتیاق سے متاثر ہو کر بھائی ابوذر غفاری کے فرمان کو لبِ چشم قبول کرتے ہوئے بلا کسی تردد اور شک کے دربارِ رسالت میں پہونچے۔ اس مختصر سے وقت کے اندر اندر حالات کا جائزہ لے چکے تھے۔ دربارِ رسالت سے واپسی کے بعد اپنے تاثرات یوں پیش کئے۔"

رأیتہ یامر بمکارم الاخلاق

میں نے اس شخص کو بنظر غائر دیکھا کہ وہ اخلاق حسنہ کی تعلیم دے رہا ہے۔ صرف اسی ایک واقعہ پہ اکتفا نہیں کیا جا سکتا، ایسے کیوں؟ بس اسی وجہ سے کہ تاریخ ان واقعات کا خزینہ ہے اور وہی واقعات اُگل رہی ہے اور ہم سے یہی واقعات شکوہ شکایت کرنے ہیں۔ چنانچہ صاحب قصیدہ بانت سعادہ کعب بن زہیرؓ اور ان کے بھائی بجیر بن زہیر زمانۂ جاہلیت کا منظر کا ملاحظہ ہو۔ کعب بن زہیر جنہوں نے قبول اسلام ہی سے انحراف نہیں کیا، بلکہ داعی اسلام کی بے حرمتی و تحقیر کے درپے ہو گئے۔

باطل کے مٹنے کا وقت آ ہی گیا، لیکن جب باطل کے ابطال کا وقت آ جائے تو مسدود راہیں خود بخود کھلتی ہیں یقین جان لینا چاہئے کہ بربادی استقبال کیلئے آگے بڑھ رہی ہے۔ اسی نظریہ پہ اطمینان کر لینا اور زندگی سے مایوس ہو جانا کفر ہے، بلکہ کفر کے منازل سے سبقت لے جانا ہے۔

عین وقت پہ ایک غیبی امداد گویا چور دروازہ سے داخل ہوتی ہے اور صراط مستقیم کی ہدایت کرتی ہے۔ ایسے پُر مسرت وقت میں ایک ہی حزن کے دو عظیم ہیکل جثے بغل گیر ہوتے ہیں اور بجیر بن زہیر اپنے بھائی کعب بن زہیر سے سرگوشی میں ہمکلام ہوتے ہیں، اے بھائی کعب میرے! تم یہیں رہ کر بکریوں کی پاسبانی میں مصروف رہو۔

آج میں تہیہ کر چکا ہوں کہ اس شخص کے پاس پہنچوں جس کا نام ہر شخص کی زبان پر چڑھ گیا ہے جو سب کے لئے معمہ بن بیٹھا ہے، جس کی شہرت لفظ محمد سے ہو چکی ہے۔ جس کی تعلیمات ہر عاقل و دانشمند کو سرنگوں کرنے پر مجبور کر رہی ہے دیکھ آؤں آیا وہ سچے ہیں، یا

مبالغہ آرائی سے ملبوس ۔

بھلائی کے راستے استقبال کے لئے بے قرار ہیں کہ متلاشی
حق کے قدم ہمارے سینوں پر رکھے جائیں۔ قدم کے اٹھنے میں بھی
سبکی تھی۔ گذرا ہوا وقت سمٹ چکا تھا۔ اُدھر دربار رسالت عام
تھا جس میں شناسائی اور اجنبی دونوں بیک وقت داخل ہو سکتے تھے،
گذرے ہوئے راستے کا سمٹ آنا اور منزل مقصود کے راستے کی
تنگی اور جذبات کا ابھر آنا ان سب کا بیک وقت جمع ہونا گویا دیرینہ
تمناؤں کا بر آنا ہے کہ خدمت رسول صلے اللہ علیہ وسلم میں حاضر
ہوتے ہیں، انوار محمدی کے فیوض و برکات نے احاطہ کر لیا، اب کیا
تھا، تاریک دنیا منور ہونے لگی، فیضان محمدی عام تھا۔ لوٹنے
والوں نے خوب لوٹا اور یہ فیوض اس حد تک سرایت کر گئے، کہ
رفاقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لمحہ کی جدائی اپنی جگہ
قیامت ڈھا رہی تھی، ایسے نازک وقت میں انہیں حالات سے
مجبور ہو کر کعب بن زہیر نے ایک خط بھائی بجیر بن زہیر کے نام
لکھا جو قصیدہ کی نوعیت پر مشتمل تھا۔ خط کی عبارت نظم کی
شکل میں ملاحظہ ہو:۔

سقاک بھا المامون کاسا رویۃ
فانھلک المامون منھا وعلکا

تمہیں مامون (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) نے تر و تازہ جام شہادت
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پلا دیا ہے، ایکمرتبہ نہیں
بلکہ دو مرتبہ پلا دیا ہے۔

ففارقت اسباب الھدی واتبعتہ
علی ای شیء ویب غیرک دلکا

تم نے اسباب ہدایت (دین آباواجداد) کو چھوڑ دیا اور
اس نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو اختیار کر لی ہے ہلاک
و برباد ہو گئے تم (بھلا) تم کو انہوں نے کس چیز پر چلایا۔

جواب کی خوبی ملاحظہ ہو کس قدر عمدہ اور کیا ہی پُر
کیف اور پُر جوش تھی، جواب کیا تھا بلکہ ایک طوفان خیز ہنگامہ
تھا۔ جو مانند سیلاب کے سارے خس و خاشاک کو بہائے لے
جا رہا تھا، گویا دل کی کدورت اور میل کو دور کرنے کا بہترین
آلہ تھا، دربار رسالت کے تاثرات کا قلمبند کیا ہوا ایک مسودہ
تھا جس کا مضمون دل کو نشتر لگا رہا تھا۔ چنانچہ بجیر بن کعب
رقمطراز ہیں:۔

الی اللہ لا العزی ولا اللات وحدہ
فتنجوا اذا کان النجاۃ فتسلم

تم کو تو چاہیئے کہ خدائے وحدہٗ لا شریک لہ کی طرف
رجوع کرے اور (میری طرح) تم بھی مشرف با اسلام ہو جاؤ
لات وعزیٰ کی پرستش سے باز آؤ تو نجات پاؤ، بشرطیکہ
نجات چاہا ہو اور اسی میں سلامتی مضمر ہے ورنہ یقین جانو، کہ
اب تمہاری خیر کی امید نہیں، بالکل نہیں۔

فدین زھیر وھو لا شیء دینہ
ودین ابی سلمی علی محرم

اے کعب! تم جو اپنے آباواجداد کے دین کی طرف دعوت دے
ہو اور اس کو سنا کر عار دلانا چاہتے ہو یقین جانو کہ باپ زہیر
کا دین کچھ نہیں ہے اور ابو سلمی کا دین مجھ پر حرام ہے۔

مکالمہ ختم ہوا کہ معاملہ ایک نیا رخ اختیار کر گیا۔ گردش

ایام کی نیرنگیاں کچھ اور کھیل پر اُتر آئی تھیں۔ ایک ہی خون دو مختلف شکلوں میں طبع آزمائی کر رہا تھا، کہیں یہی خون مطمئن تھا تو کہیں، بے چین ضرور تھا۔ لیکن وقت وہ بھی آگیا کہ کسی کے حق میں اس کی جان کا فیصلہ، تو کسی کی جان بخشی کی بشارت، کسی کا دل حق کے نور میں حقیقت سے آشنا تو کسی اور کا دل غفلت کے پردوں میں ڈھکا ہوا حقیقت سے کورہ ہو کر جلوہ گر ہوا جا رہا تھا۔ اور اسی کے حق میں قتل کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ ایک ہی خون کا دوسرا جزو، کب قرار کی نیند سو سکتا ہے جبکہ اس کے قتل کا فیصلہ سنایا گیا ہو عین وقت پر بجیر بن زہیر نے کعب کو پوری دلجمعی سے ہمت کا دامن تھامے ہوئے بہت ہی رنج و غم کے ساتھ خبر دی کہ اے میرے عزیز بھائی کعب! تمہیں اس بات کی خبر دیتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ آج رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے تمہارے حق میں قتل کا فیصلہ سنا دیا ہے۔ حقیقی بھائی کے ناطے میں یہ ضروری سمجھ رہا ہوں کہ آپ کو معلوم کراؤں۔ خدمت رسول میں حاضر ہو جاؤ اور تائب بنو تمہارے لئے بہتری ہے۔

تاریخ کے اوراق آج بھی کھلے ہیں۔ رفاہ عام ہے جن کو ہر شخص پڑھ سکتا ہے، کوئی روک ٹوک ہرگز نہیں۔ جو سیرۃ رسول کا سچا نمونہ ہے ابتدا سے انتہا تک کی تصویر کھینچی ہوئی ہے آپ کے زندگی کے حالات کا جائزہ لینا خود کی زندگی کا سنوارنا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ آپ کے حسن اخلاق کی تشریح قیامت تک مکمل ہو نہیں سکتی اور اسکی تشریح کے لئے قلم کا اُٹھنا اور اٹھانا قلم کے ٹوٹنے اور ہاتھوں میں رعشہ پیدا کرنے کے سوا کچھ حاصل نہیں اور اخلاق حسنہ کی تشنگی نہیں بجھے گی۔ پھر دنیا ایک نئے مؤرخ کے پیدا کرنے پر مجبور ہوگی۔ آنے والا مؤرخ یہی الفاظ دہرانے پہ مجبور ولاچار ہوگا کہ "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی مکمل تشریح ممکنات سے نہیں ہے"۔

بلاشبہ انسان ایک مجبور بندہ ہے اور محتاج انسان، لیکن خدا بے نیاز ہے، انسان کی افتادگی اخلاق حسنہ کی تشریح کو مانع ہے مگر خدائے تعالیٰ مختصر اور جامع الفاظ میں یوں فرماتا ہے

ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ

یعنی یہ پیغمبر جاہلوں کو حکمت کی باتیں سکھلاتا ہے۔

سینکڑوں سال کی بات آج پھر کہہ رہا ہوں اور یہ سچ ہے کہ آج جہاں کہیں بھی اخلاق حسنہ کا نمونہ موجود ہے تو وہ صرف آقائے نامدار احمد مجتبیٰ احمد مصطفےٰ سرور کائنات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا ایک ورق ہے

فداہ ابی وامی

یہی وجہ تھی کہ اقبال کی نوک قلم نے جنبش کی،

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

سیرت حضرت عباسؓ

از محمد ابوبکر برکاتی
دار العلوم لطیفیہ
مکان تھر قطب ویلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم الذی کان سببا
الوجود الاکوان ولولاہ لما تعینت الاعیان

نہ جانے اس مادر گیتی نے کتنے ایسی شخصیتوں کو جنم دی ہے جن کی زندگیاں ہمارے لئے راہِ عمل اور مشعل راہ بن گئی تھیں اور انہیں لوگوں کے اوصاف کا ہم لوہا مانتے ہیں اور اس پر ہر مسلمان کا ایمان ہے۔

آج بھی تاریخ کا ایک ایک باب انہیں لوگوں کے ناموں سے سنہرے حروف میں لکھا گیا ہے۔ انہیں کے کچھ فیوض تھے جو ہر شخص اپنی قسمت سے مستفید ہوتا ہے مگر دوسری سمت قضا کے ظالم پنجے نے پیچھے آنے والی نسل کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم رکھا۔

انہیں ہستیوں کی دیدار کے لئے آج بھی ہماری آنکھیں ترس رہی ہیں لیکن یہ لایعنی سی بات ہوگی کہ ہم پھر اس دنیائے فانی میں دیکھیں۔ چند اشخاص وہ بھی تھے جن کا مطالعہ ہماری زندگی میں انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔ جہاں بھی ان کا نام آتا ہے تو بلا تامل کسی کے حق میں رضی اللہ عنہ اور کسی کے حق میں رحمۃ اللہ علیہ کے کلمات سے لبوں میں جنبش ہونے لگتی ہے۔

کچھ وہ بھی تھے جن کے کارنامے پڑھ کر ہستجابا مہتوں

وبہ نستعین

کی زبانیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں اور برجستہ یہ کہنا پڑتا ہے

ع اے خدا ایسی چنگاری بھی تیری خاکستر میں تھی۔

چنانچہ انہیں شخصیتوں کے نام جب آتے ہیں تو آپ کا نام سرفہرست ہے اور یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ "خدا آپ سے راضی ہو" آپ کی بہت سی خوبیوں اور کارناموں نے دنیا میں اپنا ایک زندۂ جاوید نام چھوڑا۔ جو آج بھی آپ کا نام اور آپکی سیرت لوگوں کے لئے چراغ راہ ہے۔ جن کے دل حق و صداقت کے متلاشی ہیں۔ آپ کی یہی اوصافِ جمیلہ و بے مثل فضائل کی کثرت تھی کہ اپنی ہی قرابت داروں کے دل ان کی اظہار کے لئے بے چین تھے چنانچہ قرّہ بن رحجل بن عبدالمطلب نے فخریہ انداز میں یوں کہا ہے۔

مافی الانام عمومۃ کعمومتی
خیرًا ولا کاناسنا اناسنا

(یعنی تمام آدمیوں میں ایسے بہتر اعمام (چچا) کسی کے بھی نہیں جیسے میرے ہیں اور نہ ایسے آدمی ہیں جیسے ہمارے خاندان کے آدمی ہیں)

غرض آپ کی ذات بہت سی خصوصیات کی مالک تھی۔ یہی باتیں تھیں کہ آپ کا مقام اپنے خاندان میں بہت بلند تھا اور آپ بہت ہی ممتاز تھے۔ یہ کہنا سچ ہے کہ جو شخص اپنے خاندان کا چشم و

چراغ ہوتا ہے۔ عہد طفولیت ہی سے اس کی بزرگی کی علامت اسکی پیشانی پر چمکنے لگتے ہیں ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی می تافت ستارۂ بلندی

وہ سب کے قبول نظر ہوتا ہے۔ آیئے اب ہم یہ جاننے کی کوشش کریں کہ آثار کس روپ میں نظر آتے ہیں۔ چنانچہ تہذیب الاسماء میں امام نووی رح اس طرح رقمطراز ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سال کے بڑے تھے۔ عمر کی اس فوقیت نے آپ میں مزید اضافے پیدا کر دئے۔ آپ خود کہتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت اس فانی دنیا میں، تشریف لائے تو عورتیں خوشی کے مارے پھولیں نہیں سما رہی تھیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپکے آغوش میں لا رکھیں اور کہنے لگیں کہ لو ان کو پیار کرو۔ فرط محبت اور معصومانہ اداؤں سے میں آپکے دہن مبارک کو بوسہ دیا۔

لیکن اتفاقیہ آپ ایک موقعہ پر گم ہو جاتے ہیں۔ اس وقت آپکی عمر بمشکل کوئی پانچ سال کی ہوگی۔ ماں کی پریشانی کا وہ عالم کہ تلاش میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ جوش محبت کچھ اس طرح کار فرما ہوتا ہے کہ نذر کرتی ہیں کہ میرا لخت جگر کہیں مل جائے تو کعبۃ اللہ پر (جو بیش بہا حریر و دیباج ہوتا ہے) غلاف چڑھاؤں گی۔ سچی عقیدت اور مخلص نیت تھی کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ مل گئے۔ والدہ نے اپنی نذر پوری کی۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دور کے متقی و پرہیزگار تھے۔ جب آپ کی شہرت چاروں طرف ہو گئی، اور قریش کو اپنے قبیلے کے ایک خدا ترس بندہ پر فخر تھا۔ باوجود آپ کے ایک اور بھی بھائی تھے لیکن وہ خصوصیات ان میں نہ تھیں جن کے آپ مستحق تھے، اور لوگوں کی نظریں بھی آپ پر بار بار اٹھ رہی تھیں۔

جو باتیں آپ میں پرورش پا رہی تھیں وہ یہی تھیں، حلم شجاعت، سخاوت، سیادت خاندانی، صلہ رحمی، اسی وجہ سے لوگوں کا یقین اپنے کمال درجے کو پہنچا۔ باہم انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ حفاظت بیت اللہ و عمارت حرم محترم کی ذمہ داری آپ کے سپرد کر دی جائے۔ چنانچہ یہ اعلان کر دیا گیا کہ کوئی بھی شخص اگر حضرت عباس رض کا کہنا نہ مانے گا، تو اس کو ساری قوم کے مقابلہ کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

چنانچہ حضرت عباس رض ہر وقت کعبۃ اللہ کی نگہبانی میں ہمہ تن مصروف رہے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ آپکے آگے زبان کھولے اور عدول حکمی کرے۔ آپ کے حکم کے آگے لوگوں کی گردنیں جھک جایا کرتی تھیں۔ عہد جاہلیت ہی میں لوگ آپ کی خدا ترسی کا لوہا چونکہ مان چکے تھے اور ہر طرح آپ کی فرماں برداری کے لئے بیقرار رہا کرتے تھے۔ اس کی توجہ تو بعض نیک اوصاف سے ہٹا کرتی ہے جن کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ ایک وصف خود حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یوں ادا ہوا تھا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں ھٰذا العباس اجود قریش کفا و اوصلھا رحمًا یعنی حضرت عباس رض قریش میں اعلیٰ درجہ کے سخی ہیں اور اعلیٰ درجہ کی صلہ رحمی کرنے والے ہیں)۔ حضور پر نور سے بڑی ذات اور شخصیت کون ہو سکتی ہے

اور آپ سے بڑھکر جامع تعریف کسی شخص کی اور کون کرسکتا ہے
اس مختصر سی جامع تعریف آپکی زندگی کے ہر پہلو کو اجاگر
کردیتی ہے۔

آئیے اس پہلو پہ بھی ایک نظر ڈالیں جہاں کفر و اسلام
کی ٹکر ہوی ہے تو چچا بھتیجے کے آگے ایک قیدی کی شکل میں
گرفتار آتا ہے اور ساتھ ایک قریبی رشتہ دار حضرت علیؓ کے
بھائی عقیل بھی ہیں، بے ساختہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ
مبارک سے یہ کلمات نکلتے ہیں، "او گرفتار کر لانے والے! ان قیدیوں
کی گرفتاری تیرے بس کی بات نہ تھی۔ مگر تیرے پیچھے ایک ایسا
قوی ہاتھ کارفرما ہے کہ جسکو تیری آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں۔
بہر صورت جنگ بدر میں حضرت عقیل اور حضرت عباس حالتِ
اسیری میں بھتیجے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں حاضر ہوتے ہیں اور ہاتھوں میں بیڑیاں پڑی ہیں، جن کے
جکڑے جانے کی وجہ سے قوتِ برداشت بھی ہوا ہونے لگی اور
آپ برابر کراہتے رہے۔

یہ آواز دربارِ رسالت میں بے قراری پیدا کر رہی تھی
جس کا لازمی نتیجہ تھا کہ رات بھر کروٹیں لے رہے تھے۔ اس کے
ازالہ کی کوئی تدبیر ممکن نہ تھی۔ یہ اس شخص کا حکم تھا جس کے
ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان تھی۔ ایک طرف اپنے بزرگ
چچا کی تکلیف جو دیکھی نہیں جاتی تھی تو دوسری طرف خدا کا حکم
اور خود [illegible]تی برابر بھی کمی بیشی نہیں ہو سکتی تھی۔ تیسری طرف
ان سرداران قریش کی بھی یہی ناگفتہ بہ حالت تھی۔ اگر ادھر
اپنے چچا کے ساتھ رعایت اور ڈھیل کا خیال آتا بھی تھا، تو
ایک اور سمت سے موافقین و مخالفین کی شکوہ و شکایتوں
کی بوچھار کا خدشہ۔ اسی کشمکش نے غمازی کی کہ آپ پریشان
ہیں۔ ایک شخص جسکی نگاہیں جاسوسی کر رہی تھیں کہ فوراً وہ شخص
عباس کے بندھن کو ڈھیلا کر دیتا ہے۔ اب چونکہ کچھ افاقہ
ہو چکا تھا تو خاموش ہو گئے۔ اسی خاموشی نے اور چونکا دیا،
پوچھا گیا کہ کیا بات ہے کہ حضرت عباسؓ کی کراہنے کی کوئی آواز
نہیں آرہی ہے؟ تو اس شخص نے سارا ماجرا بیان کیا تو فوراً
آپ نے اعلان فرما دیا کہ سب کے بندھن ڈھیلے کر دئے جائیں۔

صبح کا تارا کا اپنے ساتھ ایک اور رنگ لاتا ہے۔ مشورہ
کیا گیا کہ فیصلہ کس طرح ہو۔ بہر نوع فیصلہ اس بات پہ ہوا کہ فدیہ
لیا جائے اور آزاد کیا جائے۔ اس کی توجیہ یہ تھی کہ سب کے سب
سرداران قوم ہیں۔ اگر یہ ایمان لائیں تو سمجھ لینا ہوگا کہ ان کے
قبیلے بھی دائرۂ اسلام میں آجائیں گے۔ اور ان سے اچھی امیدیں
وابستہ رکھی جا سکتی ہیں۔

لیکن دوسرا رخ کچھ اسی طرح شدت پہ آچکا تھا کہ فیصلہ
کیا تھا کہ قولِ فیصل کا وزن رکھتا تھا اور شدت سے تعبیر کیا جاتا
ہے جسکو قرآن اس طرح یاد کرتا ہے۔ اشداء علی الکفار

حضرت فاروق اعظمؓ کی رائے تھی کہ ہر مسلمان اپنے قریبی
رشتہ داروں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر ڈالے۔ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم حضرت عمر فاروقؓ سے یوں مخاطب ہوئے اتأمرنی
اقتل العباس! اے عمر! کیا تم مجھ سے کہتے ہو کہ میں اپنے
چچا عباس کو قتل کر ڈالوں۔ استعجاب کی انتہا ہو گئی۔ کیا ہی معنی
خیز جملہ تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ کی دلیری و بے باکی ہوا ہونے

لگی۔ فوراً آپ نے جواباً کہہ دیا۔

"فجعل عمر یقول ویل العمر ثکلت امہ (بربادی ہو عمر اور ان کی ماں، اس پر رونے تاسف کا اظہار ملاحظہ ہو۔

یہ وہی عمر تھے کہ آپ کا رعب دنیا پر چھایا ہوا تھا۔ قیصر روم کے چھکے چھوٹے ہوئے تھے اور یہی عمر تھے کہ آپ کے دُرّے کا خوف دلوں میں اس طرح جاگزیں تھا کہ وقت وقت کے سُورماؤں کی پیشانیوں پر پسینہ آجایا کرتا تھا کسی کی طاقت نہ تھی کہ آنکھیں چار کرے۔ صدیق اکبر کی دُور اندیش نگاہیں کچھ اور ہی دیکھ رہی تھیں۔ آپ کا ادعا فدیہ تھا۔ آخر بات فدیہ کی ٹھیری، چنانچہ کہا گیا کہ آپ اپنا اور اپنے دو بھتیجے عقیل و نوفل کا بھی فدیہ دیں۔ حضرت عباسؓ اپنے بھتیجے سے اس طرح ہمکلام ہونا چاہتے ہیں، اے بھتیجے جتنا روپیہ میں گھر سے لے نکلا قریباً سب ہی قریش کی خورد و نوش پر خرچ ہو گیا۔ فی الحال میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ مفسر تفسیر کبیر نے لکھا ہے کہ اس وقت آپ کے پاس تخمیناً بیس۲۰ اوقیہ سونا تھا جو آپ سے لے لیا گیا۔

جو آپ کفار پر خرچ کرنے لائے تھے، حضرت عباسؓ نے اپنے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کیا تم اس کو گوارہ کرتے ہو کہ تمہارا چچا دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلائے۔ حضور صلعم نے فرمایا وہ سونا جو آپ نے چچی صاحبہ کے پاس رکھا تھا وہ کہاں ہے؟ حضرت عباسؓ نے کہا کہ اسکی تمہیں کیسے خبر ہوئی۔ یہ کام تو میں نے بالکل رات کے وقت سب سے علیحدگی میں کیا تھا۔

آپؐ نے فرمایا اسی وقت جبرئیل امین نے مجھے اس کی اطلاع دی۔

اتنا کہنا تھا کہ آپ نے بآواز بلند علی الاعلان کلمہ طیبہ پڑھنا شروع کیا اور کہنے لگے، میں تو پہلے ہی سے مسلمان تھا اور آپ کی عظمت میرے سینے پر مسلط تھی۔ میرا سلوک آپ پر ظاہر ہے، جس سے آپ بخوبی واقف ہیں اور اس وقت میں قریش کی مجبوری سے آپ کی خدمت میں اس حالت میں حاضر ہوا ہوں۔

حضور نے فرمایا کہ آپ کا کہنا سچ ہے تو یقین جانیئے کہ اس کا بدلہ خدا ضرور دے گا۔ یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ آیت نازل ہوئی یا ایھا النبی قل لمن فی ایدیکم من الاسریٰ ان یعلم اللہ فی قلوبکم خیرا یؤتکم خیرا مما اخذ منکم ولیغفر لکم واللہ غفور رحیم (ترجمہ) اے نبی ان لوگوں سے کہہ دو، جو تمہارے پاس قیدی بن کر آئے ہیں، اگر اللہ تعالےٰ جانے گا کہ تمہارے دل میں نیکی ہے تو تم کو اس سے بہتر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تم کو بخشے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور جنگی کارنامے

از
محمد سراج الدین کٹکی
زمرۂ ثالثہ
دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

تاریخ اسلام کے گوشوں سے دبی ہوئی آواز شکایتوں سے پُر، اُن لوگوں سے گلہ کرتے ہوئی سُنائی دے رہی تھی، جنہوں نے اس کو بھُلا دیا تھا۔ ان شکایتوں کی بوچھار نے چین لینے نہیں دیا۔ اس دبی ہوئی آواز کی تلاش کرتے کرتے تاریخ اسلام کے اوراق کی چھان بین ہونے لگی۔ انہیں اوراق کے کسی ایک کنارے پر جلی حروف میں خالد سیف اللہ فاتح بلاد الشام کے خطوط دکھائی دے رہے تھے، جو حضرت خالد بن ولیدؓ کی زندگی کا ایک ورق تھا جس پر کہیں دلیری و جوانمردی، جوش و خروش، سپاہی و سپہ سالاری کے حروف کنداں تھے جو حضرت خالد بن ولید کی زندگی میں ڈھل کر دوسروں کے لئے نمونہ بن گئے تھے۔

تاریخ عرب پر گہری روشنی ان کی روزمرہ عادات و اطوار کو ظاہر کر رہی تھی، جہاں ان کی آرام طلبی و عیاشی، ظلم و استبداد اور جنگ و جدل جیسی ساری برائیاں شدت سے تھیں، اس کے دوسرے رُخ پر خوش اخلاقی، مہمان نوازی، غرباء پروری، جود و سخا جیسی خوبیاں بدرجۂ اتم جنم لے رہی تھیں۔ سرزمین عرب پر آفتاب اسلام اپنی ساری شعاعوں سے نمودار ہوا، جو ایک ایک کنکری کو بھی جلا دیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا تو نور سے معمور ہونے والی کنکریوں میں نکھار بڑی شد و مد کے ساتھ جو بن پر آ رہا تھا اور یہی دل امر رب کی تعمیل بجا لانے اور سنت رسولؐ کو زندہ رکھنے کے لئے اپنے مالوں اور جانوں کو فروخت کر رہے تھے، جن کا خریدار خود خالق کائنات تھا، جس کی صداقت قرآن کی ان آیتوں سے ہوتی ہے ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ الخ آپ خالد کے نام اور سیف اللہ کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں اور آپ کی پیدائش سنہ ۲۲ یا ۲۳ ھ سے پہلے ہوئی اور آپ کے باپ ولید اور ماں لبابہ صغریٰ تھیں اور آپ قبیلۂ عدنان سے تعلق رکھتے ہیں اور عدنان کی کڑی حضرت اسمٰعیلؑ کے خاندان کی زنجیر سے جا ملتی ہے۔

ولید کی جملہ سات اولاد تھی جن میں سے خالد اور ہشام اور ولید آفتاب اسلام کی ضیاء بار شعاعوں میں چمک کر رہ گئے۔ بقیہ نے اپنے باپ کی کفریہ زندگی کو اپنا نمونہ بنا لیا۔ لیکن حضرت خالدؓ کی

ابتدائی زندگی گم ہے، اس کی توجیہ یہی ہو سکتی ہے کہ کسی کو علم نہ تھا کہ خالدؓ اپنی زندگی میں ایک انقلاب لے آئیں گے اور اپنی تاریک زندگی کو اسلام کی روشنی سے دھو دینگے، جن سے اسلام کو بڑی تقویت حاصل ہوگی کیونکہ آپ کی روش بھی ان پگ ڈنڈیوں پر ہو رہی تھی جہاں اچھی امنگ کو شکست کھانی پڑتی ہے لیکن وقت کے تقاضے پورے ہوتے ہیں تو ان لبعض الظن اثم کی تفسیر کے محتاج ہو جاتے ہیں یعنی "ذرہ سا گمان بھی گناہ بن جاتا ہے"۔

آپ شجاعت و بہادری میں یکتائے روزگار تھے۔ چنانچہ پہلے والے دیگر حضرات قریش کی طرف آپ کی توجہ کو مبذول کرتے تھے مگر آپ کا میلان شہسواری کی طرف زیادہ تھا۔ جو مہمات آپ کو سر کرنے تھے ان فوجوں کی قیادت آپ ہی کے سر تھی۔ آپ کی بڑھتی ہوئی جنگی صلاحیت نے خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رض کو سپہ سالاری کی خدمات سے ہٹانے پر مجبور کر دی آپ کی نگاہیں بہت دور دیکھ رہی تھیں، آپ کو خوف ہونے لگا کہ لوگوں کے اعتقادات صرف آپ کی ذات سے فتح و نصرت کے شگون لے رہے تھے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ عقیدہ راسخ نہ ہو جائے اور اس طرح شرک کا شیوہ نہ چل پڑے۔

حضرت خالدؓ کے قبول اسلام سے پہلے حق و باطل کے درمیان ٹکراؤ ہوا تھا۔ اس کارزار میں کفار کے مقابل میں اسلامی لشکر بہت کم تھا۔ لیکن قریش کی تعداد ۱۳ ہزار تھی۔ جن میں ۲۰۰ سو سوار اور ۷۰۰ ۔۔ لیکن مسلمان ان کی گنتی سات سو سے آگے نہیں بڑھ رہی تھی۔ جو دو سو سوار اور ایک سو زرہ پوش تھے۔ کفار کے سپہ سالار حضرت خالد تھے۔ لڑائی کا آغاز ۷ شوال کو ہوا۔ لڑائی جب شباب پر پہنچی، تو لاشیں ڈھیر ہوتے ہوئے دکھائی دینے لگیں۔ پہلے پہل کفار کے اوسان خطا ہو گئے۔ انہوں نے میدان خالی کیا مسلمانوں نے غنیمت پانا مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جبیر رض کو پچاس تیر اندازوں کے ہمراہ پہاڑی کے اس موڑ پر کھڑا کیا جہاں سے دشمن اپنی گھات میں رہ کر یورش نہ کر بیٹھے جس کا خدشہ پہلے سے تھا۔ اور یہ تاکید آپ نے فرمائی کہ کسی طرح یہاں سے نہ ہٹنے۔ مگر غنیمت کے لالچ نے جگہ کو خالی کرنے پر اکسایا۔ ان غفلت پر خالد کی تاک رنگ لائی۔ بیک وقت حملہ آور ہوئے، جو خالد کی تیروں کی بارش کو مسلمان تاب نہ لا سکے بھاگنے پر مجبور ہو گئے کچھ لوگوں کی نافہمی اور غنیمت کی حرص نے مسلمانوں کو شکست دی جس میں حضور علیہ السلام کے دندان مبارک شہید ہو گئے۔

احد کی فتح پر کفار و مشرکین بغلیں بجانے لگے اور خالد کی آرزوؤں کی تکمیل ہوتی جا رہی تھی۔ داعیٔ اسلام اور اسلام کی سے صرف انحراف ہی نہیں کر رہے تھے بلکہ ہجو پر پوری طرح اتر آئے تھے لیکن یہ حالت زیادہ دن نہ رہی کیونکہ ہدایت کے چراغ قدم قدم پر راستوں میں روشن ہونے لگے، دلوں کی تاریکی چھٹ رہی تھی، اور مخالفت کی جگہ صداقت لے رہی تھی۔

من یھد اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ آپ کے بھائی ولید بھی دائرۂ اسلام میں آچکے تھے۔ خالد مکہ چھوڑ کر اپنے بیقرار دل کو مطمئن کرنے کی غرض سے سوچ بچار کی وادیوں میں غوطہ زن ہو گئے تھے۔ بھائی ولید کا یہ خط آپ کے نام آپہنچا جس میں تحریر تھا کہ اسلام قبول کرنے میں ایک رمق تاخیر نہ ہونے پائے۔ خط کیا

تھا، اُبھرتے ہوئے جذبات کی تائید تھی۔ فوراً قریش میں اعلان کر دیئے کہ ہر عاقل شخص پر اس بات کا انکشاف ہو جائے کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ جس کے ہاتھ پر میں نے اسلام قبول کیا ہے وہ نہ شاعر ہے نہ مجنون۔ وہ سلیم العقل انسان ہے سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔

حضرت خالد بن ولید کے اسلام لانے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ عکرمہ بن ابوجہل کو اس کی اطلاع ہوئی تو متعجباً عکرمہ نے حضرت خالد سے کہا کہ کیا اے خالد اسلام لائے ہو جواب ملا کہ ہاں! اسلام کے حدود میں پہنچ گیا ہوں۔ عکرمہ نے آہ بھری اور کہا کہ تم بے دین ہو گئے، اپنے آباواجداد کے دین سے منہ موڑ لئے ہو۔ افسوس ہے اس باہم گفتگو کے اختتام پر ابوسفیان کے بے صبری نے تلوار کو بے نیام کر دیا۔ اس غلط حرکت نے عکرمہ کو بوکھلا کر دیا۔ لیکن عرب کی خودداری اور شجاعت دونوں آپے سے باہر ہو گئے۔ عکرمہ نے ابوسفیان سے کہا کہ قریش کے پاؤں میں غلامی کی زنجیریں نہیں ہیں، وہ آزادی کا دم بھرنے والے ہیں۔ خالد کا اسلام قبول کرنا قابل جرم ہے تو خوب جان لو کہ میں بھی اپنے آباواجداد کے دین کو خاطر میں نہیں لاؤں گا۔ عکرمہ کی اس شعلہ بار تقریر نے ابوسفیان کی پیشانی پر بل ڈال دیئے۔

اب عکرمہ کے خیالات میں بھی ایک انقلاب آ گیا۔ خیالات کی دنیا وسیع ہوتی گئی اور یہی خیالات کبھی اپنے دین کے ترک کرنے سے الجھ رہے تھے۔ اور کبھی اپنی غلط روی کا احساس دلاتے ہوئے آگے بڑھنے کی فکر میں گھر جاتے۔ ہر نوع تغیرات کے انوکھے طریقے کہیں خوشی اور کہیں غمی کے سبق دیتے جاتے تھے۔

آخر کار عکرمہ اور خالد کے قدم بڑی تیزی کے ساتھ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب بڑھ رہے تھے۔ اس کی اطلاع آپ کو پہلے ہی ہو چکی تھی۔ گویا آپ ان کے منتظر تھے۔ خالد بن ولید اور عکرمہ دونوں بہ یک آواز پکار اٹھے کہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وانک رسول اللہ۔

آپ نے فرمایا الحمد للہ الذی ھداک الاسلام مجھے یقین تھا کہ تم اسلام لاؤ گے اور اپنے کارناموں سے اسلام کو تقویت پہنچاؤ گے۔ خالد بن ولید نے التماس کی کہ حضور اسلام سے قبل مجھ سے جو ناشائستہ حرکتیں ہوئی تھیں درگذر فرمائیں آپ نے آپ کی گناہوں کی مغفرت کی دعا کی۔

اسلام کے قبول کرنے کے بعد حضرت خالد بن ولید نے جو اہم رول انجام دئے تھا ان کا احاطہ خود ایک مشکل امر تھا لیکن وہ کارنامے جو چھپائے نہ چھپے ان کا اظہار کرنا سراسر ظلم نہیں۔ تو کم از کم ناانصافی تو ضرور ہے۔ حضرت خالد بن ولید ابھی ابھی اسلام کے آغوش میں آئے ہوئے تھے، مقام موتہ کی زمین دعوت دے رہی تھی اس جنگ کا آغاز قیصر روم کے مقرر کردہ حاکم شرجیل کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے ہوا جس نے داعی اسلام کے قاصد حارث بن عمیر پر تلوار اٹھائی تھی۔ ایسے تو ایک ایلچی کا قتل دنیا کے کسی بھی قوم کے نظروں اور ان کے مذہب میں جائز نہ تھا۔ لہذا حضور نے زید بن حارث کی سرکردگی میں فوج کو وداع کیا اور یہ تاکید کی گئی کہ زید بن حارث کے بعد جعفر بن طیار کو اپنا سپہ سالار تسلیم کر لینا ہوگا اگر اس کے بعد بھی ضرورت محسوس

ہو تو عبداللہ بن رواحہ کو، چنانچہ ان تینوں کی شہادت کے بعد ایک اور کی ضرورت ہوئی۔ گھمسان کا رن پڑا تھا کہ اس دوران ان تینوں جنگجو سپہ سالاروں کا جامِ شہادت نوش کرنا گویا مسلمانوں کے جی چھوٹ گئے تھے۔

لوگوں کی نگاہیں کھوئی کھوئی سی سب کی حاضری لے رہی تھیں کہ اچانک خالد بن ولید پہ جم کر رہ گئیں۔ پہلے سے مخالفین پر خالد کے نام کا سکہ بیٹھا ہوا تھا، آپس میں یہ طے کیا کہ ہمارے قائد خالد ہوں گے۔ پہلے پہل تو آپ نے انکار کیا، مگر بعد میں لوگوں کے اصرار پہ رضامند ہو گئے۔ مسلمان مایوس ہو چکے تھے اور نکل بھاگنے پہ آمادہ تھے کہ خالد بن ولید کی پُر زور تقریب نے مسلمانوں کو ثابت قدم بنا دیا۔ سب نے حملہ کر دیا۔ اور خالد اپنی فوج کی باگ ڈور کو سنبھالتے ہوئے دشمن کو تہِ تیغ کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس دن آپ کے ہاتھ میں ۹ تلواریں ٹوٹیں۔

حضرت خالدؓ نے دشمنوں پہ وار کرتے ہوئے اپنی فوج کو میدانِ کارزار میں اس طرح مربع شکل میں کھڑا کیا کہ اس دور کا اعلیٰ جنگی قانون سمجھا جاتا ہے۔ اور عیسائیوں کی ناکام کوششیں تھیں جو قلعہ پہ نگاہیں لگائے بیٹھے تھے۔ آخر ایک قدم بھی بڑھ نہ سکے اور ناکامی ان کے قدم چومی۔

اس جنگجو فاتح پہ زندگی کے آخری لمحات میں کچھ الفاظ زبان پہ آتے ہیں، جس میں حسرت و افسردگی انتہا کو پہنچی ہوئی ہوتی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ میں نے بہت سی جنگوں میں شرکت کی ہے۔ مگر میری تمنا شہادت کی تھی، مگر نصیب نہیں ہوئی۔

ھجری کا اکیسواں سال تھا۔ آپ نے اپنا سارا مال و متاع بیت المال کے تحویل کر دیا۔ آنجہانی کی زندگی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنا لیا۔ اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون۔

بہ سلسلہ صفحہ ۱۲۰ نے سنا تو فرمایا افسوس آج دنیا کا سب سے بہتر آدمی اٹھ گیا۔ جب آپ کو دفن کیا جا رہا تھا تو آسمان سے ایک کاغذ گرا، اس میں لکھا تھا کہ حضرت بن عبدالعزیز کو دوزخ کی آگ سے نجات دیدی گئی۔ یہ تھے وہ مردِ باصفا کہ جن کا ہر کام سنّتِ نبوی صلعم کے مطابق ہوتا تھا۔ خدا تعالےٰ ہم سب کو بھی ان کے نقشِ قدم پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حضرت عمر بن عبد العزیز پر ایک اجمالی نظر

از
کے ایس محمد صبغۃ اللہ
کانجیورم
زمرہ ساد سہ
متعلم دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور

عربستان کے تپتے ہوئے ریگستان بھی وقتاً فوقتاً کچھ ایسی آب و ہوا کے ساتھ مٹی خمیر کر رہے تھے جس کی ضرورت محسوس کی جاتی ہو۔ چھٹی صدی عیسوی کا ابتدائی حصۂ جاہلیت اور بربریت کے شباب پر تھا جس میں خوں ریزی اور سفاکی کے بازار گرم تھے جن کی شدت حرارت غلط اثرات پر اُبھار رہی تھیں تو ابھرتی ہوئی جوانی بھی لہو کے دھاروں سے کھیل پر اتر آتی تھی۔ اس غارت گری کے مہموں کا خاتمہ نہ کیا جاتا تو دنیا کی ہر چیز خوں خوار درندوں سے کیا کم دکھائی دیتی؟ اس دنگا و فساد ظلم و ستم، خوں ریزی و سفاکی کے گرم بازاروں کو سرد کرنے اور انہیں ملیا میٹ کرنے کی غرض سے اسلام آیا اور زندگی کے اصول و قوانین اور سلیقوں سے روشناس کیا۔ داعی اسلام کو دشوار گذار راستوں سے بھی چلنا پڑا۔ لیکن کسی قدر فرق آنے نہ دیا۔ جہاں انسان انسان کے خون کا پیاسا تھا تو داعی اسلام کی کوششوں نے اسی خون کے احترام کا سبق پڑھایا! ایک طویل عرصہ تک یہ سبق یاد رہا اور اس کا ثبوت اصحاب کی زندگیوں سے ملتا ہے۔ جہاں یہ سبق بھولا نظر آتا ہے وہیں ساری برائیاں از سر نو تازہ ہوتی دکھائی دیتی ہیں تو پھر ایک مصلح اور مبلغ کی دنیا ضرور تمند ہو جاتی ہے۔

چنانچہ عہد خلفائے راشدین کے بعد مٹے ہوئے شر و فساد کے خطوط سرزمین عرب پر نمایاں ہونے لگے جن کو روندنے کے لئے آس پاس خود مکہ کے افراد کی بس کی بات نہ تھی۔ آخر کب تک؟ بندگان خدا کی مخصوص عبادتیں، تنہائیوں کی پُر لطف عائیں کسی ایک نتیجہ کی خواہاں ہوتی ہیں تو خلفائے راشدین کے اسوۂ حسنہ کو عملی جامہ پہنانے والا ایک خدا ترس بندہ عمر ابن عبد العزیز کے نام سے خلافت کا بوجھ اپنے کندھوں پر لئے ہوئے اپنی قوم کو کہیں جھنجوڑتا اور کہیں عذاب قبر و جہنم کی دھمکیوں سے ڈراتا اور کہیں جنتیوں کو جنت کی بشارتیں سُنا کر ہنساتا دکھائی دیتا ہے۔

حضرت عمر ابن عبد العزیز کے والد بزرگوار کا نام مروان ابن عبد الملک کے بعد ولی عہدی کے لئے دفتر میں چڑھ چکا تھا لیکن زندگی وفا نہ کی۔ خلافت مروان ہی کے زمانے میں والد نے داعی اجل کو لبیک کہا تو آپ کی خلافت کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ دوسری جانب ماں کا نسب نامہ حضرت عمر فاروق سے

جا ملتا تھا جو حضرت عمرؓ کی پوتی کہلاتی تھیں اور آپ کی رگوں میں خونِ فاروقی موجزن تھا جو کسی قیمت پر جھکنے پر آمادہ نہ تھا۔ آپکے دادا کی عنایت سمجھیں یا در حقیقت حضرت عمر فاروقؓ کے گھر سے ایک جیتی جاگتی زندہ تصویر اور ایک انمول تحفہ ماں کی شکل میں پیش کیا جس میں اسوۂ عمرؓ کے گوشے پوشیدہ تھے۔

عمر بن عبدالعزیز اپنے باپ کے چہیتے فرزند تھے۔ عہدِ طفلی کے کچھ معصوم اداؤں اور لڑکپن کے کھیل تماشوں سے کنارہ کشی اختیار نہیں کئے تھے کہ باپ کو خیال ہوا کہ "البنون زینة" کی حقیقت سے محظوظ ہو جاؤں تو یثرب کی پاک زمین کے خوش گوار جھونکوں میں اپنے لختِ جگر کو علم دین کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے دیکھنا چاہا۔ کہنے والے نے ٹھیک کہا،

اذا عزم الصدق وضح السبیل ارادے نیک تھے

کہ آپ کی تعلیم و تربیت کا بڑا اچھا اہتمام ہوا۔ وقت کے محدث صالح بن کیسان کی زیرنگین علم تفسیر و حدیث کے نکات سے روشناس ہو رہے تھے۔

فطرت کے انمول تحائف سعادت مندی اور ذکاوت کو چار چاند لگ رہے تھے۔ طرہ یہ کہ آپ بحیثیت مال کافی توانگر بھی تھے۔ آپ کی پرورش بھی دولت و ثروت کے گہوارہ میں ہو رہی تھی۔ جس کے جھونکے خلافت کے محاذ پر جو حد فاصل تھی، ٹکرا رہے تھے۔ آپ کی مخصوص تعلیم کے نتائج مدینہ کے علماء و فقہا پر سبقت لے جا رہے تھے لیکن یہ سب امارت و خلافت کی حدبندیوں کو پار نہ کر سکے۔

آپکے علم کے چرچوں کا حال تو بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ میمون بن مہران کا کہنا ہے کہ آپ سارے علماء پر استاذ کی حیثیت رکھتے تھے اور وہ شاگرد معلوم ہوتے تھے۔

مجاہد کے اس قول سے آپکے علم کا اندازہ ہوتا ہے کہ ہم سب ایکمرتبہ اس غرض سے آپکے پاس گئے تھے کہ وہ ہم سے کچھ حاصل کریں لیکن ہم نے دیکھا کہ وہ ہمارے معلم ہیں۔

اس تعلیم کی فراغت کے بعد خلافت کی حدبندیاں جو ایک عرصۂ دراز سے منتظر تھیں اپنے آغوش میں لے لیتی ہیں۔ انہی حدبندیوں کی پابندی اپنی دولت کو خیرباد کہہ دینے پر مجبور کر رہی تھی۔ خلافت کی محاذ پر قدم رکھتے ہی اپنی خوشحالی اور فارغ البالی کو افلاسی و قلاشی کے عوض فروخت کرتے ہوئے خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔

اس دوران خلافت مروان ابن عبدالملک کے بعد بھائی سلیمان بن عبدالملک کے ہاتھوں چلی گئی تھی اور سلیمان جبکہ اپنی زندگی کے دن پورے کرتے ہوئے وابق کی مسجد میں سکون پذیر تھے اور ملک الموت کی ندا بھی سوائے انس و جن کے سب سن رہے تھے، لیکن اس آواز پر کمر بند ہونے سے قبل سلیمان ولایت کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔

عین وقت پر رجاء بن حیات کی صحبت ہوتی ہے معاملہ مشوروں پر طے ہوا چاہتا تھا چنانچہ سلیمان رجاء بن حیات سے کہتے ہیں، کہ میرا بیٹا ایوب اس کا اہل ہوگا۔ رجاء نے کہا کہ خلیفہ تو ایک صالح شخص کو بنایا جاتا ہے تاکہ قبر میں امن حاصل ہو۔ سلیمان جن کے بارے میں اختلاف نہیں کہ وہ صالح تھے یا نہیں! خود صالح تھا۔ خود غور و فکر کرنے کے بعد وصیت نامہ جو خود مرتب کیا تھا چاک کر دیا پھر رجاء سے اسطرح ہمکلام ہوا کہ میرے

لڑکے داؤد کے متعلق کیا خیال ہے۔ رجاء نے کہا کہ وہ تو ان دونوں ایک مہم پر ہیں، نہ معلوم ان کی زندگی سے ہم متوقع ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ سوال و جواب کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوا، آخر نتیجہ اس بات پر کہ آپ کا کیا خیال ہے؟ رجاء کی ایک ہی بات آپ مستحق ہیں اس بات کے اور میں غور و فکر کروں گا۔ آخر کار سلیمان نے کہا کہ عمر بن عبدالعزیز کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ رجاء نے کہا ایک موحد خداترس بندہ اور برگزیدہ شخص ہے۔ سلیمان نے بھی اپنی رائے ظاہر کی کہ میں بھی اس پر متفق ہوں۔ رجاء نے کہا کہ میں عبدالملک کی اولاد کو مستحق گردانتا ہوں۔ جس کا ثبوت ہر وقت اپنی اولاد کے آگے ان آیتوں کا پڑھنا ہے قل انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم۔

ھجری کا ۹۹ سال گواہ ہے کہ سلیمان نے اس آواز پر لبیک کہا جبکہ بستر مرگ پر اس نے ایک فرشتہ کی آواز سنی۔ رجاء بن حیات نے قوم بنوامیہ کو دابق کی مسجد میں جمع کیا اور دوبارہ ولی عہدی کی بیعت لی۔ جب اس کام سے فارغ ہوئے تو سلیمان کی وفات کی خبر سنائی اور اس خط کو پاک کیا جو سلیمان نے بطور وصیت نامہ لکھ چھوڑا تھا جس میں "ولی عہدی" عمر بن عبدالعزیز کے نام تھی۔ آپ نے انا للہ پڑھا اور کہا کہ یہ بار میرے سر کیوں دھر اگیا اور ادھر ہشام نے انا للہ کہا اور اپنے نام خلافت نہ آنے پر اظہار افسوس کیا۔

اور یہیں سے آپ کی زندگی کے اوراق الٹ پلٹ ہوتے ہیں بیعت کا شور و غل ختم ہوتے ہی شاہی سواری استقبال کے لیے آگے بڑھائی جاتی ہے لیکن آپ نے انکار کر دیا اور اپنے گھوڑے پر سوار مغموم گھر پہنچتے ہیں جو غیر معمولی بات تھی۔ بیوی نے کہا کیا بات ہے کہ آپ کو مغموم اور آزردہ پاتی ہوں۔ جواب ملا کہ رنجیدہ نہ ہوؤں تو کیا خوشی مناؤں خلافت کی ذمہ داری مجھ نااہل کے سپرد کر دی گئی ہے۔ بیوی نے کہا اس سے زیادہ خوشی اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ خلیفہ ہیں۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کا فرمان ہے کہ تمہارے گلے میں جو قیمتی ہار ہے اس کو پہلے بیت المال میں دے آؤ۔ خلیفہ کی بیوی کا زر و جواہرات میں ملبوس رہنا اور غرباء بھوکے مریں۔ بیوی ہو تو ایسی صالح ہو کہ حکم کی تعمیل کرتی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی جگر کاری تھی کہ آپ نے مسلمانوں میں جمہوریت کی روح پھونکی۔ سیاست ملیہ میں تجدیدی امور کا انجام دینا یہ آپ ہی کا کام تھا۔ اسی بات نے آپ کو خلفائے راشدین کی صف میں لا کھڑا کیا۔

چنانچہ صوبجات میں بد ظالمانہ حرکتیں رقموں کی شکل میں یا بطور تحائف کے امیر امراء و رؤساء نے اپنی غرض سے گھر رکھے تھے ان سب کا خاتمہ اور ان عمال کو ان کے اپنے عہدوں سے معزول کر دیا اور انہیں یمن کی طرف روانہ کر دینا یہ آپ کی اولوالعزمی کی بہترین مثال ہے۔

سمرقند والوں کی شکایت محفوظ ہے کہ وہ ایک وفد کی شکل میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ شکوہ شکایتیں انہوں نے کیں کہ قتیبہ بن مسلم نے اپنے ظلم و استبداد سے ہماری

زمینوں کو ہم سے چھین لیا اور ان کو مسلمانوں کے تحویل کر دیا ہے آپ انصاف کریں۔ اس شکایت نے طبیعت میں تیزی پیدا کر دی فوراً سلیمان نے بن ابی اسریٰ کے نام یہ فرمان لکھ بھیجا جو وہاں کے عامل مقرر تھے۔ فرمان کیا تھا قول فیصل تھا، لکھا کہ اہل سمرقند یہ شکایت مجھ تک لے آئے ہیں تم وہاں ایک قاضی کو مقرر کرو تاکہ وہ اس معاملہ کو خوب سمجھے اور تصفیہ کر دے، واقعی ان کی زمینات ناجائز طور پر مسلمانوں کے ہاتھوں میں گئی ہوں تو انہیں شہر سے لشکر میں بلالو اور زمینات ان لوگوں کے قبضوں میں کر دو۔

سلیمان نے حکم کی تعمیل کی اور قاضی کا انتخاب جمیع بن حاضر کا ہوا آخر اس مقدمہ کا تصفیہ یہ ہوا کہ قتیبہ کی غلط کارروائی تھی، لہٰذا منسوخ ہے۔ اب سمرقند والوں کی کامیابی تھی، باوجود اس کے انہوں نے معاملہ کو طول دینا نامناسب حرکت سمجھا وہیں رفع دفع کر دیا۔

عمر ابن عبدالعزیز خلافت کی زنجیروں میں جکڑے گئے تھے کہ آپ کی شان و شوکت جاتی رہی۔ یہی عمر بن عبدالعزیز تھے جو اس امارت کا بار اپنے کندھوں لینے سے پہلے امراً کی طرح بڑے بڑے محلوں میں زندگی گذارتے تھے قیمتی اور فاخرانہ لباس میں ملبوس رہا کرتے تھے۔ خوشبو کے بہت ہی دلدادہ تھے۔ جب آپ گلی کوچوں سے گذرتے تو لوگ بلا تامل کہہ دیتے کہ عمر ابن عبدالعزیز آ رہے ہیں۔ آپ مدینہ کے گورنر بنائے جانے سے پہلے آپ کا لباس اور دوسری چیزیں جو ذاتی تھیں جس کا تخمینہ تیس ہزار دینار کا تھا اس کے مدمقابل اقتدار کی گدی نے تمام خواہشات کو دل سے ہٹا دیا۔ مدینہ کی گورنری نے ہر چیز کو سادہ بنا دیا اور آپ جب خلیفہ ہوگئے تو بیت المال سے دو درہم وظیفہ ہی کے روادار سمجھنے لگے۔ چنانچہ آپ کی تنخواہ دو درہم تھی۔

اکمرتبہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ رات میں بیت المال کے حساب و کتاب میں مصروف تھے، اور آنے والے نے اجازت چاہی، اجازت دی گئی۔ جوں ہی آپ اس شخص کی جانب متوجہ ہوئے تو جلتے ہوئے چراغ کو آپ نے گل کر دیا۔ آنے والا شخص پریشان ہوگیا اور پوچھا کہ کیوں آپ نے ایسا کیا، آپنے فرمایا اب تک میں بیت المال کے کام میں لگا رہا اور یہ چراغ اور اس کا تیل بیت المال کا ہے۔ اب میں گفتگو کرتا ہوں تو ذاتی گفتگو ہوگی اس کا تعلق بیت المال سے کچھ نہ ہوگا اس دوران جو تیل صرف ہوگا ناجائز اور میں خدا کی گرفت میں آجاؤں گا۔

اس خدا ترسی کے کیا کہنے۔ اس قسم کی کئی ایک مثالیں آپ کی سیرۃ میں ملتی ہیں۔ خلافت کی تخت نشینی نے کئی ایک کو شکایت کا موقع دے دیا۔ بیوی جو امیرانہ زندگی گذار رہی تھی، مگر چند ہی دنوں کی تبدیلی میں رنجیدہ تھی تو آپ یوں کہا کرتے تھے، کہ دنیا کے چند روزہ تکالیف کو برداشت کر لینا بہتر ہے بہ نسبت آخرت میں جہنم کے عذاب میں مبتلا رہنے سے آپ صرف دو برس پانچ مہینے اور چار دن خلافت کر کے پچیس رجب ۱۰۱ھ میں دیر سمعان میں انتقال فرما گئے۔ اسوقت آپکی عمر انتالیس برس کی تھی۔

آپکی وفات کا حال جب حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

بقیہ بر صفحہ ۱۱۶

فاتح بیت المقدس

سلطان صلاح الدین ایوبی

از: سید شبیر احمد بلمپیری زمرہ سادسہ متعلم دار العلوم لطیفیہ ویلور

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

سینکڑوں انبیاء کا مدفن اور مسلمانوں کا قبلۂ اول بیت المقدس آج سے چودہ سو سال قبل عیسائیوں کے قبضۂ اقتدار میں تھا خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارعب و جلیل المرتبت شخصیت نے اور بہادران اسلام نے وقت کو غنیمت جانا اور اپنا تصرف سنہ ۱۶ھ سے قرار دے لیا۔ ایک طویل مدت تخمیناً سنہ ۴۹۲ھ تک مسلمانوں کے ہاتھوں رہا۔ لیکن سنہ ۴۹۲ھ سے سنہ ۵۸۳ھ تک صلیبی جنگوں کے باعث مسلمانوں کو قبضۂ اقتدار سے محروم رکھا۔ بالآخر عیسائیوں نے اپنا مقام سمجھا۔ اس طرح اکانوے سال غیروں کے ہاتھوں رہنا مسلمانوں کی غیرت گوارہ نہ کی چنانچہ سنہ ۵۸۳ھ، کو خدا نے مسلمانوں کو اپنی کھوئی ہوئی چیز لوٹا دی۔ اور آسمان شجاعت کا وہ ٹوٹا ہوا ایک درخشندہ ستارا تھا جو خوب چمکا اور جسکی چمک باطل پرست آنکھوں کو چکا چوند کر گئی۔ اسی مرد مجاہد نے عیسائیوں کے چھکے چھڑا دئے اور بیت المقدس کو فتح کر لیا اور اپنے بھائی مسلمانوں کے تحویل کرنا اپنا اولین فریضہ سمجھا۔ بیت المقدس ایک عرصہ تک اسلامی دنیا کا حصہ بنا رہا۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج بدقسمتی سے مسلمانوں کو یہ دن دیکھنا پڑا۔ ناصر کی غلط پالیسی و ناعاقبت اندیشی اور امریکہ و روس کی ناقابل اعتماد کھڑسول نے اپنے مقدس مقام کو ہاتھ سے جاتے ہوئے بھی چونکایا نہیں۔! سنہ ۱۳۸۶ھ مطابق سنہ ۱۹۶۷ء کا سال بھی ایسا تھا کہ مسلمانوں کی مذہبی اور مقدس چیز کو یہودیوں نے قبضہ کر لیا۔ میری تمنائیں ہیں کہ خدا وہ دن دکھائے کہ ہمارے مقام پر ہم پھر سے آبیٹھیں لیکن اسوقت جد و جہد اور جذبۂ عمل کی ضرورت ہے — انہیں امیدوں و آرزوؤں کو لے کر بزم اللطیف میں شریک ہو رہا ہوں۔

سید شبیر احمد

تاریخ یہ بتاتی ہے کہ دنیا میں وہی قومیں زندہ رہ سکتی ہیں جن کے افراد زندہ دل، بہادر، نڈر، عادل و حلیم، منکسر المزاج، خدا

ترس انسانیت کے علمبردار ہوں۔ بمقابل ان کے وہ قومیں بہت جلد صفحۂ ہستی سے تباہ و تاراج ہو جاتی ہیں جن کے افراد بزدل، ظالم سفاک اور انسانیت سے متنفر ہیں۔

اسلامی تاریخ اس امر کی محتاج نہیں کہ وہ دنیا کی کسی بھی تاریخ کے مقابلے میں اپنی برتری و عظمت ثابت کرنے کے لئے اپنے ہی کسی خاص فرزند یا اس کے کسی ایک کارنامے کو تلاش کرے بلکہ اسلام نے ایسے بیشمار جلیل القدر با عظمت فرزندوں کو اپنی تعلیمات سے سرشار کیا اور دنیا کے سامنے انہیں پیش کر کے حیرت انگیز کارناموں سے دنیا والوں کو دم بخود کر دیا۔ لیکن جب ہم اسلامی تاریخ اور غیر اسلامی تاریخ کے موازنہ پر اتر آتے ہیں تو بلاشبہ اسلامی تاریخ کی وسعت میں برتری اور کوتاہی کا کوئی سوال نہیں اٹھتا۔ لیکن اسی سے اعراض کر کے تو دیکھیں جو غیر اسلامی تاریخیں آج کتنی معیاری ہیں کہتے ہوئے بھی رُکنا پڑتا ہے۔

اگر ہمیں یقین نہ ہو تو اس واقعہ سے اطمینان کر لیں کہ جہاں اسلامی تاریخ سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے مشہور و معروف شخصیت کی زندگی کے ہر ہر پہلو کو اجاگر کرتی ہے تو دوسری سمت دیگر مؤرخین کی غلط نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ انہیں فرزندان اسلام میں سے ایک مقدس نام سلطان صلاح الدین ایوبی کا ہے جو اسلامی تاریخ کے سنہرے اوراق میں درج ہے۔ اس کا دور انتہائی نازک دور تھا۔ فرزندانِ توحید کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے عیسائیت کے سمندروں میں ہولناک طوفان اُٹھ رہے تھے، ان کا خون بہانے کے لئے یورپ کی ہر ایک تلوار نیام سے نکلی ہوتی تھی۔ لیکن یہ مردِ مجاہد اپنے ہمراہ چند سرفروش مجاہدین اسلام کو لیکر عیسائیوں کو بُری طرح شکست دے دیا۔

صلاح الدین ایوبی کی پیدائش ۵۸۳ھ میں ہوئی۔ ان کی ترقی کا سہرا بادشاہ عاضد کے سر ہے۔ عاضد کے بقیہ حیات تک سلطان وزارت کی کرسی پر مامور تھے۔ اسی مردِ مجاہد پر اہلِ دربار کی حسد بھری نگاہیں نگاہِ قاتل بن کر اٹھ رہی تھیں۔ عاضد کے انتقال کے بعد صلاح الدین نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

سب سے پہلے سلطان نے طوائف الملوکی کا خاتمہ کر دیا۔ جو معمولی کام نہ تھا۔ اور ان کے حوصلوں کو پست کر دیا۔ اور قسمت کو خود بخود چار چاند لگ گئے۔

جنگی صلاحیتوں کے پیش نظر دمشق و شام کی حکومتوں کو ایسا روندا کہ پھر سر نہ اٹھا سکے۔ مگر کچھ کوتاہ نگاہیں کچھ اور خواب دیکھ رہی تھیں جو شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکیں۔

لیکن ۵۷۹ھ میں دمشق والوں کی سرکشی نے صلاح الدین ایوبی کو جنگ پر آمادہ کیا۔ عیسائی اور مسلمان باہم میدان کارزار میں اتر آئے تو نہ جانے کتنے عیسائیوں کے موت کے گھاٹ اتارے گئے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کے اہم کارناموں میں ایک کارنامہ تو فتح بیت المقدس تھا۔ ۵۸۳ھ کے سال میں صلاح الدین نے تاڑ لیا کہ یہ ہماری فتحمندی کا پیش خیمہ ہے۔ لہٰذا بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا اور پیغام بھیجا کہ یہ بیت المقدس جس طرح تمہارے لئے قابلِ احترام ہے۔ اسی طرح ہمارے لئے بھی ہے۔ اس خانۂ خدا کی کسی بھی طرح بے حرمتی کئے ہمارے حوالے کر دو اور ہم

تمہارے جان و مال اور اہل و عیال کی حفاظت کے ذمہ دار ہونگے

لیکن اس پیغام کو عیسائی کب قبول کرنے والے تھے۔ قبول نہیں کئے۔ اور اس فیاضانہ پیشکش کا صلہ جنگ پر اصرار تھا۔ آخر کار مجبور ہو کر شیر دل مردِ خدا، مجاہد وقت کو تلوار اٹھانی پڑی۔ بیت المقدس کی دیواریں گواہ ہیں کہ مسلمانوں کی نیتیں کیا تھیں مسلمانوں اور عیسائی فوجوں میں گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔

لڑائی ایسی خوفناک شکل اختیار کرلی کہ خون پانی کی طرح بہنے لگا۔ لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں۔ شروع میں عیسائیوں نے بھی بڑی بہادری اور دلیری دکھائی لیکن مجاہدین اسلام کے سخت حملوں کو برداشت نہ کرسکے اور ان کی ہمت ٹوٹ گئی۔ مجاہدین نے جب عیسائی فوجوں میں کمزوری پائی تو ایک اور سخت حملہ کرکے فصیل کے قریب پہنچ گئے اور پتھروں کی بارش کرکے فصیل کو توڑ دیا۔ عیسائی پریشاں حال ہوگئے اور بیت المقدس کو مسلمانوں کے حوالے کرنے ہی میں بھلائی جانا اور یہ خانۂ خدا جو ایک مدت سے عیسائیوں کے قبضے میں تھا ۹۱ سال کے بعد نعرۂ تکبیر کی آوازوں سے گونج اٹھا۔

صلاح الدین ایوبی کو خدا نے صرف شجاعتِ حیدری ہی سے نہیں نوازا تھا بلکہ ان کے اندر رحمدلی و فیاضی جیسے اوصاف حمیدہ بھی موجود تھے۔ فتح بیت المقدس کے بعد عیسائیوں کے ساتھ صلاح الدین ایوبی کا سلوک کیسے رہا اس پر غور کیجئے، شاید اس قسم کی مثال بہت ہی کم ملے۔

سنہ ۴۹۲ھ کی تاریخ بھلائے نہ بھولیگی جبکہ عیسائیوں نے بیت المقدس فتح کیا تو وہ مسلمانوں کو طرح طرح سے ایذائیں پہنچائیں۔ زمین سے آسمان تک سوختن کا باب تھا۔ ان کی لاشیں سڑکوں پر پھینکی گئیں۔ بوڑھے، عورت اور بچے بھی بر سر بازار قتل کئے گئے۔ بے یار و مددگار ان کی لاشیں کس مپرسی کی حالت میں تڑپ رہی تھیں، صرف مسجدِ اقصیٰ میں ستّر ہزار لاشیں خستہ حالی میں دم توڑ رہی تھیں۔ اسی ایک واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا ہے۔

بمقابل اس کے صلاح الدین ایوبی کی رحم دلی اور حسن سلوک کا منظر ملاحظہ ہو:-

صلاح الدین نے یونانی اور شامی باشندوں کو وہاں پر خوشحالی و امن سے رہنے کی عام اجازت دے دی، اور فرانسیسیوں پر یہ حکم جاری کیا کہ چالیس دن کے اندر بیت المقدس سے نکل جائیں۔ رومیوں اور فرانسیسیوں کو شام و مصر کے ساحلوں پر پہنچانے کی ذمہ داری خود لے لی۔ مگر اس شرط پر کہ جوانمرد کی طرف سے پانچ اشرفی اور بچے کے طرف سے ایک اشرفی دے دی جائے۔ ورنہ غلام تصور کئے جائیں گے۔

جنکی مالی حیثیت بہتر تھی انہوں نے اسکو معمولی سمجھ کر ادا کردیا مگر بعض کی ناداری و مفلسی دیکھی نہیں گئی، اعلان کردیا گیا کہ غیر مستطیع افراد اس سے مستثنیٰ اور آزاد ہیں۔ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ اسیران جنگ کے ساتھ بھی یہی سلوک تھا جس کو انصاف پسند مؤرخ نظر انداز نہیں کرسکتا۔

فتح بیت المقدس کے بعد جب یہ خبر یورپ ممالک میں

پھیل گئی تو عیسائیوں کے دلوں میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے سپین و یورپ کی ایک ایک تلوار نیام سے نکلی، اس کا اظہار تاریخ کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے :-

"پادریوں اور راہبوں نے ماتمی لباس پہن کر عوام کو اپنی ولولہ انگیز تقاریر سے اکسایا اور ایسی جنگی تیاریاں کیں جس کی تمثیل تاریخ کے اوراق میں معدوم ہے"۔

انہوں نے یہ عزم کرلیا کہ وہ صرف صلاح الدین کو نہیں بلکہ سارے مسلمانوں کو تباہ کردیں گے۔ اسلام کا تو یہ کیا بگاڑ سکتے صلاح الدین ہی کا مقابلہ نہ کرسکے۔

یورپ کے عیسائی خونخوار درندوں کی طرح صلاح الدین ایوبی پر ٹوٹ پڑے لیکن یہ شیر دل مجاہد تین سال تک مسلح فوجوں کو سرحد عکہ سے آگے بڑھنے نہ دیا۔

یوروپین فوجوں کو اپنے دست و بازو پر جو گھمنڈ تھا اس اولوالعزم اور پیکر شجاعت صلاح الدین ایوبی کے آگے فنا ہوتا چلا گیا۔ سخت سے سخت اور جان لیوا تکالیف بھی انہوں نے اٹھائیں مگر بے سود۔ شاہ انگلستان رچرڈ کی ٹوٹی ہوئی امید نے قوت آزمائی پر اکسایا اس کو بھی منہ کی کھانی پڑی۔ آخر کار یہ بھی صلح کرلیا۔ صلاح الدین نے اس مرتبہ بھی عیسائیوں کے ساتھ رحم و مروت سے پیش آیا۔ صلاح الدین تو وہی صلاح الدین تھا جو اس فتح سے پہلے تھا۔ کیا مجال کہ خدا و رسولؐ کے احکام کی خلاف ورزی کرے۔ یہی بات کہ ایک زندۂ جاوید نام بن گیا۔ یہی نام جب ایک شریف النسل انسان کے آگے آجاتا ہے تو دل سچی عقیدت اور احترام کے لئے جھک

جاتا ہے۔ مرد مجاہد کی بے باکانہ گفتگو اور صلح نامہ کے شرائط رچرڈ کو مرعوب بنائے جارہے تھے۔ صلح نامہ کے شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ تمام عیسائی بیت المقدس کی زیارت کرسکتے ہیں سوائے رچرڈ کے۔ انگریزوں کو بادل ناخواستہ اس شرط کو مجبوراً ماننا پڑا۔ رچرڈ احاطۂ بیت المقدس سے دور حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے اپنی مجبوری پر دل پیچ کر رہ گیا۔ اسی وجہ سے عیسائی متعصب مورخین اس واقعہ کو یاد کرکے اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ابھی صلح نامہ عمل میں نہیں آیا تھا کہ رچرڈ نے صلح کا اعلان کیا۔ مسلمانوں کی جانب سے خود صلاح الدین تن تنہا آگے بڑھتے ہیں۔ شہنشاہ رچرڈ اور دوسرے رؤسا و سپہ سالار فرج زرق برق لباسوں میں آراستہ تھے۔ سلطان پر ان کی ہیئت سے کسی قسم کا اثر نہ ہوا بلکہ ایک شخص کا تن تنہا آگے بڑھنا انہیں خائف بنا رہا تھا۔ صلح نامہ کی کچھ قطع و برید ہو رہی تھی کہ رچرڈ نے سلطان کی تلوار ان کی کمر سے نکال کر فضا میں گھمائی اور ایک ستون پر دے مارا اور ستون کے دو ٹکڑے کردئے۔ مگر سلطان اطمینان کے ساتھ اس منظر کو دیکھتے رہے اور مسکراتے ہوئے کہا یہ تو رچرڈ کی قوت بازو کا مظاہرہ تھا نہ کہ فن کا۔ فوراً آپ نے تلوار سنبھالی اور ایک ریشمی کپڑا اوپر اچھال دیا اور اس فضا میں تیرنے والے کپڑے پر آہستگی سے تلوار پھیر دی۔ وہ ریشمی کپڑا دو ٹکڑے ہوکر زمین پر گر پڑا۔ تمام عیسائی اس فنی مظاہرہ پر انگشت بدنداں ہوگئے۔

۵۸۹ھ کا المناک سال کا مخصوص دن کچھ کھویا کھویا سا تھا کہ آسمان شجاعت کا آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ انا للہ الخ

مسلمانوں کی ایجادات

از
سید محبوب باشاہ عیدروس
زمرۂ ثالثہ۔ (منگولی بیجاپور)
متعلم دارالعلوم لطیفیہ۔ مکان حضرت قطب ویلور۔

مسلمانوں کے بارے میں دنیا کو صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ ایک فاتح قوم تھی جو اپنی جنگی قابلیت کی بنا پر انہوں نے نصف صدی کے اندر اندر دنیائے معلومہ کا بیشتر حصہ فتح کر لیا تھا۔ لیکن بہت کم لوگ ایسے ہیں جنہیں اس بات کا علم ہے کہ مسلمانوں کے ایجادات و اختراعات بھی ان کے جنگی کارناموں سے کچھ کم نہیں۔

تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں صنعت و حرفت میں ایسی ترقی حاصل کر لی تھی کہ دنیا کی کوئی قوم اس تھوڑے سے عرصہ میں حاصل کر سکی، مسلمانوں نے اپنی فطری ذہنی صلاحیت کی بدولت ایسی نادر چیزیں بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیں جنہیں دیکھ کر عقل انسانی ششدر رہے۔

مسلمانوں کی فطری ذکاوت وقوت اختراع کا یہ عالم تھا کہ اگر انہوں نے کسی دوسری قوم سے کوئی چیز لی تو اپنی جدتوں سے اس کو چار چاند لگا دئے اور اتنی ترقی دی کہ وہ خود ان کے استاذ بن گئے۔ اور جس قوم سے یہ چیز حاصل کی جاتی اس کو دیکھ کر وہ قوم خود حیرت کرنے لگتی اور اس گمان میں مبتلا ہو جاتی کہ آیا یہ اپنی پیداوار ہے، یا دوسروں کی۔ چنانچہ امریکہ مشہور عالم جان ولیم ڈریپیر کا بیان ہے کہ یہ چیز بہتوں کیلئے تعجب خیز ہوگی کہ آج جن چیزوں کو ہم فخریہ اپنی ایجادات بتاتے ہیں تحقیقات نے اس بدگمانی کو بے نقاب کر دیا کہ ان اشیاء کی ایجاد ہماری کد و کاوش نہیں بلکہ مسلمانوں کی دقیقہ رس ہے۔ یہ اس وقت جبکہ ہمارے ذہنوں نے ابھی انہیں جنم ہی نہیں دیا تھا عمل میں آگئیں۔

بیک مین اپنی کتاب تاریخ ایجادات میں لکھا ہے کہ اپنے موجودہ علم و واقفیت اور نیز بہت سی مفید دریافتوں اور ایجادات کے لئے ہم مسلمانوں کے مقروض و ممنون ہیں اور اگر ہمیں اس بات کا پوری طرح علم ہوتا کہ ہمیں مسلمانوں سے کیا فائدے پہنچے ہیں تو ہم ان کے اور بھی ممنون و مشکور ہوتے۔

(ہدیٰ نئی دہلی)

میکانک اور مسلمان

یہ فن موجودہ دور میں اتنا ضروری اور اہم سمجھا جاتا ہے کہ دوسرے فنون کی اس کے آگے کوئی وقعت و عزت بہ مشکل ہوتی ہے۔ حالانکہ قدیم زمانے میں اس کی اشاعت یونان میں ہوئی جو کسی طرح خارج از ذہن نہ ہوگی، جس کا پہلا موجد مکانک آلات اور ان حرکات کی جانچ پڑتال جس نے کی اور یہ طرۂ امتیاز ارشمیدس ARCHMIDES کے سر ہے جس کا انکار کسی کو نہ ہوگا اور یہ چونکہ پہلا شخص تھا اور اس نے سب سے پہلے جس چیز کا

تجربہ کیا وہ پانی کی گھڑی تھی۔ اس میں کچھ اس طور سے گولیاں رکھدی گئیں تھیں کہ گھنٹوں کے گذرنے کے بعد ایک ایک کرکے خود بخود گھنٹوں کی تعداد کے مطابق گرنے لگتی تھیں، جو بڑی آسانی کے ساتھ اس پر حاوی ہوجایا کرتے تھے۔

یہ اور بات ہے کہ اس وقت چونکہ ابتداء تھی تو اس زمانے کی چیز کچھ بے ڈھب نظر آتی تھی۔ لیکن جس مقصد سے اس کی کھوج لگائی گئی اس میں ذرا برابر بھی فرق نہیں آتا تھا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ مسلمانوں میں یہ شوق چھڑ رہے لینے لگا کہ کچھ ہی دنوں میں مسلمان اس پر سبقت لے گئے۔ اس سے مسلمانوں کی صحیح فطری ذکاوت اور قوت اختراع کا پتہ چلتا ہے۔ اسی کی بدولت وہ دنیا والوں کو اپنا لوہا منوایا۔ حقیقی معنوں میں وہ آسمان فن کے درخشندہ ستارے تھے، جو چمک کر رہ گئے۔

سید یو جلیسا مورخ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکا کہ گھڑی یہ ایک کارآمد شئی ہے جس کا بانی مسلمان ہے۔ صرف مسلمان جسکی ایجاد نے انسانی دنیا میں ایک ایسا تہلکہ مچایا کہ مسلمانوں کی دماغی اور ان کی صنعتی بیداری کا سچا ثبوت اس وقت ملتا ہے جبکہ خلیفۂ وقت ہارون رشید شاہ شارلمین کو اپنا پُرخلوص تحفہ گھڑی دیا تھا جسکی ہیئت کا اندازہ ممکن نہیں تھا۔ جب یہی مشکل تحریر میں لائی گئی تو وہ دھندلا سا خاکہ جو پہلے سے دماغوں میں سموئے ہوئے تھا مٹتا چلا گیا اور اسکی وضاحت اس طرح ہونے لگی۔

گھڑی کے کل بارہ دروازے بنائے گئے تھے، جو گھنٹوں کی تعداد سے کھلتے اور بند ہوتے تھے، ان کا کھلنا اور بند ہونا ہی دلیل تھا وقت کے معلوم کرنے پر۔ جب گھڑی اپنا دورہ کرگذرتی تو مسطح گھڑی پہ بارہ سوار اچانک ان دروازوں کو کھول آتے اور اپنا چکر کاٹ کر غائب ہوجاتے۔

اسی ایک گھڑی نے لوگوں کو پریشان کر رکھا اور لوگوں نے اپنی تحقیقات کی گتھیاں سلجھائیں۔ کسی نے تعریف بھری نگاہوں سے دیکھا۔ کسی نے انصاف کی خوردبین سے ان عقدوں کو کھولنے کی فکر کی جس میں لوگ مبتلا تھے۔ ان پریشانیوں کا ازالہ انہوں نے اپنی مقدور بھر کوششوں سے کیا۔ چنانچہ اس گھڑی نے مسلمانوں کی مشنیری کا پتہ دیا۔ متعصبین کی نگاہیں شرم سے نیچی ہوگئیں۔

اب آئیے ہم اپنے کارناموں کو دوسروں کی زبانی سننے کے بعد خود کی زبانی بھی سن کر محظوظ ہوں۔ چنانچہ علامہ جبیر اپنے سفرنامہ دمشق میں جامع مسجد کا حال کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

باب جیرون کی دیوار پر طاقچہ کی شکل میں ایک دریچہ تعمیر کیا ہوا تھا جس میں بارہ پیتل کے طاقچے تھے پھر ان میں بارہ بارہ دروازے تھے، اوّل و آخر طاقچے کے نیچے دو باز پرندے پیتل کی تھالیوں میں کچھ اس طرح کھڑے کئے تھے کہ جب گھنٹہ گذرتا تو وہ دونوں پرندے اپنی چونچوں سے گولیوں کی بارش برسانے لگتے جو تھالیوں سے ان کے جھنکنے کی آواز نغمہ سرائی کرتی ہوی لوگوں کے دلوں کو موہ لیتی تو ہر راہ رو اس سے لطف اندوز ہونے

کے لئے کچھ دیر ٹھہر جاتا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ دروازے خود بخود
بند ہوتے دکھائی دینے لگتے اور ان کا بند ہونا ہی وقت
کی شناخت سمجھی جاتی تھی۔

اس ترقی یافتہ دور میں باوجود اتنی کچھ ترقی ہونے
کے سائنس قدیم زمانے کے محیر العقول کارناموں سے دور ہے۔
وہ ایجادات موجودہ دور میں ناپید ہیں، نایاب نہیں تو کمیاب
ضرور ہیں۔

سیدیو نے دستکاری کی ترقی کو ثابت کرنے مذکورۂ بالا
گھڑیوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ بتانے کی کوشش کی کہ ان کا موجد
مسلمان ہے۔ لیکن مسٹر پامر نے اس کا اس غرض سے انکار کیا کہ
اس بات کا تسلیم کرنا اپنی شان میں کسی قدر کمی آرہی تھی، اور
اس بہانے سے بھی عرب مورخین نے کہیں ان واقعات کا تذکرہ
نہیں کیا ہے۔ افسوس اس بات پر کہ مسٹر پامر نابلد تھے، کہ
مؤرخین عرب نے شارلمین کی سفارت کا سرے سے کہیں تذکرہ
ہی نہیں کیا ہے تو کیا مسٹر پامر کو اس بات کا انکار ہوگا کہ سفارت
نہ تھی۔ ہاں مسٹر پامر اس بات پر متفق ہیں تو ہمیں بھی انکار نہ ہوگا
کہ مسلمانوں کی ایجادات کچھ نہ تھیں۔

یورپی مؤرخین نے جس واقعہ کو تحریر میں لایا ہے' یوں ہی
پیش نہیں کیا ہے بلکہ قوی دلائل نے ان کی پشت پناہی کی ہے
مثلاً سیدیو نے MARIGNY مارینجی اور ایجی نارٹ EGINHART
کی تصانیف کا حوالہ دیتے ہوئے یہ کہنے کی جرأت کی ہے۔
مسلمانوں نے میکانکس میں اس قسم کے اور کئی ایک آلات
تیار کئے تھے جو آج کی دنیا میں حرف غلط کی طرح مٹ چکے ہیں۔

ایک دو واقعے ہمیں مطمئن نہ کرتے ہوں تو آگے بڑھئے
معلومات میں اضافہ کے اسباب ہم مہیا کرتے ہیں۔ چنانچہ مراکش
کا مشہور و معروف بادشاہ سلطان عبدالمومن جس کے ہاتھوں
حضرت عثمان غنی رض کے ان قرآنوں میں سے ایک قرآن لگ
گیا جسکی آپ کے زیرنگین کتابت ہوئی تھی اور آپ نے مصر و
شام کوفہ و بصرہ ارسال فرمایا تھا۔ عبدالمومن نے ممکن بھر اس
قرآن کی تعظیم و تکریم کی اور اس کی حفاظت کے لئے کل
کا ایک صندوق تیار کروایا جس کی کیفیت علامہ مقری کے الفاظ میں
یہ صندوق عجیب حکمت سے بنایا گیا تھا۔ جب اس میں کنجی
ڈال کر پھیرتے تھے تو اس کے پٹ کھل جاتے تھے اور اندر سے
ایک خانہ نکلتا تھا جس میں ایک رحل ایک کرسی پر رکھی ہوئی
تھی۔ رحل بغیر کسی کے ہاتھ لگائے خود کھلتی تھی۔ جب رحل اور
چوکی بالکل باہر آجاتی تھی تو خانہ از خود بند ہوجاتا تھا۔ کنجی
کو جب الٹی طرف پھیرتے تھے تو خانہ پھر کھل جاتا تھا اور
چوکی و رحل خود صندوق میں جاکر بند ہوجاتی تھیں
(مقالات شبلی جلد ششم)

بارود و تیزاب

ایک فاضل مؤرخ اپنی کتاب
میں عرب مسلمانوں کے ایجادات
کے تحت لکھتا ہے کہ سب سے پہلے مسلمانوں نے بارود و تیزاب بنایا
اور اسکی تحقیق کی اور آگے چل کر لکھتا ہے کہ مسلمانوں کی نئی نئی
ایجادیں اس بات کی شاہد ہیں کہ وہ سب باتوں میں اہل یورپ
کے استاذ ہیں۔ (تمدن عرب جلد اول)

شفاخانہ کی ایجاد

سب سے پہلے جس نے شفاخانہ کی

بنیاد ڈالی، وہ حکومت بنو امیہ کا تیسرا تاجدار ولید بن عبدالملک ہے۔ اس کو رفاہِ عام کے کاموں سے دلی لگاؤ تھا۔ اسی بنا پر ولید بن عبدالملک نے اپنے زمانے میں بہت سے کارنامے انجام دیئے پہلے اسی نے مہمان خانے عام کئے اور ملک بھر میں جس قدر اندھے اور مفلوج تھے سب کی ایک فہرست بنائی اور ان کے لئے وظیفے بھی نے مقرر کئے، ساتھ ہی یہ حکم صادر کیا کہ جس قدر اندھے اور مفلوج ہیں، وہ گھر سے باہر نکلیں۔ اسی سلسلہ کے تحت شفاخانہ کی بنیاد ڈالی گئی جو ۸۸ھ میں بن کر تیار ہوا جس میں بہت سے طبیب و جراح علاج کے لئے مقرر ہوئے۔

جہازات

آفتاب اسلام کے طلوع ہونے سے قبل باشندگان عرب کو بحری سفر بہت کم پیش آیا کرتے تھے۔ لیکن جب پہلے پہل یہ معاملہ انہیں اچنبھا سا لگ رہا تھا، مگر وہاں کے قبائل جو لبِ ساحل تھے ان کے پاس کچھ کشتیاں تھیں، جن کے ذریعے سے وہ بحری تجارت کیا کرتے تھے، اسلام کی آمد کے بعد مسلمانوں نے رومیوں کے جنگی جہاز دیکھے تو ان کو بھی بیڑا قائم کرنے کا شوق چرایا۔ اسلامی جنگجو سپہ سالاروں میں سب سے پہلے بحری جنگ آزمودہ اعلاء ابن الحضرمی تھے جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں بحرین کے حاکم مقرر تھے۔ ابتدا میں مسلمانوں کو جہاز رانی کے فن سے واقفیت نہ تھی، اس لئے انہوں نے ان رومیوں سے یہ کام سیکھا جو قیدی کی حیثیت سے ان کے قبضہ میں تھے۔ چند ہی دنوں میں انہوں نے جہاز سازی و جہاز رانی میں کافی مہارت حاصل کرلی۔ بیرونی بیڑا جس کے پیچھے بہت سے جہازوں کا تانتا لگا رہتا ہے اس کے لئے بحر روم میں مختلف بندرگاہیں تیار کی گئیں۔ جو شام، افریقہ، اندلس کے ساحلوں پر تھیں اور انہیں مقامات پر جہاز سازی کے کارخانے بنائے گئے

مسلمانوں نے سب سے پہلا کارخانہ مروان کے زمانے میں ٹیونس، شمالی افریقہ میں قائم کیا۔ یہ جہاز سازی کا کارخانہ اس زمانے میں دنیا میں سب سے بڑا تھا۔ رفتہ رفتہ مسلمانوں نے جہاز سازی میں کمال حاصل کیا۔ آگے چل کر انہوں نے جہاز سازی میں ایک انقلاب برپا کیا۔

اندلس کے مشہور بادشاہ عبدالرحمٰن ناصر نے ایک بڑا جہاز تیار کروایا جو اس وقت دنیا میں سب سے بڑا تھا۔

ایک بڑا تاریخ دان عیسائی مسلمانوں کی جہاز سازی کے بارے میں لکھتا ہے کہ مسلمان بہت بڑے جہاز ساز و جہاز ران تھے۔ انہوں نے جہاز رانی کے ذریعے چین سے اس وقت تعلقات قائم کئے جبکہ اس ملک کے وجود کا یورپ والوں کو بھی علم نہ تھا۔

جہاز رانی میں سب سے پہلے مسلمان نے قطب نما کا استعمال کیا۔ مسلمانوں نے جہازوں کی صورت و شکل وہی رکھی جو یونان اور رومیوں کے جہازوں کی تھی۔

ایک عرب ماہر جہاز ران **ابو الصلت ثانی** نے ایک آلہ جرِ ثقیل کی قسم کا بنایا جس کی مدد سے ڈوبے ہوئے جہازوں کو سمندر سے بڑی آسانی سے نکالا جاتا تھا۔

آرٹ اور سائنس

قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے عصبیت کو ایک لعنت

تصور کر رکھا تھا۔ حقیقت میں چیز بھی ایسی ہی ہے جس کا انکار ایک سلیم العقل شخص سے ممکن نہیں جس کی توجیہہ ان کا عملی ثبوت ہے، جہاں انہوں نے کچھ فائدے دیکھے صرف اپنی ہی افادیت مد نظر نہ تھی بلکہ اپنی قوم کو اس کا مستحق قرار دینے لگے۔ جہاں علم کا گنجینہ مدفن دیکھا فوراً لپکے۔ اور دھڑا دھڑ اسکے عربی و فارسی ترجمے کرنے لگے۔ حتیٰ کہ یونان و مصر اور یورپ کے کتب خانوں کی خاک چھانی اور ترجمے کرتے گئے جس کا خاص فائدہ یہ ہوا کہ یہ ترجمے اپنی قوم کو آگے بڑھنے میں کافی مددگار ثابت ہوئے۔

اسپین کا عہد حکومت پورا عظیم یورپ کی تاریخ کا ایک زرین باب مانا جاتا ہے۔ تقریباً آٹھ سو سال تک اسپین پورے یورپ کے لئے تہذیب و تمدن کا گہوارہ بنا رہا۔ اسپین کے فاتحین نے اپنی محنت و مشقت صنعت و حرفت اور فنون لطیفہ سے اسپین کو رشک ارم بنا دیا تھا۔ آرٹ، ادب اور سائنس کا جو عروج اس زمانے میں اسپین میں ہوا تھا اسکی نظیر پورے یورپ میں نہیں ملتی۔ فرانس، جرمن اور انگلینڈ سے کچھ تشنگان علم اپنی پیاس بجھانے کی غرض سے اسپین آیا کرتے تھے، جہاں علوم ریاضی، علوم نحوی و علوم الاشجار تاریخ و فلسفہ اور قانون کی تعلیم دی جاتی تھی، جہاں سے تشنگان علم سیراب ہو جاتے تھے۔

یہ ہماری سمجھ بوجھ سے بالاتر ہے کہ مسلمانوں نے کتنی چیزوں کی ایجاد و اختراع کو اپنے کندھوں لیا ہے۔ بہر حال اتنا ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ بہت سے اشیاء جن کا وجود بس مسلمانوں ہی کی نقل و حرکت ہی سے ہوا۔ یہ اور بات ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں چند اشخاص نے عصبیت کی عینک پہن لی ہے اور بلا تامل ہر چیز کی ایجاد اپنے ساتھ چسپاں کرتے ہوئے گریز نہیں کرتے ہیں، اگر ایسا کہوں تو بیجا نہ ہوگا کہ صنعت و حرفت محض مسلمانوں ہی کی کدوکاوش کا نتیجہ ہے اور انہیں کی سوچ بچار نے صنعت و حرفت کو چار چاند لگا دئے۔

آیئے ہم اپنی تحقیقات کی روشنی میں چند اور چیزوں کو بھی دیکھیں جو صرف مسلمانوں کی مرہون منت ہیں۔

صرف حساب و ہندسہ کو لیجئے اور دیکھئے کہ ان کی ایجاد کو تصور میں لانے سے پہلے یہ سوچ کر کہ آیا ان کا الحاق کسی اور قوم سے رہا ہے یا نہیں؟ اگر رہا ہے تو کس سے؟ نہیں تو پھر کس قوم سے۔ مسلمانوں ہی کی محنت کا ثمرہ تھا کہ آج صنعت و حرفت ترقی کی منزلوں پہ گامزن ہے کوئی اس سے اعراض نہیں کرتا۔

مسلمانوں نے جبر و مقابلہ، حساب، طب و ہندسہ اور جامیٹری جیسے اہم چیزوں کو ترقی دی اور کمال درجہ تک پہنچایا۔

جبر اور مقابلہ کا فن جن کی ایجاد کا وہم و گمان بھولے سے بھی سوائے مسلمانوں کے اور قوموں پہ کیا نہیں جا سکتا، اس لئے کہ یہ مسلمانوں کی جگر کاوی کا نتیجہ ہے اور ان کے عمل میں آنے سے پہلے ان پہ لفظ فن کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ حالانکہ اس بات پہ یورپ کا اعتراف ضرور ہے اور تسلیم کرنے پہ یورپ نے اپنا سر خم ضرور کیا ہے تاہم یونانیوں نے اس فن پہ کچھ کتابیں لکھی ہیں جن کا عربی میں ترجمہ ہوا ہے۔ الغرض مسلمانوں نے بہت سے ایجادات و اختراعات کو جنم دی ہیں گویا ان کا فراموش کرنا سراسر ناانصافی اور ان کے ساتھ ظلم کرنا ہے۔

سید محبوب پاشاہ عیدروس

دین اور اسکی حقیقت

از محمد ابوبکر
ملیباری
زمرۂ ثامنہ
متعلم دار العلوم لطیفیہ
ویلور

قدرِ جوہر شاہ داند یا بداند جوہری

اللہ تعالیٰ کے لئے سب تعریف ہے جس نے ہم کو روئے زمین کی خلافت دینے کا وعدہ کیا ہے، تاکہ ہمارا دین جو اس نے ہمارے لئے پسند کیا ہے کہ مستحکم ہو جائے اور ہمارا خوف امن سے بدل جائے اور درود و سلام ہمارے آقا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ جو رسولوں کے سردار اور خاتم النبیین ہیں جن کو اللہ نے ایسا دین حق اور ہدایت دیکر بھیجا تاکہ فتنہ باقی نہ رہے۔

دین کیا ھے؟ اس کے مفہوم کی تعیین و تشریح میں اس قدر اختلافات ہیں کہ اگر ان تمام سے بالتفصیل بحث کی جائے تو پوری ایک کتاب ہو جائیگی بعض دین کو ایسا عام اور بے لگام سمجھتے ہیں کہ اپنی رائے و قیاس سے جس کو چاہتے ہیں دین کہتے ہیں۔ باوجودیکہ اس کو دین سے کوئی بھی تعلق نہیں ہوتا۔ دین کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے آپ کو دل و جان سے خداوند قدوس کے سپرد کردے اور جس وقت جو حکم اس کی طرف سے پائے بے چون و چرا سر تسلیم خم کرے۔

یوں تو کہنے کو بہت سے دین ہیں مگر در اصل صرف ایک ہی دین ہے اور عقلاً بھی صرف ایک ہی دین کی مقتضی ہے۔ لیکن اصل دین اور رسمی ادیان میں چند ظاہری مشترک اور متشابہ چیزوں کی وجہ سے دوسرے نام نہاد دینوں پر بھی لفظ دین کا اطلاق ہو گیا ہے۔ جیسے کوئی نادان سونے اور پیتل کی ظاہری مشابہت سے پیتل کو بھی سونا کہنے لگے یا جیسے اصلی اور نقلی تمیز نہ کرتے ہوئے دونوں کو یکساں قرار دے۔ ظاہر ہے اس کا یہ خیال عقلا کے نزدیک طفل ناداں کے خیال سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ اسی طرح سچے حقیقی دین اور بے اصل مصنوعی دنیوی میں بھی کوئی حقیقی مناسبت نہیں ہے۔

اس وقت زیر نظر مضمون میں اختصار و جامعیت کے ساتھ دین کی حقیقت اور اس کے صحیح مفہوم کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس کی روشنی میں ناظرین کرام معلوم کرینگے کہ دین اسلام ہی سچا مذہب ہے۔

ناظرین! جب بھی دین کے داعی اور پیغامبر دنیا میں مبعوث ہوئے تو انھوں نے اپنی نبوت و رسالت کا اعلان دنیا والوں کے سامنے ببانگ دہل کیا اور دعویٰ کیا کہ خالق کائنات نے دنیا میں اپنا رسول و پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تاکہ لوگ اُن کی اتباع کریں اور راہ نجات و سعادت پر گامزن ہو کر منزلِ مقصود تک پہنچیں۔ علاوہ بریں خود انسان کی فطرت ہے۔ کہ وہ بالقصد یا بلا قصد اپنے پروردگار اور خالق کائنات سے قرب حاصل کرنے کے لئے متلاشی رہتا ہے اور اسکے قلب کی گہرائی اور روح کی پہنائی میں صرف ایک ہی ذات واجب الوجود کا

تصور وہاں ہوتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے جب تک شریعت محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی نہ کی جائے صرف خدائے واحد کا تصور و اقرار بھی اس کے لئے باعثِ نجات و فلاح نہیں ہو سکتا۔ اسلام و پیغمبر اسلام کے متعلق گاندھی جی کا بیان ہے کہ اسلام سچا دھرم اور دین حق کی ایک آواز ہے اور جب اسلام کا پرچم ایک ربع مسکوں پر لہرا رہا تھا تو تمام دنیا اس کے سامنے لرزہ براندام تھی۔ جب مغرب تاریکی و جہالت میں گم ہو گیا تھا اس وقت مشرق کے افق پر ایک ستارۂ نور طلوع ہوا جو بے چین اور مضطرب دنیا کے لئے روحانی آسودگی کا نقیب بن کر آیا۔ صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو تمام عالم کے لئے پیام امن و راحت ہے۔ اسلام کوئی جھوٹا مذہب نہیں ہے۔ ہندوؤں کو چاہیئے کہ وہ اس مذہب کا پورے عقیدے کے ساتھ مطالعہ کریں، وہ بھی میری طرح اس سے محبت کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

بہر کیف میں نے اسلام کے متعلق جس قدر بھی مطالعہ کیا ہے اس سے مجھے پختہ یقین ہو گیا ہے کہ اسلام کی ترقی و اشاعت میں تلوار ہرگز کام نہیں کر رہی تھی بلکہ اس کی تعلیم اور عمدہ سیرت اور اخلاق کا اثر تھا جس نے اس عہد کی زندگی میں اسلام کی ضرورت کو تسلیم کرا لیا۔ سب سے زیادہ جس چیز نے اثر کیا وہ حضرت محمد صلعم کی ذات ہے۔ کس قدر سادگی ہے، اپنی ہستی کو خدا کی ہستی میں گم کر کے آپ نے کیسا اچھا عملی پروگرام دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اخلاق عامہ ہمدردی بنی نوع انسان، احباب و متعلقین کے ساتھ آپکی گہری محبت و مودت، بے خوفی، خدا ترسی، خدا پر بھروسہ اور اپنا کامیاب مشن ایسی چیزیں تھیں جنہوں نے اسلام کو دنیا کی نظروں میں وقیع بنا دیا اور پیغمبر اسلام کی خوبیوں، اور کمالات و احسان کا ہر ایک قائل ہو گیا۔ صرف اور صرف یہی چیزیں تھیں نہ کہ شمشیر جس نے دنیا کی ہر مشکل پر عبور حاصل کر کے اسلام کا پرچم لہرا دیا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے گاندھی جی سے بیان کیا کہ جنوبی افریقہ کے یوروپین لوگ جنوبی افریقہ میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے خیال اور تصور سے بہت خوف زدہ ہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ اسلام وہ مذہب ہے جس نے دنیا کو تہذیب اور عملی کلچر کا نصب العین سمجھایا۔ جس نے اندلس و اسپین میں یورپ تمدن کو سنوارا اور جس نے مراکش سے لیکر پیرس تک شمع علم روشن کر دی اور جس نے سارے جہاں کو اخوت اور بھائی چارے کی عملی تعلیم دی۔ کیا جنوبی افریقہ کے یوروپین ایسے مذہب سے ڈرتے ہیں، ہاں ضرور ڈرتے ہوں گے کیونکہ انہیں یہ خدشہ ہے کہ اگر اس ملک میں اسلام پھیل گیا تو وہاں کی سیاہ فام آبادی گوری قوموں سے مساوات کی طالب ہو گی اور سفید فام لوگوں کی شہنشاہیت دب جائیگی۔ واقعی ان کا خوف بجا ہے، ان کو یقین ہے کہ اسلام رنگ و نسل کے امتیاز کو قطعی مٹا دیگا، اور جنوبی افریقہ میں یوروپین آبادی کے مظالم ختم ہو جائینگے، اور ہر جگہ باہمی مساوات اور اخوت کا دَور دَورہ ہو جائے گا۔ گاندھی جی اپنا چشم دید مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ اگر حبشی عیسائی ہو جائے تب بھی وہ عیسائیوں کے ساتھ مل جُل کر نہیں رہ سکتا۔

ہے، نہ اُن کے ساتھ کھا سکتا نہ عملی طور پر مسیحیوں کی جماعت میں رہ سکتا ہے۔ اچھوت پن کو عیسائیت دُور نہیں کر سکتی ہے۔ دُور کر سکتا ہے تو صرف اسلام ہی دُور کر سکتا ہے کیونکہ جوں ہی ایک حبشی یا کوئی اور کم درجہ کا آدمی مسلمان ہو جاتا ہے تو اس کی رفعت کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ وہ بڑے سے بڑے مسلمانوں کے ساتھ بیٹھ کر کھا سکتا ہے اور عبادت کر سکتا ہے۔ اس کا نمونہ عیسائیت اور یورپین شہنشاہیت پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اسی لئے جنوبی افریقہ میں یورپین آبادی اسلام کی اشاعت اور ترقی سے لرزتی ہے۔ مگر وہ کچھ نہیں کر سکتی۔

پیغمبر اسلام کی تعلیمات کا جلوہ برِ اعظم افریقہ کے ظلمت کدہ میں ضرور پہنچیگا۔

گرو نانک: یہ سکھ مت کے بانی ہیں اور سکھوں کے سب سے بڑے گرو بھی ہیں، یہ نہ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدت مند تھے بلکہ دین اسلام کو سچا دین اور سرکار دوعالم صلعم کو اپنا ہادی اور رہنما بھی سمجھتے تھے اور ان کے عاشق زار بھی تھے۔ رسالہ پیشوا نامی ماہ صفر و ربیع الاول ۱۳۸۷ھ کے رسول نمبر میں نجات کا صحیح راستہ کے عنوان سے جناب سردار بھگت سنگھ لبھوا ایڈیٹر نے جو خود مشہور سکھ مت کے رہنما ہیں ایک مضمون لکھا ہے جس میں چند حوالے گرو نانک کے کلام سے دئے ہیں۔ چنانچہ سردار جی (جنم ساکھی بھائی صفحہ ۱۷۸) میں تحریر کرتے ہیں شعر

اکو سمرو نانکا جو جل تھل رہا سمائے
دوجا کاہے کو سمریئے جو جمے تھے مر جائے

(یعنی خدائے واحد ہی کی پوجا کرنا چاہیئے اور اسے چھوڑ کر فانی چیزوں کی پرستش نہیں کرنی چاہیئے)

ٹیگور: ہندو مذہب کے بڑے رہنماؤں میں سے ہیں۔ اور بہت مشہور اور معروف شاعر بھی ہیں۔ انہوں نے (شانتی نکتن) ایک درسگاہ کی بنیاد ڈالی ہے۔ وہ اپنی عقیدت کا اظہار رسالہ پیشوا (۱۳۵۳ھ کے رسول نمبر میں ذیل کے الفاظ میں کرتے ہیں:۔

اسلام دنیا کے چند عظیم الشان مذاہب میں سے ایک ہے۔ اس بدقسمت ملک میں جو قومیں آباد ہیں ان کے مابین مصالحت کی واحد امید اسی چیز پر منحصر نہیں ہے کہ وہ ذہانت کے ساتھ اپنی قومی مفاد کو حاصل کریں بلکہ روحانی فیضان کے اس ابدی سرچشمہ پر منحصر ہے جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے حاملین صداقت کی ناقابل فنا اور امر سیرت سے اُبلتا ہے جو خدا کے محبوب اور انسانوں سے محبت والفت رکھنے والے اور اعلیٰ اخلاق وصفات کے مالک تھے۔

سری بی ایس کشالیہ B.A. D.I. LONDON ڈپٹی انسپکٹر مدراس، ایک ممتاز ہندو ہیں۔ ان کی عقیدت کا اظہار رسالہ پیشوا ۱۳۵۵ھ کے رسول نمبر میں ذیل کے الفاظ میں کیا گیا ہے۔

"حضور اکرم صلعم کی سچائی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ کی زبان میں ایسا اثر تھا، میں مثال کے طور پر امریکہ جیسے تہذیب یافتہ ملک کو پیش کرتا ہوں، وہاں صرف ایک شراب نوشی کو بند کرنے کے لئے ہر طرح کی تدبیریں اور ذرائع،

اختیار کئے گئے۔ حکومت کی طرف سے پابندیاں عائد کی گئیں، مگر سب کچھ بے فائدہ ثابت ہوا۔ ہندوستان میں گاندھی جی نے اس معاملہ میں کتنی تدابیر اختیار کیں اور کر رہے ہیں، اُن کی امداد کے لئے بھی ہزاروں قابل اور دولت مند آدمی موجود تھے اُن کے ساتھ بے حساب مطابع اور اخبارات بھی مصروف عمل تھے، مگر شراب خواری جیسی تھی ویسی ہی ہے۔ لیکن اس کے برخلاف حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین کو دیکھیئے کہ آپ کے صرف ایک زبانی حکم سے شراب خواری تو کیا اور کتنے افعال بد صرف ایک قلیل مدت میں بالکل ہی نیست و نابود ہو گئے۔ مجھے یہ کہنے میں کچھ باک نہیں ہے کہ بے شک وہ ایک سچے دین کے حامی تھے اور ایک سچے پیغمبر بھی تھے۔ بلا مبالغہ علی الاعلان کہتا ہوں کہ آج دنیا میں کسی شخص کی بھی طاقت نہیں ہے کہ کہ وہ مذہب اسلام اور اس کے بانی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیرکٹر (CHARACTER) پر ایک سیاہ دھبہ لگا سکے۔

بحمد اللہ تعالیٰ بعونہ ہر طرح سے یہ ثابت ہو گیا کہ ان الدین عند اللہ الاسلام یعنی دین تو اللہ کے نزدیک فقط اسلام ہی ہے ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ جو کوئی دین اسلام کے سوا کوئی اور دین پسند کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کریگا۔ فَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا پس تم سب کا معبود فقط ایک ہی معبود ہے، پس اسی کے سامنے سر تسلیم خم کر دو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لولیہ والصلوٰۃ علی نبیہ

امابعد قال تعالیٰ اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور۔

صد سالہ دورِ چرخ ہے ساقی کا ایک دور

اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ توحید و تقویٰ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسی پیغام رحمت کو تمام بندوں تک پہنچانے کیلئے اور ان کو صراط مستقیم پہ چلانے کی خاطر اور جو لوگ مسلمان ہونے کے باوجود اکثر و بیشتر ہر دور میں گناہوں کے مرتکب ہوتے رہے ہیں ان کو تعلیمات اسلام پر گامزن کرنے کیلئے صوفیاء کرام نے بہت زیادہ جد و جہد کی ہے اور مشکلات برداشت کئے ہیں۔ وہ کبھی کسی دنیاوی طاقت سے مرعوب نہیں ہوئے۔ اور درس و تدریس تحریر و تقریر غرض ہر حیثیت سے تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ انسان کے لئے ان صوفیاء کرام کی زندگی ہی تعلیماتِ اسلام کی تشریح اور خلاصہ ہے۔

اس بات پر تاریخ کے واقعات شاہد ہیں کہ صوفیاء کرام نے اعلاءِ کلمۃ الحق کیلئے اپنی قیمتی سے قیمتی اشیاء کو قربان کرنے سے دریغ نہیں کیا ہے۔ ہر خطرہ و مصائب کا خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اسلامی تعلیمات

نکلے جو میکدے سے تو دنیا بدل گئی

اور حسنِ اخلاق کا زندہ نمونہ تھے جسکو انہوں نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ جس کے فیوض و برکات سے بے شمار لوگ ظلمت و گمراہی سے نکل کر دین و دنیا کی سرخروئی، ہر قسم کے ناپسندیدہ اخلاق و عمال سے تائب ہوکر اسلام کے سچے اور مخلص سپاہی اور وفادار ہو گئے۔

آج دنیا میں ہم کو کروڑوں کی تعداد میں جو کلمہ گو نظر آتے ہیں یہ اُنہیں صوفیاء کرام کا احسان ہے کہ ان کی مسلسل جد و جہد اور پیہم کوشش سے کثیر التعداد انسان حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں کہا گیا ہے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل، یعنی میری امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کی طرح ہیں، چونکہ امتِ محمدیہ میں اصلاح ہدایت کا کام حسب اعلیٰ اور وسیع پیمانے پر صوفیاء کرام اور اہل اللہ کے ذریعہ ہوتا رہا ہے اور تا قیام قیامت اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندوں کے ذریعہ ہوتا رہے گا وہ اور کسی امیر وزیر، سلطان یا علمائے ظاہر کے ذریعہ نہیں ہوا،

اس لئے کہ اس حدیث کا مصداق بجا طور سے اہل اللہ اور
صوفیاء کرام کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

جن صوفیاء کرام کے ذریعہ عالم کے اندر دینِ محمدی
صلے اللہ علیہ وسلم کا عروج ہوا اور جن بزرگانِ دین کی کوششوں
سے شمع اسلام کی روشنی بڑھتی گئی اور جن اولیاء اللہ کے
احسانات دینِ اسلام پر ہیں ان بزرگوں میں حضرت محبوب
سبحانی معشوقِ ربانی قندیلِ نورانی شیخ عبدالقادر جیلانی
رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ بہت ہی بلند و برتر ہے۔ اس لئے کہ آپ
سردار اولیاء و صوفیاء ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ مادرزاد ولی بھی تھے اور آپ بچپن
ہی سے سچائی پر ثابت قدم تھے۔ کسی حالت میں بھی آپ عہد
شکنی کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ اس کے متعلق ایک واقعہ بیان
کیا جاتا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو بچپن
ہی سے خدمتِ دینِ اسلام کا بے حد شوق تھا۔ ایکدن آپ
اپنی والدہ محترمہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرتے
ہیں کہ اے امی جان! اب تک میں آپکی خدمت میں رہا، اب میں خدا کے
دین کی خدمت کرنا چاہتا ہوں، مجھے اجازت عنایت فرمائیے، کہ
میں بغداد شریف جاکر علم دین حاصل کروں۔ والدہ محترمہ نے
بہت کچھ سمجھایا مگر آخر کار آپکے عزم راسخ اور جذبۂ خدمتِ دینِ
اسلام کو دیکھ کر اجازت دے دیں۔ آپکے والد ماجد کے ترکہ میں
سے آپ کے حصّہ کا چالیس دینار آپکے پیرہن مبارک میں سی کر
اور جھوٹ نہ بولنے کا اقرار لیکر رخصت فرما دیتی ہیں۔

ان دنوں میں ایک قافلہ بغداد روانہ ہو رہا تھا، آپ اس
کے ہمراہ روانہ ہو گئے لیکن اثناء راہ میں ڈاکوؤں نے اس
قافلہ کو گھیر لیا اور لوٹ مار شروع کر دی۔ ان میں سے ایک
ڈاکو آپ کے پاس آیا اور دریافت کیا تو آپ نے سچ سچ بتا دیا
کہ ہاں میرے پاس بھی چالیس دینار ہیں۔ لیکن ڈاکو نے، یہ
سمجھ کر کہ یہ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ اور جب
اس ڈاکو نے اس واقعہ کو اپنے سردار سے ذکر کیا تو سردار نے
آپ کو بلا کر دریافت کیا تو آپ اس کو بھی وہی جواب دیتے ہیں،
جو پہلے ڈاکو کو دیا تھا۔ چنانچہ آپ کی تلاشی لی گئی تو سچ مچ چالیس
دینار آپکے پیرہن مبارک سے نکل آئے۔ اس منظر کو دیکھ کر ڈاکوؤں
کے سردار کو بہت تعجب ہوا۔ اور پوچھا کہ اے لڑکے ہر شخص جھوٹ
بول کر اپنی جان و مال کی حفاظت کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن
تمہارا کیا حال ہے کہ تم نے جس چیز کو ہماری نظروں سے چھپا رکھا
تھا ہمارے دریافت کرنے پر بتا دیے۔ آپنے فرمایا کہ میں نے
جھوٹ نہ بولنے کا اپنی والدۂ محترمہ سے عہد کیا ہے لہٰذا میں کسی
حالت میں بھی اپنی والدہ کے ساتھ عہد شکنی نہیں کر سکتا۔ سچ
بولنے سے اگر مجھے نقصان ہوتا ہے تو پرواہ نہیں مگر میں جھوٹ
بول کر اپنی والدۂ ماجدہ سے وعدہ خلافی کیسے کر سکتا ہوں۔ آپ
کے ان الفاظ کو سن کر ڈاکوؤں کا سردار حیران رہ جاتا ہے، اور
اپنی حالت پر بہت افسوس کرتا ہے کہ یہ کمسن لڑکا اپنی والدہ کی
نافرمانی نہ کرنے کی خاطر صداقت و سچائی پر قائم رہا اور اپنے مال کے
ضائع ہونے کا ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کیا۔ لیکن میں آغاز جوانی
سے لیکر اب تک خدا کی نافرمانی میں مبتلا رہا ہوں اور مجھے اپنی عاقبت
و انجام کا احساس تک نہ ہوا۔ آخر وہ اپنی بداعمالیوں پر نادم ہو کر

روتا ہے اور آپ کے دستِ مبارک پر توبہ کرتا ہے اور عہد کرتا ہے کہ میں اب کبھی خدا کی نافرمانی نہیں کروں گا، پھر مشرف باسلام ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ اس کے تمام ڈاکو بھی اپنے گمراہی سے تائب ہو جاتے ہیں۔

حضرت غوث پاکؒ کے درس و تدریسی اور تحریری کارنامے

حضرت غوث پاکؒ ۳۳ برس تک درس و تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے اور آپ کے درس سے بے شمار تلامذہ فیض یاب ہوتے رہے اور ان میں جنات کی بھی کثیر التعداد جماعت آپ کے درس میں شریک ہوتی تھی۔ اور اسی درس و تدریس کے دوران میں آپ افتاء کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔ استفتاء پڑھنے کے بعد فوراً بغیر کسی کتاب کے مطالعہ کے جواب تحریر فرما کر دے دیتے جو بالکل صحیح ہوتا تھا۔

اس کے علاوہ آپ کی بے شمار تصانیف بھی ہیں۔ ان میں فتوح الغیب بہت ہی مشہور و معروف ہے۔

حضرت غوث پاک کے دعوت و تبلیغ کے عظیم الشان کارنامے

حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ مدینۃ العلم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور باب العلم مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کے حسب فرمان ۵۲۱ھ سے وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا تھا اور چالیس برس تک اپنی اس عظیم الشان خدمات سے دنیا کو فائدہ پہنچاتے رہے۔

آپ اپنے وعظ میں مختلف قسم کے علوم کی باتیں بیان فرماتے تھے، اور آپ کے وعظ میں یہ کشش تھی کہ سامعین میں کوئی بے ہوش ہو کر گر جاتا تھا اور کوئی اضطراب و بے قراری کے عالم میں گریہ و بکا کرنے لگتا اور آپ کی مجلس وعظ میں کبھی ایسا نہ ہوا کہ جس میں ایک دو جنازے نہ نکلے ہوں۔

آپ کی مجلس وعظ میں یہود و نصاریٰ بھی شریک ہوتے تھے۔ آپؒ خود فرماتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کی کثیر التعداد جماعت میرے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئی ہے اور ایک لاکھ سے زائد گناہگار و بدکار میری مجلس وعظ کے اندر میرے ہاتھ پر توبہ کر چکے ہیں۔

حضرت شیخ جیلانی رحؒ بڑے بڑے خلفاء اور بادشاہوں کو ان کی غلطیوں اور گمراہیوں پر بلا خوف و خطر روک ٹوک فرماتے تھے اور ان میں اکثر آپ کی ہدایت و تبلیغ کی برکت سے راہ راست پر آ گئے۔

سیر العارفین میں حضرت مخدوم رحؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت غوث الثقلین رحؒ سینکڑوں غلاموں کو خریدتے تھے اور اپنے دستِ مبارک پر بیعت کر کے دولتِ ایمان سے مشرف ہونے کے بعد ان کو آزاد فرما دیتے تھے۔

کارنامے امام المشائخ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ

جن صوفیاء کرام کی محنتوں اور مشقتوں سے ہندوستان کے اندر آفتاب اسلام خطِ نصف النہار پر پہنچا اور سرزمین ہند کا گوشہ گوشہ مطلع انوار ہوا ان میں سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحؒ کو ایک خاص مقام اور بلند رتبہ حاصل ہے۔

جس وقت آپؒ زیارتِ حرمین کیلئے تشریف لے گئے اور حج سے فراغت پاکر مدینہ طیبہ کی جانب تشریف

لے گئے تو اسی دوران جس وقت آپ زیارت کے بعد عبادت میں
مصروف تھے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ۵۸۸ھ
میں ہندوستان تشریف لائے۔ اس وقت ہندوستان میں لوگوں
کی حالت بہت ہی بگڑی ہوئی تھی۔ کفر و ظلمت کا دور دورہ تھا۔
آخر الامر جس وقت آپ ہندوستان میں اجمیر شریف میں تشریف
لاتے ہیں تو اس مقام پر رونق افروز ہوئے جہاں اجمیر شریف
کے راجہ پرتھوی راج کے اونٹ باندھے جاتے تھے۔ جب
ساربانوں نے آپ کو وہاں سے اُٹھنے پر مجبور کیا تو آپ وہاں
سے اناساگر تالاب کے قریب منتقل ہو گئے۔ جہاں بہت سے
بت خانے تھے۔ اور بہت سے پجاری ان بت خانوں میں رہتے تھے۔
آپ نے اپنا تبلیغی کارنامہ انجام دینا شروع کیا اور دور دراز مقامات
تک اپنی تبلیغی آواز پہنچاتے رہے۔ یہاں تک کہ بے شمار افراد
حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ دیکھ کر پرتھوی راج بہت پریشان
ہوا اور اپنے ارکانِ دولت سے مشورہ طلب کیا۔ کہ اس فقیر کو یہاں
سے نکالنے کے متعلق کیا صورت کی جائے۔

آخر مشورہ کے مطابق شادی دیو کو آپ کے نکالنے کے کام پر
مامور کیا۔ شادی دیو جو ایک فوجی افسر تھا اپنے چند سپاہیوں کو
لے جاتا ہے اور حضرت خواجہؒ سے مقابلہ کا حکم کرتا ہے۔ لیکن
حالت یہ ہوئی کہ جب کوئی سپاہی مقابلہ کیلئے آگے بڑھتا تو وہ کسی
مصیبت میں گرفتار ہو جاتا۔ یہاں تک کہ تمام کے تمام ناکام رہے۔
آخر کار شادی دیو خود آگے بڑھنے لگا۔ جب وہ آپ کے قریب پہنچا
تو اس کے جسم پر لرزہ پیدا ہو گیا۔ حضرت خواجہ کی ایک نگاہِ
ایمان افروز سے اس کا دل نورِ ایمان سے منور ہو جاتا ہے۔ فوراً
آپ کے قدموں پر گر پڑا اور بہت ہی عاجزی و انکساری کے
ساتھ معافی مانگی اور داخل اسلام ہو گیا اور اس کے بہت سے
ساتھی بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

جب پرتھوی راج اس کوشش میں بھی ناکام رہا تو اس نے
اجے پال نامی ساحر کو جو سحر کرنے میں کامل مشہور تھا بلا کر آپ سے
مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ اجے پال وقت مقررہ پر اپنے ڈیڑھ ہزار
شاگردوں کے ساتھ میدان مقابلہ میں پہنچ گیا۔ اور اپنے تمام
شاگردوں کو حکم کرتا ہے کہ جادو کے زور آپ کو اور آپ کے
تمام رفقاء کو مجبور کر دو۔ جس وقت یہ خبر آپ کو پہنچی تو آپ
اپنے اور اپنے رفقاء کے اردگرد عصائے مبارک سے حصار کھینچ
دیتے ہیں اور اس کے باہر جانے سے اپنے تمام رفقاء کو منع
فرماتے ہیں۔ ساحروں نے اپنی پوری کوشش کر ڈالی۔ طرح
طرح کے خوفناک اژدھے بنا کر آپ کی طرف بھیجے مگر آپ کو اور
آپ کے رفقاء کو ذرہ برابر بھی کوئی نقصان نہ پہنچا۔ بلکہ وہ صحیح و سالم
اپنے مقام میں بیٹھے مسکراتے نظر آتے ہیں۔ اجے پال پھر ایک خاص
کرتب دکھاتا ہے۔ اپنا مرگ چھالا بچھا کر اس پر بیٹھ کر فضا میں اڑتا
ہے۔ حضرت خواجہؒ اپنے رفقاء کے کہنے پر اپنی دونوں کھڑاؤں کی طرف
نظر کرتے ہیں کہ وہ دونوں ہوا میں پرواز کرنے لگتی ہیں اور اوپر جا کر
اجے پال کو مارتے ہوئے نیچے آپ کے سامنے لا کر ڈال دیتے ہیں۔ اجے
پال فوراً کلمہ شہادت اشهد ان لا اله الا الله واشهد
ان محمد رسول الله کی گواہی دیتا ہے اور اپنی خطاؤں کی
معافی مانگنے کے بعد آغوش اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔

کارنامۂ حضرت سید شاہ عبدالقادر قادری المشہور بہ تادر ولیؒ

ناگوری رحمۃ اللہ علیہ جنوبی ہند میں حضرت قادر ولیؒ بہت ہی مشہور و معروف بزرگ گذرے ہیں۔ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم کے بعد حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری رحمۃ اللہ علیہ سے مختلف علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی تکمیل علوم کے بعد آپ نے آپکی اجازت سے حرمین شریفین کی زیارت سے فراغت کے بعد مقدس و متبرک مقامات کی زیارت وسیاحت کے بعد ناگور شریف کو اپنا مستقل مستقر بنایا۔ تا دمِ زیست یہیں زندگی گذار دی۔ وفات کے بعد مزارِ مبارک اور اس کا خوشنما روضہ بھی اسی جگہ تعمیر و تشکیل ہوا جس کی زیارت کے لئے ہمہ وقت سینکڑوں کی تعداد میں معتقدین کا ہجوم رہتا ہے اور زائرین ہمیشہ اسکی زیارت سے مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ آپ کی مکمل سوانح کے لئے یہ مختصر صفحہ ناکافی ہے۔ البتہ آپ کے چند کارنامے حصولِ برکت کیلئے پیش کئے جاتے ہیں ملاحظہ ہو۔

حضرت فرید الدینؒ کے بیان کے مطابق نقل کیا جاتا ہے کہ آپ طلبِ علم کے سلسلہ میں گوالیار کا سفر طے فرما رہے تھے اس وقت راستے میں ڈاکوؤں کی ایک بڑی جماعت نے آپکو گھیر لیا اور آپ سے پوچھا کہ آپ کے پاس کیا ہے۔ جواب میں آپ نے فرمایا کہ ہمارے پاس وہ پروردگار ہے جس نے سب کو پیدا فرمایا۔ لیکن ڈاکوؤں نے اس جملہ کو مذاق سمجھ کر پھر آپ سے گستاخانہ گفتگو شروع کر دی تو حضرت قادر ولیؒ کی نگاہ غضب و قہر سے وہ تمام کے تمام اندھے ہو گئے۔ جب ڈاکوؤں کو آپ کی حقیقت معلوم ہوئی تو فوراً آپ کے قدموں پر گر پڑے اور آپ سے معافی کی درخواست کی۔ آپ نے خدا سے دعا مانگی۔ آپ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا دی۔ اس کرامت کو دیکھ کر تمام ڈاکو آپ کے ہاتھ پر ایمان لے آئے۔ اور ان لوگوں کی درخواست پر آپ نے شہر کے تمام لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ تمام لوگوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا اور مشرف باسلام ہوئے۔

اسی طرح جب شیخ علیہ الرحمہ خدمت دین اسلام کی غرض سے میل پالیم روانہ ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ بھی کفر و شرک کی ظلمت میں بھٹک رہے ہیں اور دیگر برائیوں کی وجہ سے وہ لوگ خدائی عذاب میں مبتلا ہیں یعنی جانب شمال سے آندھی کی وجہ سے ان کو بے حساب نقصانات کا سامنا کرنا پڑا اور ان کے اکثر مویشی ہلاک و برباد ہو گئے۔ آخر وہ لوگ حضرت شیخؒ کی تشریف آوری کی خبر سن کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر داد و فریاد کرنے لگے۔

آپ نے ان لوگوں کے حق میں اس شرط پر دعا فرمائی کہ جب تم لوگ اپنے ہلاک شدہ اسباب و اموال پا جاؤ تو پھر اسلام لے آؤ۔ آخر آپ کی دعا بارگاہ رب العزۃ میں قبول ہوئی۔ ان کا مال و اسباب صحیح سالم ان کو واپس مل گیا۔ اور وہ اپنے وعدہ کے مطابق حضرت شیخ کے دستِ مبارک پر اسلام لائے۔

اسی طرح آپ نے میل پالیم میں بھی اپنے گراں قدر کارنامے انجام دیتے ہوئے اسلام کا پرچم لہرایا۔ اسی طرح مختلف مقامات پر اپنے خرق عادات کارناموں سے دین اسلام کی سربلندی اور نشر و اشاعت فرماتے رہے۔ آپ جہاں بھی جاتے، آپ کی برکت اور فیض محبت سے اسلام ہی کا دور دورہ ہو جاتا۔

اسی طرح آپ درناسیر نامی مقام پر پہنچے تو آپ نے وہاں ایک

درخت کے نیچے قیام فرماتے ہوئے تین دن تک بغیر کچھ کھائے
پیئے گذار دیا۔ جب شہر کے ایک پجاری نے آپ کی خدمت اقدس
میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں تین دن سے آپ کو فاقہ کی حالت
میں دیکھتا ہوں، اگر حکم ہو تو میں کچھ ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش
کردوں۔ آپ نے جواب دیا مجھے فاقہ کشی سے دن گذارنا پسند
ہے لیکن کافر و مشرک کسی ہاتھ سے ہدیہ لینا پسند نہیں۔ بیچارہ
پجاری کورا واپس چلا گیا۔ مندر پہونچکر یہ دیکھ کر حیران ہو گیا
کہ تمام بت اوندھے منہ کے بل گرے پڑے تھے۔ پجاری ہر بار
بتوں کو سیدھا کھڑا کرنے کی کوشش کرتا۔ مگر اس کی کوشش رائگاں
جاتی۔ بت خانہ کے سب لوگ بہت متعجب تھے کہ یہ بات کیا ہے،
آخر کار اس پجاری کے کہنے سے تمام کے تمام قادر ولیؒ کے دست
حق پرست پر تائب ہوئے اور اسلام کی دولت سے مالا مال ہوگئے۔

بہر حال آپ کے وہ کارنامے جو آپ نے اسلام کیلئے انجام
دیئے بے حد و حساب ہیں، اگر ان تمام کو بیان کیا جائے تو شاید
ایک بہت بڑا دفتر مرتب ہوگا۔ لیکن صرف نمونے کے تحت ایک دو
واقعات بیان کردیئے گئے۔ آخر آپ بحسن و خوبی اپنے فرائض انجام
دیتے ہوئے جمادی الآخر ۹۷۸ھ میں بروز جمعہ اس دنیائے فانی سے
رحلت فرماگئے۔ اور اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کارنامۂ حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف

خانوادہ اقطاب ویلور

قادری نقوی المشہور قطب ویلور قدس سرہٗ کے پانچویں
بزرگ حضرت محی الدین سید شاہ عبداللطیف (ثالث) ہیں
آپ رحمۃ اللہ علیہ قطب ویلور سے مشہور ہیں۔ آپ نے علوم
شرعیہ کی تکمیل کے بعد اپنے والد ماجد سیدنا حضرت ابوالحسن محویؒ
کے دست مبارک پر بیعت کر کے خلافت و اجازت حاصل کرلی۔
بعد ازاں اپنے اسلاف کی طرح ہدایت خلق اللہ کے لئے خلق اللہ
کی جانب رجوع ہوگئے یعنی درس و تدریس کا سلسلہ شروع
فرمایا جسکے ذریعہ ہزاروں شائقین علوم کو فائدہ پہنچاتے رہے۔
جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ آپ کے ہزارہا شاگردوں نے آپ سے علم و فضل
حاصل کیا۔ صرف یہی ایک نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ افتاء
کا کام بھی خود انجام دیتے تھے۔ صاحب مقالات طریقت
فرماتے ہیں کہ مختلف مقامات سے آپکی خدمت میں فتاوے آتے تھے،
ان کے جوابات آپ بہت ہی قلیل مدت میں تحریر فرماکر روانہ کردیتے
تھے، ان کے علاوہ آپ تحریرا و رخطوط کے ذریعہ بہت سے
راجاؤں اور دیگر مختلف مقامات کے کفار اور نصاریٰ کو دعوت
اسلام دیتے رہے۔ آپکی کئی ایک معیاری تصانیف ہیں ان میں
سے تصوف کی معرکۃ الآرا کتب جواہر الحقائق و جواہر السلوک
دارالعلوم لطیفیہ کے نصاب میں داخل ہیں۔

تدریس و تحریر کے علاوہ تقریر کے ذریعہ بھی آپ نے
بہت اہم خدمات انجام دیں ہفتہ میں دو دن لوگوں کو وعظ و
نصیحت فرماتے تھے، جمعہ کا دن مردوں کے لئے اور سہ شنبہ کا
دن عورتوں کے لئے مخصوص فرمادیا۔ بہر حال آپ اپنے اسلاف
کا ایک مکمل نمونہ تھے کہ حسب حکم نبویؐ کے تحت آپنے مدرسہ لطیفیہ
کی بنیاد ڈالی برابر بحسن و خوبی اپنا فرض انجام دیتے رہے اور اس
کار خیر و برکت میں ذرا برابر بھی کوتاہی گوارا نہ کی۔ غرض
تمام اولیائے اصفیائے اتقیائے سے۔ خلوص و عقیدت عداکرالٰہی

گلہائے سعدی شیرازی

از
سید محمد انوار اللہ
نورگل بلگام
دارالعلوم لطیفیہ
مکانِ حضرتِ قطبؒ ویلور

(۱)

نہ گردن کشاں رابگیرد بفور
نہ عذر آوراں را براند بجور

۲

ادیمِ زمیں سفرۂ عام اوست
چہ دشمن بریں خوانِ یغما چہ دوست

۳

ولیکن خداوندِ بالا و پست
بعصیاں درِ رزق برکس نہ بست

۴

خلافِ پیمبرؐ کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

۵

ترا عزِ لولاک تمکیں بس است
ثنائے تو طٰہٰ و یٰسیں بس است

۶

تو ہم گردن از حکمِ داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکمِ تو ہیچ

۷

نہ در ہر سخن بحث کردن رواست
خطائے بزرگاں گرفتن خطاست

۸

ہر کہ پرہیز و علم و زہد فروخت
خرمنے گرد کرد و پاک بسوخت

۹

خاموشی بہ کہ ضمیرِ دلِ خویش
باکسے گفتن وگفتن کہ مگوی

۱۰

پند گیر از مصائبِ دیگراں
تا نگیرند دیگراں بتو پند

نصیحت کسے سودمند آیدش
کہ گفتارِ سعدی پسند آیدش

گلہائے گلشن لطیفیہ

از
ادارہ

مذکورہ عنوان کے تحت چند مایۂ ناز شخصیتوں کا مختصر لفظوں میں تعارف پیش کیا جارہا ہے جنھوں نے اعلیحضرت مولانا مولوی سید شاہ عبداللطیف قادری المشہور بہ حضرت قطب ویلور قدس سرہ کی سرپرستی اور حلقۂ درس و تدریس میں شریک ہوکر اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کیا اور خدمت خلق میں ہمہ تن مصروف رہے۔
ادارہ

شمس العلماء الحاج مولانا عبدالوہاب صاحب

بانیٔ مدرسۂ باقیات الصالحات ویلور

آپ شہر ویلور میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیم شہر ویلور اور مختلف مقامات پر ہوئی۔ اس کے علاوہ آپ نے اعلیحضرت مولانا مولوی محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری المشہور بہ حضرت قطب ویلور قدس سرہ کے حلقۂ درس و تدریس میں شریک ہوکر اکتساب فیض کرتے ہوئے علوم ظاہری و باطنی میں کمال پیدا کیا۔ آپ ہی کے دست حق پرست پر بیعت کی اور شرف خلافت سے مشرف ہوئے۔

فکر معاش میں آپ کو حیدرآباد جانا پڑا جہاں اپنی اعلیٰ قابلیت وصلاحیت سے تحصیلداری کے عہدہ پر فائز ہوگئے۔ لیکن شیخ کی نگاہ حقیقت شناس کچھ اور ہی جائزہ لے رہی تھی۔ لہٰذا ایک خط اپنے مرید صادق کے نام روانہ کیا جس میں تحریر تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "حدیث پڑھو اور پڑھاؤ" لہٰذا بفحوائے حدیث شریف تم کو چاہئے کہ حدیث پڑھائیں۔ میری خواہش ہے کہ تم اس خط کو دیکھتے ہی فوراً چلے آئیں۔ شیخ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے موصوف تحصیلداری جیسے عظیم منصب کو ٹھکرا کر آپ کی خدمت میں چلے آئے اور پیر مرشد کے حکم کے مطابق مسجد بڑی گلی جو آج مسجد باقیات الصالحات کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں کے مکتب میں تدریس و تعلیم کا کام شروع کردیا۔ اپنی مسلسل جدوجہد و جانفشانی سے اس مدرسہ کو اس بام ترقی پر پہنچایا جس کی عالی شان عمارت آج مدرسہ باقیات الصالحات کے نام سے مشہور ہے۔

اگرچہ اس راہ میں آپ کو سینکڑوں مشکلات و مصائب

کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن عزم وہمت کے اس عملی پیکر نے ایثار و قربانی کا وہ بے مثال نمونہ پیش کیا جسکی یادگار زندۂ جاوید رہے گی۔ اگر آپ تحصیلداری کے عہدہ پہ جمے رہتے تو اگرچہ چند روزہ دنیوی زندگی پر بہار ہو جاتی، مگر یہ معاملہ صرف اپنی ذات تک محدود رہ جاتا۔ لیکن آپ نے دنیا پہ ظاہر کردیا، کہ شیخ کا امتثال امر انسان کو بلندی کی کس منزل پہ پہنچا دیتا ہے

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

مدرسہ باقیات الصالحات کے روپ میں آپ کا یہ عظیم الشان کارنامہ جہاں سے سینکڑوں طلباء علوم دینیہ سے سیراب ہوتے جارہے ہیں رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔

آپ عالم باعمل، متقی پرہیزگار اور خدا ترس انسان تھے اپنے پیر و مرشد سے آپ کو دلی عقیدت اور سچی محبت تھی۔ آپ کا وصال سنہ ۱۹۱۹ء میں ہوا اور آپ کا مزار احاطہ مسجد باقیات الصالحات میں مرجع خاص و عام ہے۔

مولانا مولوی حضرت سید شاہ کریم اللہ نبیرۂ قادری ویلوری رح

آپ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ العزیز میں پیدا ہوئے آپ کی ابتدائی تعلیم اسی مکان میں ہوئی۔ آپ نے اعلیحضرت مولانا مولوی محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری المشہور بہ قطب ویلور قدس سرہٗ کے حلقۂ تدریس میں شریک ہوکر اکتساب فیض کیا۔ تصوف کی بلند پایہ کتب جواہر الحقائق و جواہر السلوک خود مصنف کتاب سے پڑھی۔

آپ حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ کے ہمشیر زادہ تھے۔

آپ کو اپنے آبائی سلسلہ میں بیعت و خلافت حاصل ہونے کے علاوہ حضرت قطب ویلور کے آپ خلیفۂ خاص اور آپ کو ایکسو اکانوے سلاسل میں اجازت حاصل تھی۔

آپ بعد فراغت تعلیم حیدرآباد دکن پہنچکر تحصیلداری کے منصب پہ فائز ہوگئے کئی سال کے بعد وظیفہ یاب ہو کر ویلور دار السرور واپس ہوئے۔ آپ کی زندگی کا آخری حصہ عبادت وریاضت میں صرف ہوا۔ اسکے علاوہ آپ دار العلوم لطیفیہ کے منتہی طلباء کو جواہر الحقائق و جواہر السلوک جیسی تصوف کی عظیم المرتبت کتابوں کا درس دیتے ہوئے صاحب کتاب سے جو نکات حاصل کئے تھے منکشف فرماتے تھے۔ آپ شریعت مطہرہ کے پابند اور زہد و تقویٰ کی مثالی تصویر تھے۔

آپ کی وفات کا واقعہ بھی نہایت عجیب و غریب ہے۔ چورانوے سال کی عمر میں وصال سے کچھ دن پہلے صاحب فراش ہوگئے تھے۔ ایکدن اچانک پلنگ پہ بیٹھ گئے (جبکہ آپ کو کچھ بھی طاقت نہیں تھی) اور چاروں طرف سلام کرنے لگے، یہ کچھ دیر بعد پلنگ سے کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے کہ آپ نے کیوں تکلیف فرمائی میں خود حاضر ہو رہا ہوں۔ معلوم ہوا کہ اس وقت روحانی طور پہ حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے تھے۔ پھر آپ نے اپنی بہو کو آواز دی اور پہلو والا کمرہ کھول کر اندر حصیر بچھانے کے لئے کہا۔ خود اس حصیر پہ لیٹ گئے اور کلمۂ طیبہ پڑھتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

مولانا مولوی الحاج حکیم شاہ بدرالدین حسینی قادری مدراسی

آپ کی ابتدائی تعلیم مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ میں ہوئی۔ آپ کو بھی اعلیحضرت مولانا مولوی محی الدین سیّد شاہ عبداللطیف قادری المشہور بہ قطب ویلور قدس سرہٗ کے حلقۂ درس وتدریس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ ہی کے دستِ حق پرست پر بیعت حاصل کی اور خلافت عظمیٰ سے سرفراز ہوئے۔

آپ طبیب حاذق اور طب یونانی میں یکتائے روزگار واقع ہوئے ہیں۔ آپکی طبابت کا یہ عالم تھا کہ صرف ایک دو سفوف اہتمام سے تیار کرتے اور ہر مریض کے لئے بدرقہ کے ساتھ استعمال کرنے کے لئے تجویز فرماتے جسکے استعمال سے مریض رُو بہ صحت ہو جاتا۔ اس سے آپ کی انتہائی تجربہ کاری اور کمال حکمت کا پتہ چلتا ہے۔ آپکی دستِ شفا سے کئی مہلک مرض کافور ہو گئے اور سیسے لاعلاج مریض کو صحت کاملہ حاصل ہوئی۔ بجز اس کے کہ اس کا جام حیات لبریز ہو گیا ہو آپکے در سے کوئی مایوس نہیں گیا۔ آپ کو اپنے پیر و مرشد سے والہانہ محبت و عقیدت تھی۔ آپ صاحب دل اور حق شناس بزرگ تھے۔

آپ میں زہد وورع، انسانیت نوازی اور خدا ترسی بدرجۂ اتم موجود تھی۔ آپکا سن وفات ٹھیک طور سے معلوم نہ ہو سکا۔ غالباً سنہ ۱۹۲۴ء میں آپکا وصال شہر مدراس میں ہوا۔ وہیں آپکی آرام گاہ ہے۔

مولانا مولوی الحاج عبدالحی صاحب بنگلوری

آپ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں لیکن بزم اللطیف میں مذکورہ عنوان کے تحت اس گل گلزار کو فراموش کر دینا سراسر ناانصافی ہوگی۔

بچپن ہی سے ستارۂ بلندی آپ کے ناصیۂ بلند اقبال میں چمک رہا تھا۔ وہ تمام آثار رونما ہونے لگے تھے جو کسی عظیم شخصیت کے ظہور کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔

بالائے سرش زہوشمندی می تافت ستارۂ بلندی

آپ نے علمی زندگی کے ابتدائی مراحل اسی مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ العزیز میں طے فرمائے۔ اس کے بعد اعلیحضرت مولانا مولوی محی الدین سیّد شاہ عبداللطیف قادری المشہور بہ قطب ویلور قدس سرہٗ العزیز کے حلقۂ ارادت میں شریک ہو کر علوم ظاہری وباطنی سے فیضیاب ہوتے رہے اور اس میں کمال حاصل کیا۔ آپ ہی سے دستارِ خرقۂ خلافت حاصل فرما کر شادکام ہوئے۔ حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ کی تربیت نے آپ کی صلاحیتوں کو نکھار دیا اور فضل وکمال کے بلند مراتب پر فائز کر دیا۔

آپکے اندر جذبۂ اشاعت دین پوری طرح موجزن تھا تحریر وتقریر دونوں میدانوں میں فضل و کمال کا مظاہرہ کرتے ہوئے اعلیٰ پیمانہ پر تبلیغ دین کا کام انجام دیتے رہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپکی زبان میں شیرینی عطا فرمائی تھی قلم کی بوقلمونیاں بھی حیرت انگیز ہیں۔ ہر دو پر آپ کو کامل قدرت حاصل تھی۔ آپکی صلاحیت ولیاقت وعظ کا یہ عالم تھا کہ واعظ ہی آپ کا لقب بن گیا اور علاقہ بھر میں واعظ عبدالحی کے نام سے مشہور ہو گئے۔

آپ کی تصانیف زیور طبع سے مزین ہو کر منظر عام پر

آچکی ہیں۔ لیکن کتاب "جنان السیر" آپ کی شہرت کو چار چاند لگادیا۔

یہ کتاب آج بھی ملک کے بیشتر حصوں میں پڑھی اور سمجھی جاتی ہے۔

آپ سچے عاشق رسول تھے صلی اللہ علیہ وسلم" اور اپنے پیرو مرشد سے دلی عقیدت اور محبت تھی تصنیف و تالیف کے معاملہ میں ہمیشہ آپکا یہ طریقہ رہا کہ حمد و صلوٰۃ کے بعد اپنے پیرو مرشد کی مدحت سرائی کرتے ہوئے کتاب شروع فرماتے جس سے آپ کی انتہائی محبت و وارفتگی کا پتہ چلتا ہے، آپ کی تصانیف ہمارے اس دعوے کی بولتی مثال ہیں۔

مولانا مولوی الحاج محمد حنیف صاحب بنگلوری

آپ نے اعلیحضرت مولانا مولوی محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری المشہور بہ حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کی سرپرستی میں علم شریعت و طریقت میں کمال حاصل کیا۔

آپ ابتدا ہی سے ذہین و فطین واقع ہوئے، علم تفسیر حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ، ہیئت وغیرہ میں آپکو یکساں مہارت تامہ حاصل تھی۔ حضرت والاہی کے دست حق پرست پر بیعت کی اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ آپ کی خداداد صلاحیتوں اور خوبیوں کو دیکھ کر حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ نے آپ کو دار العلوم لطیفیہ کے سند درس و تدریس پر فائز کیا۔ خصوصًا اپنے فرزند نور العین اعلیحضرت مولانا مولوی رکن الدین سید شاہ محمد قادری کی تعلیم و تربیت بھی آپ کے سپرد کی۔

بزرگان دین اور سادات کرام کا احترام آپکی خصوصیت بن چکی تھی " با ادب با نصیب" کے آپ عملی پیکر تھے۔ یہی وہ چیز تھی جسکے باعث آپکو دین و دنیا کی سعادت و فیروزمندی حاصل ہوئی آپکا مطالعۂ کتب زندگی کے آخر حصہ تک رہا۔ اشاعت دین میں کوشاں رہے

دکنی شعراء میں زبدۃ العارفین اعلیٰحضرت سید شاہ ابوالحسن قربی قدس سرہٗ العزیز ویلوری کو ایک اہم مقام حاصل ہے ۔ اس عظیم فنکار نے اپنی غزلوں میں حقائق و معارف کی دریا بہائے اور اسرارِ تصوف کے موتی لٹائے ہیں ۔ آپ کی شاعری میں سوز بھی ہے، اور ساز بھی، زبان کی پاکیزگی، الفاظ کی لطافت، اور بندش کی چستی، آپکے یہاں پوری طرح موجود ہے، اگرچہ زبان میں قدامت بھی پائی جاتی ہے ۔

دکنی شعراء نے اردو شاعری کا آغاز کیا اور اس سلسلہ میں علمائے تاریخ ادب اردو کا متفقہ فیصلہ ہے کہ نظم اردو کا ظہور دکن سے ہوا ۔ (۱) صوفیائے کرام دکن کے گوشے گوشے میں اسلام کی تبلیغ کے لئے پہنچے اور انہوں نے آسان زبان میں اپنی عارفانہ باتیں لوگوں کو سمجھائیں ۔ ان کی شاعری میں تصوف اور ذاتِ باری سے تعلق ایک بنیادی عظمت کا حامل نظر آتا ہے ۔ حضرت قربی قدس سرہٗ اس طرز کے ایک عظیم و قدیم شاعر ہیں جن کا دکنی کلام چند سال پہلے پروفیسر سید فضل اللہ صاحب نے ایک مقدمہ اور حاشیہ کے ساتھ شائع کیا ہے ۔ اس دیوان کو پڑھنے کے بعد مجھے احساس ہونے لگا کہ اب دکنی کتابوں کو مفصل شرح یا کم از کم حل لغت کے ساتھ شائع کرنا چاہیئے ورنہ ان کا نفع محدود سے محدود تر رہ جائیگا ۔ حضرت قربی قدس سرہٗ کے کلام میں قدیم دکنی الفاظ، محاورات، طرزِ تعبیر اور نحوی و صرفی کیفیت، پوری طرح نمایاں ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ آپ شاعر قدیم العہد ہیں ۔ آپکا کلام ڈھائی سو برس قبل کا ہے جبکہ اردو غیر ترقی یافتہ زبان تھی (خصوصاً نثر میں) ۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قربی قدس سرہٗ کی شاعری کا جائزہ لینے سے قبل آپ کی زندگی، ماحول، طرزِ فکر اور سماجی حالات پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے ۔ تاکہ اس پس منظر میں آپکی شاعرانہ عظمتوں اور عارفانہ رموز کی نشاندہی کی جا سکے ۔

حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی قدس سرہٗ سنہ ۱۱۱۸ ہجری میں بیجاپور میں متولد ہوئے ۔ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ مختلف مقامات

(۱) ملاحظہ ہو مقدمہ آبحیات مصنفہ محمد حسین آزاد ۱۲

پر قیام کرتے ہوئے ویلور پہنچے۔ ویلور ضلع شمالی آرکاٹ مدراس میں مستقل قیام کے بعد حضرت قربی قدس سرہٗ کو علوم عربیہ کی تکمیل کا موقعہ ملا۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے تصوف کے مجاہدے اور منزلیں بھی طے کرنی شروع کردیں۔ تصوف آپ کی گھٹی میں پڑا تھا۔ آپ کے والد شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری قدس سرہٗ ایک باخدا شخص تھے۔ آپ کے مریدوں کا سلسلہ وسیع تھا۔ حضرت قربی قدس سرہٗ نے اسی متصوفانہ ماحول میں آنکھیں کھولیں۔ اپنے والد ماجد کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ خلافت سے مشرف ہوئے اور اکیسو اکیانوے سلاسل میں اجازت حاصل کی۔ آپ کو حضرت عبدالحق مخدوم ساوی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے والہانہ کیفیت پیدا ہوئی اور آپ نے حضرت موصوف سے سلوک کی راہیں طے کیں۔ حضرت مخدوم ساوی کے بارے میں آپ کہتے ہیں ؎

وحدتِ علم میں ہیں بایزیدِ ثانی

کہتا ہے عارفاں کوں ہر نکتہ منتخب او

حضرت قربی قدس سرہٗ نے ایک دارالتزکیہ بنایا۔ چنانچہ آپ نے ویلور میں ۱۷۶۶ء میں ایک زبردست خانقاہ بنائی، جو آج بھی مدرسہ اور خانقاہ کی وجہ سے مرجع خلائق ہے اور حضرت مکان کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

حضرت قربی قدس سرہٗ کا وصال ۲۰ رمضان المبارک ۱۱۸۲ھ کو ویلور میں ہوا اور حضرت مکان ہی میں مدفون ہوئے۔ آپ کا مقبرہ نہایت عالی شان ہے۔

حضرت قربی قدس سرہٗ کی زندگی کا اثر آپ کی شاعری پہ پوری طرح عکس فگن ہے۔ آپ نے اپنے اردو دیوان میں اپنے عارفانہ تجربات، ذات باری سے عشق و محبت، وحدت الوجود، اس کے لئے سوز دروں اور تڑپ، وصال کی تمنا، اسکی رحمتوں کے خزانے، اسکی عظمتوں کے جلوے، اسکی شان جبروت و جلال، اسکی محبت و شفقت کے نظارے اور اسکی وحدت کے مشاہدے، آپ کی شاعری کی روح اور کمال فن کا سرمایہ ہے اور اسی سے آپ اپنی شاعری کا تانا بانا تیار کرتے ہیں۔

غالبؔ مسائل تصوف بیان کرتے ہیں مگر رندِ مشرب ہیں انکا تصوف نظری ہے۔ بلکہ میرؔ، سوداؔ، غالبؔ اور فانیؔ سارے شعراء کا تصوف عملیت کی عظمت سے خالی ہے۔ اس کے برعکس حضرت قربی قدس سرہٗ نظری و عملی دونوں نقطۂ نظر سے تصوف کے رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تصوف کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اسکی وجہ سے مادی اور جنسی کثافتوں کو شاعری میں جگہ نہیں ملتی، بلکہ شاعری اعلیٰ اقدار حیات کی ترجمان بن جاتی ہے۔ یہ قدریں چونکہ باری تعالیٰ سے متعلق ہیں اور انسانی زندگی سے اپنا رشتہ قوی رکھتی ہیں، اس لئے اس سے کیفیت علو و عظمت پیدا ہوتی ہے۔ بعض مادہ پرست ناقدوں نے تصوف جیسی پاکیزہ چیز پر بھی ضرب لگانی شروع کردی ہے، حالانکہ منجملہ اور اسباب کے تصوف کی عدم موجودگی کی وجہ سے لکھنؤ دبستانِ تغزل میں رکاکت پیدا ہوئی۔ تصوف ہماری شاعری کا ایک جاندار اور صالح عنصر ہے جس سے شاعری کو توانائی اور رعنائی کی دولت عطا ہوتی ہے۔

حضرت قربی وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ آپ کو سارے عالم میں ذات باری کے علاوہ کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ فرماتے ہیں ؎

تو معرفت کا جام پی تا آج کوں مستی میں دسے

ہر شئی تجلی دوست کی ساقی و مئے جام و زجاج

کل شیئ محیط کا سِر بوج

ہے او عشاق کوں مروح روح

ہے ظہور اس کا آسمان و زمیں

خاک ہور، آب ہور آتش و باد

حضرت قربی کے اشعار کو اگر ذرا الفاظ بدل کر پڑھا جائے تو قدامت زائل ہو جائے اور اشعار دلچسپ ہو جائیں مثلاً آخر الذکر شعر اس طرح کر دیا جائے۔ ؎

ہے ظہور اس کا آسمان و زمیں

خاک اور آب اور آتش و باد

تصوف سے آپ کا کلام پُر ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ ساز و سماع کے قائل نہ تھے بلکہ ذاتِ حق آپ کے لئے ساز و سماع تھی چنانچہ فرماتے ہیں ؎

مجھ رگِ رگ سوں چنگ آواز

اللہ اللہ کا نکلتا ناد

زندگی کے سدھار اور نفس و قلب میں پاکیزگی کے لئے آپ تصوف اور اسکے لوازمات کو ضروری خیال فرماتے ہیں ؎

تو پیرِ مکمل کا دامن پکڑ،	کریگا انا الحق او انشرح
تو مرشد کے آثار پر کر سلوک،	نہ پہنچائیگا حق کو زہد و صلاح
یوں کشف و کرامات سوں ہونے کیا	بجز علم باللہ نہیں ہے نجاح

آپ بار بار پیر، مرید، مرشد اور تصوف کے دوسرے عناصر کی طرف توجہ دے رہے ہیں۔ دیوان کی ابتدا میں حضرت قربی قدس سرہ نے خدا کی حمد میں جو اشعار لکھے ہیں وہ اسکی تعریف سے زیادہ تصوف کے فلسفہ کے بیان پر مبنی ہیں۔ ؎

اسم مطلق کر ظہور اسماء ہوا	کر یقین او عین سب اشیاء ہوا
اسم کوں عین مسمیٰ بولتے ہیں	اور مسمیٰ عین کل اشیاء ہوا
آسماں او ابر او، او ہی آسماں	خاک و آب و آتش و بارہ ہوا

یہاں بھی وحدت الوجود کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ حضرت قربی قدس سرہ کو ذاتِ باری سے ایک غیر معمولی والہانہ تعلق، اور خدا کی ذات سے ملنے کا ایک لافانی جذبہ اپنے اندر محسوس کرتے ہیں اور اسی کو وہ حاصلِ زندگی تصوّر کرتے ہیں، خدا کی راہ میں فنا، حیاتِ جاوداں ہے فرماتے ہیں ؎

عاشقِ صادق اگر ذات کر اپنی فنا

ذات میں اللہ کے فوں کو ہر سے تو بھلا

لجۂ وحدت کے تئیں نہیں ہے کنارہ کہیں

عاشقِ صادق اگر اس میں گرے تو بھلا

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ صحیح مسلکِ صوفیہ کے حامل ہیں عقیدۂ جبریہ اعتقاد نہیں رکھتے بلکہ انسان کے حاصل شدہ اختیار میں اطاعتِ الٰہی کی دعوت دیتے ہیں ؎

دے اختیار میں اس سب اختیار آپس کا

اسکی رضا میں چلنا نت اختیار کرنا

نفسانیت کا دریا، دریائے بے کراں ہے

اللہ کی مدد سوں کشتی کو پار کرنا

یک کو ہزار کرنا، کرنا ہزار کو یک

مذہب میں عاشقاں کے ہے یوں شمار کرنا

آپ کا دل اور آپ کی زبان ترجمان تصوّف ہے، آپ

کے دکنی کلام کا ہر ہر شعر معرفت وحقیقت میں ڈوبا ہوا
ہے اور چونکہ یہ کیفیات آپکے اپنے تجربات سے عبارت
ہیں اس لئے ان میں تصنع کی جھلک نہیں۔ اب تصوف کے
بارے میں کچھ عام اشعار سنئے سہ

نہیں ہے پست و بالا کچھ سخن میں اس وہی شاید
زمیں دستا ہے پستی میں، بلندی میں فلک دستا

ماہ من شمع نمن دل کے شبستاں میں آ
نور دیدہ ہو میری چشم کے ایواں میں آ

من عرف نفسہ کا انجن لگا کو دکھا،
ہر چیز ذات حق بن میں بے ثبات پایا

حضرت قربی قدس سرہ کئی دلچسپ انداز سے ایک
حقیقت بیان کرتے ہیں سہ

عمر اوراق پھرانے میں گنوایا ساری
علم نکتہ میں نہاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

جگ میں نقارۂ انا الحق سن
چار اطراف میں رھیا ہے بج

جہاں کہیں حقیقت کے پردے میں آپ نے مجازی کیفیات
کا بیان کیا ہے اس میں آپ کی زبان، بیان اور شاعرانہ انداز
نظر ابھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ لب کی تعریف سنئے :-

یاقوت ترے لب کا ہے لعل بدخشاں
دنداں کے جلا او پر الماس ہے قربانی

تجھ مکھ کی ملاحت سوں تجھ لب کی فصاحت سوں
حیرت میں سدا گم ہو صد دلبر کنعانی

اردو شاعری میں تصوف کی پاکیزگی اور اس کے اعلیٰ
مسائل سے شاعری کو آشنا کرنے میں حضرت قربی رح
قدس سرہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ آپ کے دیوان
کو دیکھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ اتنے قدیم زمانہ میں انہوں نے
کس طرح پوری غزلوں کو عشق خدا اور تصوف کی مختلف
واردات وکیفیات میں رنگ کر پیش کیا ہے

آپ نے غزلیات میں تصوف کی روح کھینچ کر شاعری
کے قالب میں بڑے فن کارانہ انداز میں پیش کیا۔ غزلیات
کو عشق مجازی کی گندگی سے پاک کیا اور عشق حقیقی کی
عظمت سے اس کو آشنا کرکے اردو شاعری میں عمدہ
شاعری کا ایک پاکیزہ نمونہ پیش کیا۔

ہندوستان میں مسلم دورِ حکومت کا عدل و انصاف

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

از :- کے۔ یم۔ شاکر اللہ مدن پلی، زمرۂ ثالثہ
متعلم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور۔

اسلام کی بے شمار خوبیوں میں سب سے زیادہ متاثر کُن خوبی اس کی رواداری ہے۔ اسلام میں نہ اونچ ہے نہ نیچ کا فرق ہے اور نہ رنگ و نسل کا۔ مذہب اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ عدل و انصاف سے پیش آیا۔

سچ تو یہ ہے کہ اسلام رواداری کا سب سے بڑا مبلّغ ہے اور اس نے انصاف و رواداری کا جو نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اسکی مثال خلفائے راشدین کے دورِ خلافت میں ملتی ہے اور خلفائے راشدین کے علاوہ جتنے بھی مسلم حکمران اس دنیا میں گذرے ہیں وہ ہمیشہ غیر مسلموں سے برادرانہ سلوک کرتے رہے۔ اسی طرح مسلم شاہانِ ہند نے بھی غیر مسلم رعایا کے ساتھ بے انتہا رواداری کا سلوک کیا۔

تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ غیر مسلموں کو پوری مذہبی آزادی حاصل تھی اور مسلم شاہانِ ہند نے غیر مسلموں کو بڑے بڑے عہدوں پہ فائز کیا تھا۔ ہمیں یہ بھی جاننا چاہیئے کہ مسلم دورِ حکومت میں دو خوبیاں تھیں۔ ایک انصاف پسندی، دوسری مذہبی آزادی۔ غرض ہندستان میں مسلم بادشاہوں کی آمد سے قبل یہ وسیع ہندستان چھوٹے چھوٹے طبقوں کے درمیان بٹا ہوا تھا اور ہندوستان کے مختلف راجاؤں کی مختلف قومیں کئی گروہوں میں تقسیم تھیں۔ یہ وہ دَور تھا جبکہ ہندستان کا ہر اونچا طبقہ اپنے سے نیچے طبقہ کو غلام بلکہ انتہائی ذلت آمیز نظروں سے دیکھتا تھا۔ ایک مخصوص طبقہ تھا جس کے لئے تو کسی حالت میں بھی سزا نہ تھی اور ان کی اخلاقی حالت انتہائی شرمناک تھی، اور عورت کی کوئی حقیقت ہی نہ تھی۔ علاوہ اس کے عدل و انصاف کا نام و نشان تک نہ تھا۔ لیکن! جب مسلمانوں نے ہندوستان میں قدم رکھا تو ان تمام خرابیوں کو نیست و نابود کر دیا اور ایک نیا انقلاب برپا کر دیا۔

مسلمانوں نے ہندوستان کو ۷۱۲ء میں فتح کیا تھا اور ہندوستان میں ان کی حکومت ۱۸۵۷ء میں ختم ہوی۔ یوں تو مسلمانوں کا تعلق ہندوستان سے پہلی صدی ہجری ہی سے شروع ہو گیا تھا مگر یہ تعلق ٹوٹتا اور جُڑتا تھا۔ لیکن محمد بن قاسم نے

۹۳ھ میں ہندوستان میں سب سے پہلی مسلم حکومت قائم کی تھی۔ محمد بن قاسم کے بعد دیگر حکمرانوں نے ہندوستان پر حکومت کرنا شروع کیا۔ غرض جتنے بھی مسلم بادشاہوں نے ہندوستان میں حکومت کی ہے تمام نے مسلم اور غیر مسلموں کے ساتھ انصاف و رواداری کا برتاؤ کیا۔ مسلم دورِ حکومت میں نہ تو کوئی مندر توڑا گیا اور نہ کسی غیر مسلم کو ناحق قتل کیا گیا بلکہ ان کے ساتھ انتہائی رواداری کے ساتھ پیش آتے تھے اور ہند کے مسلم سلاطین نے ہندوؤں کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں اور ان کے مندر وغیرہ بنانے کے اخراجات کے لئے بہت زیادہ رقومات عطا کیا اور یہ مسلم سلاطین نے ان کے ساتھ وہی رویّہ اختیار کیا تھا جو رویّہ ان کے ہندو راجاؤں نے اپنے درباروں میں اختیار کیا تھا۔ غرض یہ تمام باتیں مسلم شاہانِ ہند کے عدل و انصاف و رواداری کا بین ثبوت ہیں۔

(ہندوستان پر اسلامی حکومت)

اسی سلسلے میں ذیل کے چند واقعات سے اندازہ لگائیے کہ ہندوستان کے مسلم بادشاہوں نے عدل و انصاف پر کس قدر زور دیا ہے اور کس طرح حسن و خوبی سے حکومت کی ہے۔

سُلطان غیاث الدین بلبن یہ وہ بادشاہ تھا جو انصاف کے معاملہ میں کسی کی بھی پرواہ نہ کرتا تھا، اس کے دورِ حکومت میں اس کا ایک امیر تھا جس کا نام تعیق بن جامدار تھا۔ ایک مرتبہ وہ ایک بے گناہ غریب کو کوڑوں سے اتنا پٹوایا کہ وہ مر گیا۔ مقتول کی بیوہ عورت دربارِ شاہی میں داد خواہ ہوی۔ امیر کو بادشاہ کے مقرب ہونے پر فخر تھا اور وہ سمجھا تھا کہ مجھے کوئی سزا نہ ہوگی۔ لیکن خلاف امید امیر کے خلاف باقاعدہ مقدمہ ہُوا اور جُرم کے ثبوت کے بعد امیر کو بادشاہ نے اتنے کوڑے لگوائے کہ وہ بھی مر گیا۔ علاوہ اس کے بادشاہ نے امیر کی لاش کو بدایون کے دروازہ پر لٹکوا دیا۔ تاکہ لوگوں کو اس سے عبرت حاصل ہو۔ یہ ہے سلطان غیاث الدین بلبن کا انصاف جس نے مظلوم کی داد رسی کی خاطر اپنے امیر کی بھی پرواہ نہ کی تھی۔

اور مغل بادشاہوں کی حکومت اور ان کے عدل و انصاف کے حال سے آپ حضرات بخوبی واقف ہوں گے کہ وہ اپنے دورِ حکومت میں کس طرح عدل و انصاف کے ساتھ کام کرتے تھے، انہیں بادشاہوں کے چند واقعات ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں۔

جلال الدین محمد اکبر یہ ہندوستان کے مغل بادشاہوں میں تیسرے بادشاہ گذرے ہیں جنہوں نے ہندوستان کی حکومت ایسے عدل و انصاف کے ساتھ کی ہے کہ جن کی تعریف آج بھی دنیا کے ہر فرد کی زبان پر ہے۔ غرض شہنشاہ اکبر کا ایک تاریخی واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ شہنشاہ محمد اکبر کی والدہ مریم مکانی جن کا ایک سوتیلا بھائی خواجہ معظم نامی تھا۔ اس کو جلال الدین کا ماموں ہونے پر فخر تھا۔ وہ جو چاہتا تھا کر بیٹھتا تھا۔ لیکن اکبر کو ماموں کے کارنامے بالکل پسند نہ تھے۔ ایکدن خواجہ معظم نے اپنی ہی بے گناہ بیوی کو خنجر مار کر قتل کر دیا۔ جب یہ خبر شہنشاہ اکبر کو ملی تو وہ آگ بگولا ہو گیا اور اپنے ماموں کو قتل کا حکم دے دیا۔

شہنشاہ نورالدین محمد سلیم جہانگیر یہ شہنشاہ اکبر کا فرزند خاندان مغلیہ

کا چوتھا بادشاہ گذرا ہے جس نے اپنے باپ کے دورِ حکومت
کے بعد حکومتِ ہند کو اپنے قبضے میں لے لیا اور اپنے باپ
ہی کی طرح عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کیا ان کا ایک
تاریخی واقعہ قابل درج ہے۔ شہنشاہ جہانگیر کے دورِ حکومت
میں اسکی رفیقۂ حیات ملکہ نور جہاں شکار کھیل رہی تھی کہ اسکے
چلائے ہوئے تیر کا نشانہ خطا کرتے ہوئے اُدھر سے گذرنے
والے دھوبی کو لگ گیا جسکی وجہ سے وہ جاں بر نہ ہوسکا۔ آخر
کار مقتول نے اہل و عیال نے دربارِ شاہی میں مقدمہ دائر
کردیا۔ شہنشاہ جہانگیر یہ سن کر پریشان ہوگیا ایک جانب
"انصاف" دوسری جانب "محبوبہ"۔ لیکن اس انصاف پسند
بادشاہ نے دامنِ انصاف کو اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیا حکم
دے دیا کہ "ملکہ" کو فیصلہ ہونے تک قید خانے میں رکھ دیا
جائے۔ اس کے بعد علماء سے فتویٰ حاصل کیا۔ جس پہ علماء نے
خون کا بدلہ خون کا حکم صادر فرمادیا۔ ملکہ نے قید خانے سے
کہلا بھیجا کہ شریعت میں خون بہا بھی تو جائز ہے۔ پھر بادشاہ
نے علماء سے فتویٰ طلب کیا تو علماء نے یہ فتویٰ دیا کہ اگر
اگر وارثین بخوشی خون بہا لیکر معاف کردیں تو ٹھیک ہے۔
وارثین سے پوچھا گیا تو وہ خون بہا لینے کا اظہار کیا۔ لہٰذا ملکہ
کو معاف کردیا گیا۔

شہنشاہ اورنگ زیب

یہ مغلیہ خاندان کے آخری بادشاہ گذرے ہیں۔
جنہوں نے ہندوستان میں عدل و انصاف کے ساتھ پچاس سال
تک حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ آپ کے دورِ حکومت میں ایسی
فراخ دلی کے ساتھ غیر مسلموں کو نوازا جاتا تھا کہ جس کا بیان
محتاج ذکر نہیں۔ یہ وہی شہنشاہ ہیں جنہوں نے اپنی زندگی
میں رعایا کی ایک کوڑی کو بھی جائز نہ سمجھا بلکہ قرآن شریف
کی کتابت کرنا اور ٹوپیاں بنانا آپ نے اپنی زندگی کا ذریعہ
بنالیا تھا۔ آپ کے دورِ حکومت کا ایک واقعہ قابل تحریر ہے ملاحظہ
ہو کہ شہنشاہ جہانگیر کا بہنوئی کوتوال تھا۔ اس کے بیٹے نے
ایکمرتبہ کسی ہندو کی برات جاتے دیکھ کر دلہن کی ڈولی اٹھوا
لانے کا حکم دیا۔ جب یہ خبر بادشاہ کو ملی تو بادشاہ نے اپنے
بھانجے کی اس ناشائستہ حرکت پہ بہت برہم ہوا اور اپنے
بھانجے کو قید کردیا۔

جب یہ خبر اورنگ زیب کی بہن کو ملی تو وہ بہت مغموم
ہوئی اور بادشاہ سے ملنے کے لئے آئی۔ لیکن بادشاہ نے ملنے سے
انکار کردیا۔ اورنگ زیب کی بہن مجبور ہوکر دربارِ عالمگیری
میں عرضی پیش کی کہ "بھیا تم کو میرا ذرہ برابر بھی خیال نہ رہا۔
اپنے بھانجے کو قید کردیا۔ تم جانتے تھے کہ میں اپنے بیٹے کی جدائی
پسند نہیں کرتی۔ لیکن بادشاہ نے جواب میں لکھ دیا کہ اگر مجرم
کی ماں کو اسکی جدائی پسند نہیں تو وہ بھی قید خانے میں حاضر
ہوجائے۔

یہ تھا اورنگ زیب کا انصاف جنہوں نے عدل و انصاف کے
معاملہ میں اپنی بہن اور بھانجے کی بھی پرواہ نہ کی۔

وما علینا الا البلاغ

تاریخی معلومات

از
عتیق الرحمن پیارم پیٹ
متعلم دار العلوم لطیفیہ ویلور

س سب سے پہلے کاغذ کس نے ایجاد کیا ؟
ج حضرت یوسف علیہ السلام
س سب سے پہلے صابن کس نے ایجاد کیا ؟
ج حضرت سلیمان علیہ السلام
س سب سے پہلے سمندر پار کس نے کیا ؟
ج رام چندر جی
س سب سے پہلے برف کا استعمال کس نے کیا ؟
ج حجاج بن یوسف
س مکھی کی اوسط عمر کیا ہے ؟
ج سات دن ۔
س ہوائی جہاز کس نے تیار کیا اور کب ؟
ج رائٹ برادرس نے ۱۹۰۳ء میں تیار کیا ۔
س تھرمامیٹر کس نے تیار کیا اور کب ؟
ج فارن ہیٹ نے ۱۷۲۰ء میں تیار کیا ۔
س ہیلی کوپٹر کس نے تیار کیا اور کب ؟
ج بریگیٹ نے ۱۹۰۹ء میں تیار کیا ۔
س آبدوز کشتی کس نے تیار کی اور کب ؟
ج بشنل نے ۱۷۷۶ء میں تیار کیا ۔
س ٹیلیویژن کس نے ایجاد کیا اور کب ؟
ج جے، بل بیرڈ نے ۱۹۲۵ء میں ایجاد کیا ۔

س ٹینک کس نے ایجاد کیا اور کب ؟
ج سوئنٹن نے ۱۹۱۴ء میں ایجاد کیا ۔
س ٹیلیفون کس نے ایجاد کیا اور کب ؟
ج گراہم بل نے ۱۸۷۶ء میں ایجاد کیا ۔
س دنیا کی قدیم یونیورسٹی کہاں ہے ؟
ج دنیا کی قدیم یونیورسٹی مراقش میں ہے ۔
س مسجد نبویؐ دوبارہ نئے سرے سے کس نے تعمیر کی ؟
ج حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ نے
س وہ کونسا مقام ہے جہاں قرآن کریم سونے کے پتھر پر لکھا گیا ہے اور اس کا وزن کیا ہے ؟
ج پٹنہ کے کتبخانہ میں ایک سونے کا پتھر ہے جس پر قرآن کریم لکھا ہوا ہے اور اس کا وزن ڈیڑھ من ہے ۔
س ہندوستان کا گنجان شہر کونسا ہے ؟
ج ہندوستان کا گنجان شہر کلکتہ ہے ۔
س علم منطق کس نے ایجاد کیا ؟
ج حکیم ارسطاطالیس نے ایجاد کیا ۔
س وہ کونسی اشیاء تھیں جن کا فیصلہ حضرت سلیمانؑ نہ کر سکے ۔
ج ہوا اور مچھر
س سب سے پہلے ڈاک کس نے ایجاد کی ؟
ج ایک انگلستانی سپاہ جس کا نام رولنڈ ہل ہے ۔

اسلام اور عالم انسانیت

از: سید مصطفیٰ قادری عرف خسرو
آنامسوری
متعلم دارالعلوم لطیفیہ (زمرۂ چہارم)

اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جس نے سوتے ہوئے انسان کو بیدار کیا اور اس کو بتا دیا کہ دنیا میں اس کا کیا درجہ ہے اور اس کے روحانی اور سماجی اصلاح کی جانب بہت ہی مضبوط قدم اٹھایا۔ دنیا کا کوئی مذہب یا غیر مذہبی تحریک بھی اسکی ہمسری نہیں کر سکتی۔ یہ بات ہر ذی شعور انسان جانتا ہے کہ اسلام سے پہلے انسانی سماج و ماحول کا کیا عالم تھا، نہ اسکی تمدنی حالت ٹھیک تھی نہ سیاسی، نہ سماجی نہ علمی۔ غرض ہر جانب سے انسان پستی میں گھرے ہوئے تھے۔ لیکن جب اسلام کا ظہور ہوا تو انسانوں میں ایک نئی زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ اس کی سیاسی و سماجی تمدنی حالت سنور گئی۔ غرض دنیا میں ایک انقلاب عظیم برپا ہو گیا دنیا سے غلامی و آقائی ختم ہو گئی۔ ہر طرف مساوات کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ اسلام ان چیزوں کی اصلاح نہ کرتا تو اسکی کاملیت میں کمی واقع ہو جاتی کیونکہ وہ ایک آخری اور مکمل دین ہے۔ چنانچہ دیکھیئے اسلام سے قبل جہالت کا کیا عالم تھا لوگوں کے دل کینوں سے بھرے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے معمولی سی باتوں پہ تلواریں نیام سے نکل آتی تھیں۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ انسان انسان تو نہیں بلکہ حیوان سے بدتر ہو گیا تھا ؂

وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے

اسلام نے ان کی اس وحشت و بربریت کو دور کیا، ان کو بھائی چارگی کا درس دیا اور ان کے آپس کے اختلافات کا خاتمہ کر دیا اور ایک ایسا نظام زندگی قائم کیا جو آپ خود اپنی مثال ہے جس سے دنیا کا گوشہ گوشہ چمک اٹھا ؂

ہر ایک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا

جب انسان اسکی تعلیمات و ہدایات پر عمل پیرا ہوا تو بہت ہی متمدن بن گیا۔ اسلام سے پہلے اہل عالم کے ایمان کا یہ حال تھا کہ وہ کمتر چیزیں جو اس کے فائدہ کے لئے پیدا کئے گئے ہیں مثلاً چاند، سورج، ستارے کو مافوق الفطرت طاقت سمجھ کر ان کے آگے سرنگوں ہو رہے تھے۔ اور انہیں اپنا معبود تصور کر رہے تھے۔ اسلام نے سب سے پہلے دنیا کے سامنے یہ اعلان کیا ھو الذی

خلق لکم ما فی الارض جمیعا یعنی وہی تمہارا خدا ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ کہ زمین میں ہے اور یہ بھی بتا دیا کہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے وہ سب ان کے فائدے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں چنانچہ ارشاد باری ہے:

الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض واسبغ علیکم نعمہ ظاھرا و باطنہ" کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے تابع کر دیا تمام ان چیزوں کو جو آسمان و زمین میں ہیں اور پوری کر دیا تم پر ان کی ظاہری و باطنی نعمتوں کو۔

اسلام سے پہلے ایسی تعلیمات کسی مذہب نے نہیں دی۔ یہ اسلام ہی ہے جو انسان کو ترقی کی راہیں بتلاتا ہے۔ اکثر لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ اسلام انسانی ترقی میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔ ان لوگوں نے اتنا نہیں سوچا کہ اسلام نے دنیا کو ایک ایسا سرچشمۂ علوم اور نسخۂ کیمیا عطا کیا ہے جسکی متبعین نے بہت کم مدت میں دنیا کی امامت کا مقام حاصل کر لیا۔ اور تاریخ میں ایک ایسا پارٹ ادا کیا جو سب قوموں سے افضل ہے۔ یہ وہی عرب تھے جن کو وحشی سرکش کہا کرتے تھے اور جو آپس میں فساد کیا کرتے تھے، غرض وہ تمام قوموں سے بڑھکر اخلاق کمتری میں مبتلا تھے۔ اچانک ایسے فرشتہ سیرت اور پاکباز ہو گئے کہ ان کے سامنے دنیا بھر کی متمدن اقوام ماند اور سرنگوں ہو گئیں۔ یہ سب اسلامی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ جس نے ایسی قوم کو جسکا دنیا میں کوئی وقار نہیں تھا۔ ان کو دنیا میں عزت و عظمت عطا ہوی۔ اور آج ہم سکون کی جو جھلک دیکھتے ہیں وہ اسلام ہی کا صدقہ اور طفیل ہے، کہ ایسی تمام برائیوں کا خاتمہ ہو گیا جو انسانیت کے لئے بدنما داغ تھیں۔ اسلام ہی نے انسان کو ایک اچھے سماج اور ضابطہ و اخلاق سے آگاہ کیا۔ غرض وہ قومیں جو غلامی کی زندگی بسر کر رہی تھیں۔ ان کو منصب حکومت پر فائز کر دیا۔ آقا و غلام کی امتیاز کو مٹا ڈالا۔ زمانۂ جاہلیت کا ایک واقعہ ہے کہ بلال حبشی رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ ایکمرتبہ امیہ اپنے بت پر چڑھانے کے لئے کچھ کھجوریں لے جا رہا تھا تو اتفاقاً اس کے ہاتھوں سے وہ برتن گر پڑا تو حضرت بلال رض نے ان کھجوروں کو اٹھا کر برتن میں رکھا جسکی وجہ سے امیہ بہت برہم ہوا۔ اور حضرت بلال رض کو زدوکوب شروع کیا اور کہتا گیا کہ تو نے اپنا نجس ہاتھ لگا کر ان کھجوروں کو ناپاک کر دیا۔ کیا ایک انسان کو اتنا حقیر و ذلیل سمجھنا انسانیت کا شیوہ ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ وہی بلال جو غلام تھے اسلام نے ان کو آزاد کر کے صحابیٔ رسول کا درجہ دلانے کے ساتھ ساتھ موذن نبی بھی ہونے کا شرف بخشا اور ان کو حضور وصحابہ کے دوش بدوش چلنے کا شرف عطا کیا۔ جس سے ایک ہوشمند انسان اسلامی مساوات کا ایک بہترین سبق حاصل کر سکتا ہے۔

یونان جو کئی صدیوں تک علوم و فنون کا سرچشمہ بنا تھا انقلاب زمانہ نے اسے ایسی پستی میں گرا دیا تھا کہ وہی علوم و فنون جن کا حاصل کرنا فخر سمجھا جاتا تھا ان کا حاصل کرنے والا مجرم قرار دئے جانے لگا۔ فلسفہ و طب وغیرہ کو شیطانی علوم قرار دئے جانے لگا۔ یوروپ جو زمانۂ قدیم کا ترقی یافتہ ملک تھا۔ وہاں بھی جہالت حکومت کر رہی تھی، ایسی ظلمت و جہالت میں اسلام ظہور

پذیر ہوا جس نے یونان کے وہ علوم جن کو شیطانی علوم قرار
دیا گیا تھا ان کو زندہ کیا۔ بلکہ دنیا کو نئے نئے علوم سے بھی نوازا
یورپ جہاں ظلمت وجہالت عام تھیں اسکو اپنی ضیا بخش کرنوں
سے منور کر دیا۔ چند حق پرست یورپین مورخوں کا کہنا ہے کہ
ہم پر اسلام کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہم کو نئے سرے
سے علوم وفنون سے روشناس کیا ہم اس کے احسان کو کبھی بھلا نہیں
سکتے۔ اور ہندوستان جہاں بھی چھوت چھات کا بُری طرح سے رواج تھا
انہوں نے بھی اسلامی تعلیمات سے بہت کچھ حاصل کیا اور اسی روشنی میں
نئے نئے خیالات اور بات میں بڑی وسعت پیدا کی۔ اس صورت میں اسلام
کو سرچشمۂ علوم وفنون کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

اسلام انسان کو ایک ایسی عادلانہ حکومت کی دعوت دیتا ہے
جو اپنی مثال آپ ہے۔ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہے جو سیاست
کو مذہب کا ایک جز قرار دیا۔ چنانچہ بانئ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کا ارشاد گرامی ہے جس شخص کو اللہ تعالیٰ رعایا کی پاسبانی وحکمرانی
عطا کرے اگر وہ اپنی رعایا کے معاملات میں خیانت کریگا تو اس پر
جنت حرام کردی جائیگی (مسلم شریف)

اس سخت وعید کے بعد یہی اندازہ ہم کر سکتے ہیں کہ اسلام
اپنی حکمرانی میں عدل وانصاف سخت تعلیم کو پیش کرتا ہے کہ کہیں
انسان کے قدم ڈگمگا نہ جائیں اور تعلیمات آسمانی کی ہرگز ہرگز
فراموشی نہ ہونے پائے۔

آئیے ہم اس اسلام کی عائد کردہ اصول کے بعد موجودہ حکومتوں
کا خاموشی سے جائزہ لیں کہ ان قوانین کو پس پشت ڈالنے کے بعد
ان کی حالت کیا ہو گئی۔ آئے دن اخبارات کے صفحات کے
صفحات سیاہ ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ کیا آج فلاں مقام
پر غارت گری ہوئی، کل فلاں شہر لٹ گیا اور فلاں مقام پر
خون کی ندیاں بہہ گئیں اور فلاں خطۂ زمین میں ایک شخص نشہ
اور بدمستی کے عالم میں یہ فساد برپا کر رکھا۔

یہ ہنگامہ آرائیاں کن کوتاہیوں کا ثمرہ ہیں؟ غور طلب
ہے۔ موجودہ حکومتیں جنکے اصول وقوانین خود انسان کی پیداوار
ہیں، جو ایک لمحہ جڑتی ہیں تو دوسرے لمحہ میں کٹتی اور ٹوٹتی نظر آتی
ہیں۔ وجہ؟

سوال تو مختصر ہے مگر جواب بھی مختصر ہی سن لینا ہوگا۔
ان قوانین کا بنانے والا انسان ہے نہ کہ اللہ۔ مگر اسلامی
قوانین کسی انسان کے ذہن سے تراشے نہیں گئے۔ بلکہ اس
ذات حقیقی کی جانب سے نازل ہوئے ہیں جس نے ہمیں پیدا
کیا جو بہت ہی بلند وبالا ہے۔

نہ جانے اس عہد کے نئے دماغوں نے کتنی نئی اصولیں
بنائی ہیں مگر سب کی سب کھوکھلی ہیں اور جو نتائج ان سے
رونما ہوتے چلے، جن کے زہریلے اثرات فضا میں پھیل کر رہ
گئے۔ یہی بات ہے کہ نہ کہیں، کوئی سوسائٹی اور سماج کسی بھی
پہلو سے عمدہ ثبوت دے سکتی ہے اور نہ وہ اخلاق ان میں
پیدا کر سکے، جہاں موجودہ حکومتیں ذرہ بھر دباؤ ڈالنا چاہتے
ہیں تو ان کے خلاف سازشیں ہونے لگتی ہیں۔ کوئی بھی
حکومت امن وسکون اور شانتی کا سچا دعویٰ کرنے کی ہمت
نہیں رکھتی، اسکی وجہ؟ یہی کہ اخلاقی کمزوری اور عدل و
انصاف کا خاتمہ۔

آج بھی اگر انسان جاگ جائیں اور ان پہ بھولی
ہوئی تعلیم کو یاد کرے تو بعید نہیں کہ دنیا حضرت عمرؓ فاروق کو
یاد کرنے پہ مجبور رہو۔

آج کل کے اخبارات نے ہماری ذہنی صلاحیتوں کو
پراگندہ کر چھوڑا۔ اخبار کا کوئی گوشہ اس طرح پُر رہتا ہے کہ
فلاں حکومت میں شراب بندی کے احکام نافذ کئے گئے۔ دوسرے
ہی دن اخبار کا سرورق سیاہ حروف میں یوں لکھا ہوتا ہے شراب
بندی کے خلاف فلاں شہر کے لوگوں نے سخت احتجاج کیا دیگر
حضرات نے بھی ان کی تائید کی ہے۔ کیا ایسی گنجائش اسلامی
قوانین میں نکل آتی ہے؟

اسلام نے خرید و فروخت کے کچھ طریقے بتلائے، کہ
بائع پیشقدمی سے یہ کہہ دے کہ فلاں چیز میں فلاں نقص ہے اور
اس گاہک کی مرضی ہوگی چاہے خریدے یا چھوڑ دے۔ اور یہ بھی
بتایا گیا کہ اس کا ظاہر عمدہ اور باطن بگڑا ہوا نہ رکھا کریں۔

آئیے دورِ حاضرہ کی تجارت پہ ایک نظر کریں، کہ
اشتہارات بہت ہی اعلیٰ پیمانہ پہ، مگر ذرا گہرائی میں جائیے سراپا
دھوکا ہی دھوکا۔ کچھ کہئے آستین کہنیوں سے زیادہ چڑھ
جائینگے۔ بلاک مارکٹ کے بازار گرم اور ایسے موقعوں پہ ایمانداری
جو تھی آسمان پہ سیر کرتی نظر آتی۔ اور ناپ تول کا حال تو خدا
جانے۔ ذرا اگر دل موڑیں نقصان کی کوئی انتہا نہیں حالانکہ قرآن
مجید کی شکایت ہوتی ہے کہ لوگ مجھے بھول گئے ویل
للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون
واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون۔

ترجمہ: ویل ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے جب
وہ اپنے لئے تولتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب دوسروں کے
لئے تولتے ہیں تو کمی کر دیتے ہیں۔

اگر انسان اُن باتوں کو اور ان اصولوں کو جو بھول
گیا ہے یاد کرے تو بعید نہیں کہ اسلاف کی زندگیاں اس میں
عود کر آئے!

یہی تعلیم اور اصول گویا اس کی شمع راہ بنکر رہیگی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وما علینا الا البلاغ

خواتین اسلام

از
محمد اکرم کتہ کوٹہ
زمرۂ ثالثہ متعلم
دار العلوم لطیفیہ ویلور

عورت نے مذہب اسلام میں زبردست اور اہم کردار انجام دیا ہے جس کو تاریخ اسلام کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ قبول اسلام ایثار، شہادت میں اولیت کا شرف عورت کو حاصل ہوا ہے۔ پرچم اسلام بھی منت کش دامن عورت ہے۔ مطالعۂ تاریخ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خواتین اسلام مردوں کے شانہ بشانہ سپاہیانہ کارنامے انجام دئے۔ ان کی بہادری اور اولوالعزمی کو دیکھ کر آج بھی لوگ انگشت بدنداں ہیں۔ اس ضمن میں چند روح پرور واقعات ملاحظہ ہوں۔ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ پہلی خاتون ہیں جو سب سے پہلے حضور صلی اللہ وسلم پہ ایمان لائے اور اپنا سارا اثاثہ اسلام کی راہ میں قربان کر دیا۔ اُن کی بلند اوصاف کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ آپکے انتقال ہونے کے بعد آپ کو فراموش نہیں کیا۔ خواتین اسلام میں جوش اور جہاد پوری طرح موجزن تھا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جنگ میدان میں جانے سے منع کرتے۔ زخمیوں کی مرہم پٹی اور آب رسانی کے لئے اجازت حاصل کرتے۔ انتہائی جوش اور جذبہ سے اپنا فرض انجام دیتیں۔

اس کے متعلق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، میں نے جنگ حنین میں دیکھا کہ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زخم زدہ سپاہیوں کی مرہم پٹی کرتی ہیں۔ پانی بھر بھر کر لاتی ہیں اور پیاسوں کو پلا رہی ہیں۔ پانی ختم ہو جاتا تو پھر بھر کر لاتی ہیں۔

خواتین اسلام میں ایسی خاتون بھی گذری ہیں جو حاملہ ہونے کے باوجود جنگ میں شرکت کی ہیں جن کا نام حضرت ام سلمہؓ ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم آپ کو دیکھ کر ارشاد فرماتے ہیں "ام سلمہ تم ہاتھ میں خنجر کیوں لئے ہوے ہو" تو آپ مجاہدانہ لہجہ میں کہتی ہیں، اگر کوئی شخص آجاوے تو اس کو قتل کر ڈالوں۔

دین اور ملت کے چراغ شریعت اور طریقت کے رہنما حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دختر نیک اختر تھیں، آپ میں جود و سخا کا مادہ بدرجۂ اتم موجود تھا اور جب کبھی آپ کی خدمت اقدس میں کچھ مال آجاتا تھا آپ اسکو جب تک ختم نہیں کرتیں اسوقت تک آرام نہیں لیتیں۔ آپ کی باندی بیان کرتی ہیں کہ ایکدن آپ کی خدمت اقدس میں تھوڑا سا مال آگیا اور آپ نے اس کو اسی وقت غرباء اور مساکین میں تقسیم کر دینا شروع کر دیا۔ اور آپ اس دن روزہ سے تھیں۔ جب مال و متاع ہو چکا تو افطار کا وقت آیا۔ حضرت عائشہؓ نے اپنی باندی سے کہا روزہ افطار کرنے کے لئے کچھ لے آؤ۔ تو باندی نے اس بات کو سن کر جواب دیا کہ اگر آپ آج گوشت سے روزہ افطار کرتے، تو

کتنا اچھا ہو، تو حضرت عائشہؓ ارشاد فرماتی ہیں کہ تو مجھے پہلے ہی اس بات کی اطلاع کیوں نہیں دی تاکہ ایک درہم گوشت کے لئے دے دیتی۔ حضرات غور کرنے کا مقام ہے، اپنے خرچ کے لئے دوسروں کو یاد دلوانا پڑتا تھا اور آپ کی مبارک اور بابرکت ہستی ایسی تھی کہ حضرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصال کی شب گھر میں چراغ روشن کرنے کے لئے بتی موجود نہیں تھی۔ اور آپ اپنے پڑوس کے ہاں سے تیل قرض کے طور پر لئے تھے۔ خواتین اسلام صرف جود و سخا ہی میں مشہور نہ تھیں بلکہ وہ ہر حیثیت سے مردوں پر فوقیت لے گئے ہیں، ان میں بعض ایسی خواتین بھی تھیں جو پوری جدوجہد کے ساتھ میدان حیات میں داخل ہو کر اپنے مخالفوں کا مقابلہ کرتی تھیں مثلاً حضرت ابوصفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی تھیں اور آپ سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں ستروں درجہ رکھتی ہیں ایکمرتبہ آپ جنگ احد میں شامل ہوی تھیں۔ جب کفار کا لشکر غالب آنے کا اندیشہ ہوا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام خواتین کو ایک قطعہ میں بند فرما دیا تاکہ مخالفوں کے ظلم و ستم سے دور رہیں۔ یہودیوں کے لئے اچھا موقع تھا۔ چند یہودی قلعہ کی جانب اپنے قدم بڑھائے تو حضرت ابوصفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا محافظ قلعہ حسان بن ثابت سے کہتی ہیں، جاؤ ان نالائق اور بدبخت کو ہلاک کر ڈالو، تو حسان کہتے ہیں، میں اتنی قوت اور استعداد نہیں رکھتا ہوں کہ اس یہودی کو ہلاک کر ڈالوں۔ اس لئے کہ آپ بہت کمزور اور ناتوان ہو چکے تھے تو حضرت ابوحفصہ خود اس پر آمادہ ہو گئیں، اور اس یہودی کے سر کو خیمہ کی میخ سے کچل دیا اور انہیں یہ جرأت نہیں ہوی کہ اس کی زرہ نکال دیں اس لئے کہ آپ ایک اجنبی عورت تھیں اور وہ شخص بھی اجنبی تھا۔ واپس لوٹ کر حسان رضؓ سے کہتی ہیں کہ جاؤ اس یہودی کی زرہ لے آؤ تو اس بات پر بھی راضی نہیں ہوے۔ خود جاکر زرہ نکال لائیں اور بیت المال میں شامل کر دیا۔

ان میں سے بعض خواتین ایسی بھی ہیں جن کو ایمان سے باز آنے کے لئے جلتی ہوی ریت پر لٹایا گیا اور لوہے کی زرہ پہنایا گیا۔ باوجود اس کے وہ اپنے دین سے باز نہیں آئے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوے تھے تو اسلام کی کرنیں عرب کی پہاڑوں پر پڑیں تو ان کرنوں کو دیکھ کر ایمان لانے والوں میں سے ایک بزرگ ہستی حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ جب کفار کے کانوں تک یہ خبر پہنچی تو حضرت سمیہؓ کو اسلام سے باز آنے کے لئے جلتی ہوی ریت پر لٹایا گیا اور ان کو لوہے کی زرہ پہنائی گئی۔ ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹنے کے باوجود دامن اسلام کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ ایکمرتبہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ان کی یہ حالت دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ اے اہل سمیتہ صبر کرو تمہیں اللہ تعالیٰ اس کا اجر دیگا۔ جب کفار نے دیکھا کہ کسی طرح بھی آپ ایمان کو ترک نہیں کر رہی ہیں تو انہیں رخصت کر دیا۔ آپ گھر پہنچنے نہ پائی تھیں کہ اتنے میں ابوجہل آگیا اور آپ کو طرح طرح کی گالیاں دینے لگا۔ آپ خاموشی سے گالیاں سنتی رہیں۔ ابوجہل کا غصہ اور زیادہ ہوگیا، بعد نیزہ سے اس طرح مارا کہ آپ جانبر نہ ہوسکیں۔ مذہب اسلام میں سب سے پہلے شہید ہونے والی آپ ہی تھیں۔

ایک اور پاکیزہ خاتون کا ذکر ملاحظہ کریں کہ حضور صلے اللہ علیہ

وسلم کی دختر نیک اختر جنہیں کیا ضرورت تھی کہ وہ خود گھر کے کام
وکاج کا انجام دلویں اور حضورؐ کسی صحابیہ سے کہتے تو وہ پورے
کام کاج انجام دیتیں، لیکن اسکے باوجود حضرت فاطمہ خود اپنے گھر
کے کام کاج انجام دیتی تھیں۔ آٹا پیس پیس کر ہاتھ میں گھٹے پڑ
گئے تھے۔ ایکمرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی اس حالت کو
دیکھ کر کہتے ہیں، تم اتنے تکالیف کیوں برداشت کرتی ہو۔ حضور صلے اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست پیش کرو کہ ایک لونڈی دے
دیں۔ حسب فرمائش حضورؐ کے گھر تشریف لے گئیں۔ اس وقت حضورؐ
گھر میں موجود نہ تھے، تو حضرت عائشہ سے کہتی ہیں، ابا جان گھر تشریف
لائیں تو کہہ دینا کہ آپ کی بیٹی ایک ضروری کام سے آئی تھی۔ یہ کہہ کر
آپ گھر واپس آئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت
فاطمہؓ کے گھر تشریف لائے، آپ نے اپنی ضرورت کا اظہار کیا جس کے
جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کے سینے پر ہاتھ رکھ
کر سبحان اللہ اور الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھنے کے لئے کہا اور فرمایا کہ
تمہارا ہر کام آسان ہو جائیگا۔

اسلام میں صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورتیں نے بھی عوام کی
سہولتوں کے لئے بڑے کارنامے انجام دئے ہیں اور ہم ان کے احسانات
سے کبھی بھی سبکدوش نہیں ہوسکتے، جس طرح کہ یہ واقعہ نقل ہے،
ملاحظہ ہو۔

ارض بطحا میں اور اپنے اجداد کے اصلی وطن میں آکے زبیدہ
نے جو فیاضیاں کی ہیں قابل رشک ہیں۔ ایک فیاضی تو اس نے
مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں جو ایک ایسی نہر جاری کرادی جو ہمیشہ اور
ہر موسم میں جاری رہتی ہے یہ ایک ایسی یادگار ہے جسکی جتنی قدر کی
جائے کم ہے۔ عرب کا ملک کبھی پانی کا ایک ایک قطرہ انسان کی
جان سے زیادہ قیمتی ہو جاتا ہے اور جہاں چاہے کیسی بھی نہر لائی
جائے اس کے پانی کو خشک اور ریتلی زمین پی جاتی ہے۔ ایک
چشمہ کا یکساں اور ہمیشہ جاری رہنا ایسا عجیب امر ہے، جہاں
تک حیرت کی جائے کم ہے، جیسے اگر زبیدہ کی ایک زندہ کرامت کہا
جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔ حاجیوں سے سنتے ہیں کہ یہ نہر
دجلہ سے لائی گئی ہے۔ مگر یہ بات قیاس سے دور ہے کہ
کہاں دجلہ اور کہاں مکہ ومدینہ لیکن جب اس بات کا خیال کرتے
ہیں کہ دجلہ سے نہیں لائی گئی تو متحیر اور مجبور ہو کر ماننا پڑتا ہے
کہ واقعی یہ بغداد کے سوا اور کہیں سے نہیں لائی گئی ہوگی۔

ہمارے خیال میں یہ نہر اس قابل ہے کہ اس کا شمار دنیا کے
عجائبات میں کیا جائے بلکہ موجودہ تمام عجائبات میں یہ نہر انسانی کمال
کا سب سے زیادہ مکمل اور حیرت ناک نمونہ ہے۔ اس نہر کے جاری
ہونے سے پہلے مکہ معظمہ میں اتنا پانی جتنا کہ ایک دفعہ پیا جاسکے،
ایک دینار یعنی ایک اشرفی کو ملتا تھا۔ یہ صرف اس نہر کی برکت ہے
کہ آج حاجی مکہ معظمہ میں اس آسانی سے سیراب ہوتے ہیں جس آسانی سے
لوگ ہندوستان میں گنگا سے سیراب ہوا کرتے ہیں۔

علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ دس میل کی مسافت بڑی مشقتوں
سے قطع کی گئی ہے اس لئے کہ پہاڑ کاٹے گئے، چٹانیں کاٹی گئیں۔
جب یہ نہر مکہ تک لائی جاسکی۔ پھر یہ امر اور زیادہ حیرت ناک ہے کہ اسے
کھودنے کیلئے ایک ہزار ایک سو چار برس صرف ہوئے اور بغیر کسی قسم کا
فتور آئے آج تک حاجیوں کو اسی طرح سیراب کر رہی ہے۔ اس عربی
ملک کی یہی خوبی اور یادگار ہے۔ حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں ع نہ مثل زبیدہ است ہر چیز

سخن

از: حافظ السید محمد البختیاری
لطیفیہ عربی کالج ویلور

۱۔ توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا — اقبال

۲۔ نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا — نامعلوم

۳۔ وہ ساقی جس نے تلچھٹ تک نہ رکھی فکرِ فردا میں
اسے کوثر پہ ہم نے قبلہ گاہِ مئے کشاں پایا — جوہر

۴۔ اے آرزوئے ساقی دل میں تجھے بسا کر
مسجد میں میکدہ کی تعمیر کر رہا ہوں — فصیح

۵۔ ساحل کو دیکھ دیکھ کے یوں مطمئن نہ ہو
کتنے سفینے ڈوبے ہیں ساحل کے آس پاس — نامعلوم

۶۔ لوٹا خوشی سے نے آگ لگائی بہار نے
برباد اس طرح تو کسی کا جہاں نہ ہو — کیفی اعظمی

۷۔ جس پہ میری جستجو نے ڈال رکھے تھے حجاب
بےخودی نے اب اسے محسوسِ عریاں کر دیا — اصغر

۸۔ سناتا ہی رہے گا رنج و غم کی داستاں کب تک
یونہی کرتا رہے گا وقت اپنا رائگاں کب تک — وفا

۹۔ تری باتوں سے غمخواری کی بو آتی نہیں ناصح
صداقت ہو تو اندازِ بیاں کچھ اور ہوتا ہے — نامعلوم

۱۰۔ صورتِ قیس بھٹکتا ہوں میں صحراؤں میں
یہ جنوں جائے اب ایسی کوئی تدبیر نہیں — وفا

۱۱۔ تمہیں کالی گھٹا کا تک نہیں پہچاننا آتا
نشیمن سے دھواں اٹھتا ہے تم کہتے ہو ساون ہے — شفیق

۱۲۔ محبت کو سمجھنا ہو تو ناصح خود محبت کر
کبھی دور سے اندازۂ طوفاں نہیں ہوتا — نامعلوم

۱۳۔ طولِ غمِ حیات سے گھبرا نہ اے جگر
ایسی بھی کوئی رات ہے جس کی سحر نہ ہو — جگر

۱۴۔ یہ سوچتے ہی رہے اور بہار ختم ہوئی
کہاں چمن میں نشیمن بنے کہاں نہ بنے

۱۵۔ جو بےوفائی کا الزام دے رہے ہیں تجھے
وہ دیکھتے تری مجبوریاں تو رو دیتے — نامعلوم

۱۶۔ ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پُرخار دیکھ کر — غالب

۱۷۔ جو میں سربسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں — اقبال

اخبار اور اُس کا مُطالعہ

از:- حافظ بشیر الحق قریشی ادھونی
متعلم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

آج سے چند صدیوں پیشتر تک جبکہ ابھی اخبار وجود میں نہیں آیا تھا۔ خبر رسانی کا طریقہ اتنا ناقص تھا کہ مہینوں بعد بھی اگر کسی کو کچھ خبر مل جاتی تو غنیمت تصور کیا جاتا تھا۔ ورنہ ایک مقام کی خبر دوسرے مقام کے لوگوں کو مہینوں یا برسوں بعد معلوم ہوتی تھی۔ قرب وجوار کی باتوں سے بے خبر رہتے تھے۔ لیکن آج کتنی آسانی سے انسان آرام کرسی پر بیٹھے بیٹھے دنیا بھر کی خبریں منٹوں میں ہضم کر جاتا ہے، جیسے خبریں خبریں نہ ہوں۔ کوئی لذیذ بسکٹ ہوں کہ ایک ہاتھ میں چائے کی پیالی ہے اور دوسرے ہاتھ میں اخبار کا صفحہ۔ اوپر گرم گرم چائے کی چسکی لی اور ادھر نگاہیں اخبار پر چلنے لگیں، جیسے نگاہ نگاہ نہ ہو۔ دانت ہیں کہ ایک کرکراتے بسکٹ پر چل پڑے ہوں۔ آج اخبار کے ذریعہ لوگ دنیا کی ہر حالت سے واقف ہونے لگے ہیں اور ہر ملک کے لوگ ہر طرح کی وباؤں سے بچنے لگے ہیں۔ اخبار بینی کے بے حساب فائدے ہیں۔ یہاں پر چند کا ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ کوئی بھی انسان اس وقت تک منزلِ مقصود کو نہیں پا سکتا جب تک کہ وہ کسی رہنما سے مدد نہ لے۔ اگر انسان وزیر اعظم بھی بننا چاہے تو اس کو عوام سے مدد لینی پڑتی ہے۔ اسی طرح اردو میں قابلیت پیدا کرنا چاہتے ہو تو اردو اخبار کا مطالعہ کیجئے۔ اردو میں قابلیت پیدا ہو جائے گی، زبان پر عبور حاصل ہوگا۔ اخبار کو انگریزی میں "News" کہتے ہیں،

اس لفظ News کی تشریح فرماتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد کہتے ہیں کہ اس میں دنیا کے تمام حالات درج رہتے ہیں۔ اس میں مشرق سے مغرب، شمال سے جنوب تک کی ہر قسم کی کیفیتیں درج رہتی ہیں۔ لفظ نیوز میں چار حروف موجود ہیں جو چاروں سمتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں (N) نارتھ (E) ایسٹ (W) ویسٹ (S) ساؤتھ۔ لہٰذا اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اخبار کا مطالعہ ہر آدمی کیلئے کس قدر ضروری ہے۔ مشرق مغرب، شمال جنوب یعنی کرۂ ارض کی کیفیت وحالت سماجی، سیاسی، جغرافیائی اور مانسونی خبریں اگر حاصل کرنا ہو۔ اگر یہ جاننا ہو کہ اس لمحے دنیا میں کیا ہو رہا ہے یا آنے والے لمحے میں کیا ہوگا۔ بارش ہوگی یا نہیں۔ دھوپ نکلے گی یا نہیں۔ ویٹ نام میں بمباری جاری ہے، یا رک گئی۔ روس اور امریکہ میں کشیدگی ختم ہونے کے امکانات ہیں یا نہیں۔ چاند پر انسان پہنچ سکیگا یا نہیں۔ یا غالب کی صد سالہ برسی کس پیمانہ پر منائی جائے گی تو آپ کو اخبار پڑھنا پڑے گا ضرور۔ ہمیں اخبار کے مطالعہ سے یہ تمام چیزیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ ویسے اخبار میں ہر وہ خبر مل جائے گی جسکی آپ کو ضرورت ہو۔ لیکن بنیادی طور پر اپنی اپنی نوعیت کے لحاظ سے اخبار مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ مثلاً کوئی اخبار سماجی نوعیت کا ہوتا ہے۔

تو کوئی ادبی نوعیت کا، کسی کی اہمیت اسکی سیاسی خبروں کی وجہ سے ہوتی ہے تو کسی کی غیر سیاسی۔ سیاسی اخباروں میں بھی کوئی حکومت کا ترجمان ہوتا ہے تو کوئی حزب مخالف کے خیالات کی ترجمانی کرتا ہے۔ کوئی ہر سیاسی خبر کے لئے اپنے دامن کو وسیع کر لیتا ہے تو کوئی اپنے دامن میں صرف تخریبی عناصر لئے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی اخبار کے متعلق مختلف لوگوں کی پسند الگ الگ ہوتی ہے۔ در اصل اخبار کو پسند کرنا اس شخص کی ذہنیت اور اسکے رجحان پر منحصر ہے بعض اوقات ایک اچھا آدمی بھی کسی برے اخبار کے مستقل مطالعہ میں پڑ کر بگڑ جاتا ہے، اسی لئے اس بات کی طرف زیادہ زور دیا جاتا ہے کہ ہمیشہ اچھے اخبار کا مطالعہ کیا جائے۔ اچھے اخبار سے مراد وہ اخبار ہے، جو وسیع النظر ہو، جو غیر متعصب ہو۔ جو ہر قسم کی خبر کو اور ہر قسم کے خیال کو زہر میں ڈبوئے بغیر جوں کا توں پیش کر دے۔ اخبار کا اہم حصہ اس کا اداریہ ہوتا ہے۔ اخبار پڑھنے والے سب سے پہلے اخبار کے اسی حصہ کو پڑھتے ہیں۔ اس میں مدیر اخبار بڑے جاندار خیالات کا اظہار کرتا ہے، جو پڑھنے والوں کو کبھی چونکاتے رہتے ہیں تو کبھی ان کے دماغوں کے لئے سوچ بچار کرنے کی غذا مہیا کرتے رہتے ہیں۔ اخبار میں جہاں ہر قسم کی خبر ہوتی ہے وہیں مختلف قسم کے مضامین بھی ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے لیڈروں اور مدیران قوم کی زندگی کے حالات ہوتے ہیں جس کو پڑھکر ہم اپنی زندگی میں ان چیزوں کو تلاش کر سکتے ہیں اور اگر موجود نہ ہوں تو ان کی خوبیوں کو پیدا کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ ان میں مختلف کتابوں پر تبصرے ہوتے ہیں جو بالکل بصیرت افروز ہوتے ہیں۔ قوم کا وہ طبقہ جو بیکاری کی بلا میں پھنسا ہوا ہے ان کی مدد سے اپنی روزی کے راستے کھول سکتا ہے۔ اشتہار اخبارات کا ایک اہم جزبن گئے ہیں۔

آج اشتہار ایک ایسا مثلث ہے جسکے تینوں بازو افادیت کے حامل ہیں۔ ایک طرف قارئین کو بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے، تو دوسری طرف مشتہرین بھی فائدہ اٹھا لیتے ہیں اور تیسری طرف اخبار بھی اس سے مستفید ہو جاتا ہے۔ کتنے ہی بے کاروں کو ان کی وجہ سے نوکریاں ملتی ہیں۔ کتنی ہی ماں باپ کے کندھوں پر بار بنی لڑکیاں گھر سے اٹھ جاتی ہیں۔ کتنی ہی املاک کو ان کے ذریعہ مناسب قیمتیں آجاتی ہیں اور کتنے ہی اخبار ان کی وجہ سے زندہ ہیں۔ ویسے تو اس دنیا میں بے شمار اخبارات بے شمار زبانوں میں شائع ہو رہی ہیں لیکن ان میں چار بڑی اہمیت کے مالک ہیں۔ اور چار بڑی قوموں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ "الاھرام" قاہرہ کا اخبار ہے" آساہی شمبن" جاپان سے نکلتا ہے" ازولیستا بین" یہ روس کا ترجمان ہے' اور "نیویارک ٹائمز" امریکہ سے شائع ہوتا ہے۔ اخبار ایک ایسا آلہ ہے جس کے مطالعہ سے معلومات میں بے حد اضافہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں مختلف مضامین پائے جاتے ہیں۔ اخبار قوم کا ایک ایسا ہتھیار ہے جو آن واحد میں اسکی قسمت بدل کر رکھ دیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ انگلستان کے ایک اخبار میں ایک ایسی خبر چھپ گئی جس سے اس ملک کی قسمت ہی بدل گئی۔ یہ خبر صرف دو انچ چوڑے کالم میں چار انچ لمبی جگہ میں شائع ہوئی تھی۔ اور اسے پڑھکر وہاں کی رعایا اس طرح مشتعل ہو گئی کہ شاہ انگلستان کو اسکے محل سے کھینچ نکالا اور اسکی بوٹیاں اڑا دیں۔

بڑے لوگوں کا خیال ہے کہ جس قوم کے ہاتھ میں کوئی اخبار نہ ہو وہ قوم کبھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر قوم اپنا ایک اخبار رکھتی ہے اور اس کے ذریعہ اپنی آواز، اپنی شکایتیں اور اپنی ضروریات کا اظہار کرتی ہے۔ کسی ملک یا قوم کے مہذب ہونے کا اندازہ بھی اس حساب سے لگایا جاتا ہے کہ وہاں کے اخبار اور فرد کا کیا تناسب ہے۔ ہر ملک کی طرح ہندوستان میں بھی بے شمار اخبارات شائع ہو رہے ہیں۔ ہمارے ملک کے چند بڑے اخبارات کو بیرونی ممالک میں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور چند اخبار ایسے بھی ہیں جو چھوٹی موٹی تعداد میں بے شمار شائع ہو رہے ہیں۔ ہمارے ملک کا کوئی ایسا خطہ نہیں ہے جہاں تک اخبار نہ پہنچ پاتا ہو۔ اخبار کوئی قیمتی چیز بھی نہیں ہے، جس سے نادار محروم رہیں۔ اسکی قیمت زیادہ سے زیادہ دس پندرہ پیسے ہوتی ہے۔ اس کو مفلس بھی خرید سکتا ہے اور ہر قسم کی خبر سے واقف ہو سکتا ہے۔ اس کا مطالعہ جتنا وسیع ہوگا اتنی ہی علمی لیاقت پیدا ہوگی۔ اس کا مطالعہ سرسری طور پر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اس امر کا خیال رکھیں کہ ہم صرف داستان نہیں پڑھ رہے ہیں۔ ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ مختلف زمانوں میں علم واخلاق کا کیا معیار رہتا تھا۔ جس سے ہم کو علم وتہذیب کے مختلف شعبوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ جو شخص دنیا میں ناموری پیدا کرنا ہے وہ مطالعہ اخبار جاری رکھے۔ اس کے مطالعہ سے بڑے بڑے زمانہ ساز اشخاص کے حالات زندگی اور ان کا طریقہ کار اور ان کے کارنامے آئینہ کی طرح نظر آتے ہیں۔

ان اشخاص کے حالات اور ان کی کوششیں اور ان کی ہمت وجرأت کو دیکھیں۔ دیکھیں کہ وہ کس طرح اپنے مقصد کے لئے ہر تکلیف میں ثابت قدم رہتے تھے اور صبر و استقلال کے ساتھ سعی میں لگے رہتے تھے اور اپنے مقاصد میں کامیاب بامراد رہتے تھے۔ جب تک آدمی اخبار بینی کا عادی نہ بنے منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ آدمی اس کے مطالعہ سے ہزاروں سال کے واقعات اور مختلف زمانوں اور مختلف طبقات کے اشخاص سے ملاقات کرتا ہے۔ جس سے اس کے دل کی آنکھیں روشن ہوتی ہیں، ان کی باتیں اور حالات دیکھ کر اپنی زندگی کو آئینہ میں پیش کرتا ہے، جہاں تک ہو سکے ہمیں چاہیئے، کہ اس کا مطالعہ بہ تحقیقی نظر کریں۔ اور اپنی زندگیوں کی تشکیل میں اس سے استفادہ کریں۔

قرآن حکیم اور ہماری زندگی

از حافظ عبدالماجد عاقل سرا
زمرۂ ثالثہ
متعلم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان

اس تفصیل میں جانے سے پہلے ہم ان اصولی' اور بُنیادی رُموز پر غور کرنے کی فکر کریں' جہاں سے انسانی زندگی کی سرحدیں قرآنِ حکیم کی روشنی میں نظر آتی ہیں۔ سب سے پہلے انسان کو اپنے کئے ہوئے عہد و پیمان کو یاد کرنا ہوگا کہ کہاں تک اس نے اپنی بات کی لاج رکھ لی؟ اگر اس پر غور کرنے کی اتنی بھی فرصت نہیں ملتی ہو تو آئیے ہم اسی اقرار کو ازسرِ نو تازہ کریں۔ یہ کائنات ابھی عدم سے وجود میں نہیں آئی تھی کہ اس معبودِ حقیقی نے چاہا کہ کچھ مخلوق ایسی پیدا کرے جن کی عبادت سے لذّت کا سامان بنے بظاہر یہ کھیل معلوم ہوتا ہے لیکن جن کی آنکھیں حقیقت شناس ہیں وہ مطمئن ضرور ہیں۔

اب ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ ہم نے کونسی ایسی بات کہی تھی؟ اور کس بات پر ہم سے اقرار لیا گیا تھا سوچنے کے بعد ایک بھولی ہوئی بات کی یاد تازہ ہوتی ہے کہ ہمارے حقیقی معبود نے ہم سے ایکمرتبہ سب کو اکٹھا کر کے کہا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں) تو ہم نے بیک وقت بآوازِ بلند بَلٰی کا نعرہ لگایا تھا۔ (کیوں نہیں) مگر اسی وقت وہ

وہ زمانہ میں معزّز تھے مسلماں ہو کر
آج ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

بھی آپہنچا۔ کہ ہمیں اپنی بات یاد نہ رہی۔"

ہماری بھولی ہوئی باتوں کی یاد تازہ کرنے اور ہمارے غفلت کے پردوں کو چاک کرنے ہی کی غرض سے قرآن حکیم آیا ہے۔ اور اپنی شیریں زبانی میں یوں کہہ رہا ہے اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ ترجمہ بیشک یہ قرآن سیدھے راستے کی جانب ہدایت کرتا ہے اور خوش خبری دیتا ہے، ایمان لانے والوں کے لئے وہ لوگ جو عمل صالح کئے بےشک ان کے لئے اجرِ عظیم ہے۔" یہ ایک مختصر سا ترجمہ رہا اگر ہم اس کو تہ کو پہنچنا چاہیں تو ہمیں صرف اس ترجمہ سے اطمینان نہ ہوگا' بلکہ اس کا حقیقی مقصد اسی وقت حاصل کر سکینگے جبکہ اس پر غور و فکر کریں کہ یہ مفہوم کہاں سے لیا گیا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مفہوم کسی بشر کے دل و دماغ سے تراشا ہوا نہیں ہے۔ بلاتردد ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ کلام کسی ذاتِ حقیقی ہی کا ہوگا۔ جب عقلِ انسانی اس بات پر اپنا ہتیار ڈال دے اور کہے کہ اس کا مالک و مختار کوئی بشر نہیں ہے تو بلا خوف و خطر اس کا انتساب معبودِ حقیقی ہی سے کیا جائے گا سوا اس کے کوئی چارہ نہیں ہو سکتا۔ جب یہ حقیقت کھل کر ہمارے آگے آجائے تو سوچنا یہ ہے کہ اس کلام کی رسائی ہم تک کیسے ہوئی؟ آخر اس کا لانے والا کون ہوگا؟ قرآن کی صراحت ایک

20 1/2

انسان کے حق میں ہوتی ہے۔ جس شخص پر یہ قرآن حکیم نازل ہوا وہ ہمارا نبی اور پیغمبر ہے۔ اس کو ہم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نام سے موسوم کرتے ہیں (فداہ ابی وامی) قربان ہوں آپ پر ہمارے والدین۔

یہ تعلیمات جو ایک پیغمبر کے ذریعے ہمیں دی جا رہی ہیں، جو ایک لامتناہی تسلسل ہے اور یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ قرآن حکیم اس راستے کی ہدایت کرتا ہے جو سیدھا ہے اور ان مومنین کو جو عمل صالح کرتے ہوں بشارت کا پیغام سناتا ہے کہ ان کے لئے بہت بڑا ثواب ہے۔ جو کچھ خوشخبری دی جا رہی ہے دنیوی عیش و عشرت کی ترغیب نہیں بلکہ اس میں اخروی زندگی کا راز مضمر ہے۔ قبل اس کے کہ قرآن مجید پر کچھ لکھا جائے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ کتب آسمانی میں اہمیت کس کو حاصل ہے۔

اس مختصر سوال کا یہی جواب ہو سکتا ہے کہ وقت کا تقاضا اپنی ضروریات کو مد نظر رکھتا ہے۔ یوں تو وقت کی مناسبت سے اُس اُس دور کے لحاظ سے آسمانی کتابیں اُتاری گئی ہیں جن پر ہمارا ایمان ہے۔ جب ہم کتب الٰہی کا موازنہ کرتے ہیں تو یہ بات پوشیدہ نہیں رہتی کہ قرآن شریف ساری کتابوں پر فوقیت لے جاتا ہے۔ یہ طرۂ امتیاز قرآن شریف ہی کے سر ہے۔ یہ بالکل آخری کتاب، چنانچہ ہماری زندگی کے سچے نمونے اسی میں ملتے ہیں۔ قدم قدم پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔

اور عمل صالح کی تلقین کی جاتی ہے اور یہی تعلیم ہماری زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیتی ہے، گویا انسان جس میں ذرہ بھی شعور ہو اپنے مختلف اوقات میں مختلف آزمائشوں سے بچنے کی تدبیریں کرتا ہے۔ چنانچہ وہ تدابیر پھولوں کی شکل میں زبان الٰہی سے یوں جھڑتی آتی ہیں، ملاحظہ ہو:-

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝ (ترجمہ) اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا و آخرت میں بھلائیاں عطا فرما اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا۔" کہیں زندگی گذارنے کا سلیقہ سکھلایا جا رہا ہے۔ اور کہیں آئندہ اٹھنے والے فتنوں سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ یہاں تک تو مختصراً اپنا بھولا ہوا دین اور اپنے کئے ہوئے اقرار کی فراموشی کی طرف نشان دہی کی گئی۔ پھر ذرہ ہٹ کر وہ کتاب جس پر ہماری زندگی کا دارومدار ہے اس کی تعلیم بھی جامع الفاظ میں اسی کتاب کی زبان میں پیش ہوئی۔ اور ذرہ آگے بڑھ کر طالبین قرآن اور مستحقین اور غیر مستحقین کی وضاحت کی گئی۔ کتب آسمانی میں قرآن حکیم کی برتری کو مدِ نظر رکھا گیا۔ ان سب سے علیحدگی اختیار کر کے اب قرآن حکیم کی تعلیم پر مختلف پہلوؤں سے نظر ڈالی جا رہی ہے۔ آئیے اب اس پہلو کو سمجھنے کی فکر کریں۔ کہ جس میں روزمرہ کی زندگی کے اسرار و رموز پنہاں ہیں، ان کے استعمال کی کہاں تک اجازت مل رہی ہے چنانچہ قرآن حکیم اس طرح ہمکلام ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ۝

(ترجمہ) اے ایمان والو! دوسروں کے گھروں میں نہ داخل ہو، یہاں تک کہ اجازت طلب کرو اور سلام کرو تم ان گھر والوں پر یہ بہتر ہے تمہارے لئے شاید کہ تم نصیحت اختیار کرنے والے ہو۔

آداب سکھائے جا رہے ہیں کہ کسی کے گھر میں بلا اجازت نہ داخل
ہوجاؤ اور داخل ہونا چاہتے بھی ہو تو ایسے ہی داخل نہ ہوجاؤ
بلکہ اسلامی تعلیم کو مدنظر رکھا کرو۔ یعنے السلام علیکم کہا کرو۔
تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیمات
نے وقت کی مناسبت سے لوگوں کو تعلیم دی ہے۔ چنانچہ آپ انسانی
زندگی کو قرآنی تعلیم میں مضمر پاوینگے۔ قرآن حکیم میں وَلَا
تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا (ترجمہ)
نہ جاسوسی کرو تم اور نہ غیبت کرے تم میں کا بعض بعض پر"۔
اس سے یہ بات معلوم ہوی کہ دوسروں کی ٹوہ میں ہرگز نہ لگے
رہیں اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرتے پھریں ورنہ اس کا
اثر اپنے اعمال پر پڑیگا۔ دوسری جگہ غض بصر کا حکم دیا گیا
جیسا کہ یہ آیت کریمہ بتلا رہی ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا
مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ (ترجمہ) کہہ
دیجیے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کو کہ جھکائے رکھیں وہ اپنی
نظروں کو اور حفاظت کریں وہ اپنی شرمگاہوں کی غیر محرم
عورتوں سے یہ دیکھا کیا جانا پیش خیمہ ہے معاشرہ کے بگڑ جانے کا
مذکورہ بالا آیتوں کی تصویر میں دکھائی گئی۔ اب ان آیات کے
سمجھنے میں کوئی اشکال باقی نہ ہوگا چنانچہ انہیں سے ملحق آیتیں
یہ بتا رہی ہیں کہ صرف اسلام کا کہہ دینا کافی نہ ہوگا بلکہ جواب کا
بھی انتظار کیا جائے۔ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَا اَحَدًا
فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ
ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
عَلِيْمٌ (ترجمہ) اگر تم ان میں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو یہاں

تک کہ تم کو اجازت دے دی جائے اور اگر کہا جائے تم سے کہ
لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جاؤ، یہی بہتر ہے تمہارے لئے اور اللہ تعالیٰ
جو کچھ کہ تم کرتے ہو جاننے والا ہے۔" آگے چل کر اور بھی اعلیٰ
و ارفع طریقے سے تعلیم دی جا رہی ہے اور یہ کہا جا رہا ہے کہ اے
مومنو! اگر اجازت مل بھی جائے، جو تمہارے داہنے ہاتھوں کے
مال کہلاتے ہیں ان پر یہ لازم ہے کہ تین وقتوں میں اس بات
کا خیال رکھے کہ کچھ معینہ اوقات میں جس میں کسی کو داخل ہونے
کی مطلق اجازت نہیں ہے وہ اوقات یہ ہیں کہ فجر کی نماز سے
قبل جبکہ انسان اپنے کپڑے اُتار رکھتا ہوا ور بستر نہ چھوٹا ہو
دوپہر اور عشا کی نماز کے بعد جو عام طور پر خلوے کا وقت ہے
اور رات آرام طلبی کی ہوتی ہے، یہ اوقات ایسے ہیں کہ ان میں
انسان اپنے نفسانی خواہشات کی تکمیل چاہتا ہے اور تمہارے
ہاتھ کے مال کہہ کر یہ کہا گیا کہ وہ لونڈی اور غلام ہیں۔ انہیں
بھی اگر گھر میں داخل ہونا ہو تو مذکورہ اوقات میں اجازت طلب
کرنا ضروری ہے۔ اس حد تک بھی بتایا گیا کہ وہ بچے جو سن
شعور کو نہ پہنچے ہوں تو ان کو بھی اوقاتِ معینہ میں اجازت طلب
کرنا لازمی ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے یاایھا الذین آمنوا
لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم
یبلغوا الحلم منکم ثلث مرات من قبل صلوٰۃ
الفجر وحین تضعون ثیابکم من الظہیرۃ و
من بعد صلوٰۃ العشاء (ترجمہ) اے ایمان والو! چاہیئے
کہ اجازت طلب کریں وہ تم سے جن کے مالک بنے تمہارے
داہنے ہاتھ اور وہ لوگ جو تم میں سے ابھی سن شعور کو نہ پہنچے

تین مرتبہ فجر کی نماز سے پہلے اور جس وقت کہ تم اپنے کپڑے اتار رکھتے ہو ظہر میں اور عشاء کی نماز کے بعد۔"

ناظرین! ان تعلیمات پر کیوں نہ قربان جائیں، کیا ہی عمدہ طریقے سے زندگی کے سلیقہ سکھائے جا رہے ہیں۔ بس ان تعلیمات کی فراموشی نے انسانیت کا خاتمہ بڑی بے دردی کے ساتھ کیا جس کے نتیجہ میں انسان آج مفلوک الحال در در کی خاک چھانتا پھرتا نظر آرہا ہے۔ نہ کہیں سکون ہے اور نہ کہیں چین نصیب ہے۔ اس سکون کی تلاش میں انسانیت غریب الوطن بن کر گشت کر رہی ہے، نہ کہیں آسرا ہے اور نہ کہیں امن حاصل ہے۔

سچ پوچھیں تو امن وسکون احکام الٰہی اور تعلیمات رسولؐ کے رازوں میں مستتر ہے۔ انسان آج قرآنی تعلیمات سے دور ہے۔ اب بھی وقت کچھ نہیں گیا ہے قرآن حکیم کی تعلیمات پر صحیح معنوں میں عمل پیرا ہو جائیں تو ہماری دنیوی و اُخروی زندگیاں سنور سکتی ہیں جیسا کہ کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

نہ گھبراؤ مسلمانو، خدا کی شان باقی ہے
ابھی اسلام زندہ ہے ابھی قرآن باقی ہے

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

(بسلسلۂ اقوال زرین صفحہ ۱۶۴)

۱۸۔ جو آدمی فطرتاً برا ہوگا اس پر اچھوں کی صحبت بھی کچھ اثر نہ کرے گی جیسے مچھلی اگرچہ دریا میں رہتی ہے۔ مگر اس کی بدبو دور نہیں ہو سکتی (صائب)

۱۹۔ کانٹوں بھری شاخ کو ایک پھول خوبصورت بنا دیتا ہو اور غریب گھر کو نیک شعور عورت جنت بنا دیتی ہے۔ (گولڈاسمتھ)

۲۰۔ دو چیزوں کی قدر ان کے چلے جانے کے بعد ہوتی ہے۔
صحت و شباب

۱۔ تم لوگ کہیں بھی ہو موت آکر رہے گی، خواہ پتھر کی مضبوط عمارتوں (برجوں) میں خود کو مقید کرلو۔ (قرآن کریم)

۲۔ جب بھی فیصلہ کرنے لگو تو عدل وانصاف ہاتھ سے نہ جانے دیا کرو۔ اللہ تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے اور بیشک اللہ دیکھتا اور سنتا ہے۔ (")

۳۔ مومن کو تکلیف پہنچانا خدا کے نزدیک کعبہ اور بیت المعمور گرانے سے پندرہ گنا زیادہ برا ہے (حدیث شریف)

۴۔ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہوجاتا ہے، مگر تین قسم کے اعمال کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے، وہ صدقۂ جاریہ کرجائے۔ ایسا علم چھوڑ جائے جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔ نیک لڑکا جو اس کے لئے دعا کرتا رہے۔ (")

۵۔ تم میں سب سے خراب وہ ہے جس کے اخلاق اچھے نہیں ہوں (")

۶۔ وہ شخص مومن نہیں ہے جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی جو اس کے پہلو میں رہتا ہو بھوکا رہے (")

۷۔ میں کبھی مردوں کو زندہ کرنے سے نہیں گھبرایا مگر ایک احمق اور نادان کی اصلاح سے عاجز آگیا (حضرت عیسیٰؑ)

۸۔ وہ شخص جس سے دل میں برائی ہے وہ بھلائی نہ پائے گا اور جس کی زبان میں نکتہ چینی ہے وہ کبھی آزاد نہ ہوسکے گا۔ (حضرت سلیمانؑ)

۹۔ جب کوئی قوم جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کردیتی ہے [illegible] ہوجاتی ہے۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)

۱۰۔ طالب دنیا کو پڑھانا ڈاکو کے ہاتھ میں تلوار دینے کے برابر ہے۔ (حضرت عمر فاروقؓ)

۱۱۔ جس شخص کا راز اس کے سینے میں سما نہیں سکتا اس سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے۔ (حضرت علیؓ)

۱۲۔ انسانوں سے محبت کرنا در اصل خدا سے محبت کرنا ہے اور انسانوں کی خدمت ہی در اصل خدا کی خدمت ہے (عقبہ بن یوسف)

۱۳۔ جو شخص وقت کو برباد کردیتا ہے، وقت اسے برباد کردیتا ہے۔ (شکسپیر)

۱۴۔ جو جوانی میں کام نہ کرے اور فضول تضییع اوقات کرے خداوند کریم بڑھاپے میں اسے ذلیل کرتا ہے (حضرت ابوعبداللہ تروعندی)

۱۵۔ نصیحت جب حد سے زیادہ بڑھے تو وہ تہمت بنجاتی ہے۔ (افلاطون)

۱۶۔ جو شخص ناکامی کا تلخ گھونٹ پینے کو تیار نہیں ہے، اس سے کامیابی کا آب شیریں کبھی بھی نہ مل سکے گا (جواہر لال نہرو)

۱۷۔ گناہ کا آغاز مکڑی کے "تار" کے مانند نازک ہوتا ہے، لیکن انجام جہاز کے رسّے کے مانند مضبوط اور ناقابلِ شکست ہوتا ہے۔ (عقبہ بن یوسف)

(بقیہ بر صفحہ ۱۶۳)

مسکراہٹیں

از
سید حفیظ پیران حسینی ہنگوری
زمرۂ اولیٰ متعلم
مدرسۂ لطیفیہ حضرت مکان ویلور

۱۔ ایک شاعر مدت سے حجامت نہیں بنوا رہا تھا۔ اس کے سر پہ بال بڑے بڑے ہو گئے تھے۔ اس کے ساتھیوں کو مذاق سوجھا اور کہنے لگے، حضرت! آپ کے سر پہ گھاس اُگ آئی ہے شاعر نے برجستہ جواب دیا غالباً اسی لئے میرے اطراف گدھے جمع ہو گئے ہیں۔

۲۔ ایک نابینا قوال جس کا نام تھا دولت ایک مرتبہ تیمور لنگ کے دربار میں حاضر ہوا۔ تیمور لنگ نے کہا، دولت بھی اندھی ہوتی ہے۔ قوال نے جواب دیا اگر اندھی نہ ہوتی تو تم جیسے لنگڑوں کے پاس کیوں آتی؟

۳ نوکر (دکاندار سے) لالہ جی گھی کے ٹن میں چوہے کا بچہ گر گیا ہے۔ دکاندار۔ تو اسے نکال دو۔
نوکر۔ جی نہیں! میں نے ٹن میں بلی کا بچہ ڈال دیا ہے۔ کھا گیا ہوگا۔

۴۔ راہ گیر (لڑکے سے) تم کیسے گالیاں دے رہے ہو۔ اگر تمہارا باپ سُن لے گا تو کیا ہو گا؟
لڑکا۔ ہو گا کیا، سنیں گے تو خدا کا شکر ادا کریں گے۔
راہ گیر۔ وہ کیسے؟
لڑکا۔ جناب، وہ تو بیس سال سے بہرے ہیں۔

۵ مالکِ مکان (چوکیدار سے) تمہاری موجودگی میں چوری ہو گئی اور تم نے دیکھا بھی نہیں۔
چوکیدار (ہاتھ جوڑ کر) دیکھا تو تھا لیکن ---!
مالک (غصہ سے) لیکن کیا جلد بتاؤ۔
چوکیدار۔ اپنے بزرگوں سے سنتے آئے ہیں، اگر کوئی شخص بُرا کام کر رہا ہو اور تمہاری نظر اس پہ پڑ جائے تو آنکھ بند کر لو۔

۶ ایک ظالم بادشاہ ایک مرتبہ تفریح کے لئے باہر نکلا، دیکھا کہ درخت کے نیچے ایک لڑکا بیٹھا ہوا ہے۔ اس سے پوچھا اس ملک کا بادشاہ ظالم ہے یا عادل۔ لڑکے نے کہا زیادہ ظالم ہے۔ بادشاہ نے کہا کیا تو مجھ کو جانتا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ کہا میں اس ملک کا بادشاہ ہوں۔ لڑکا خوف کے مارے کہا کیا تو مجھ کو جانتا ہے۔ کہا نہیں۔ کہا میں فلاں سوداگر کا بیٹا ہوں جو ایک ماہ میں تین مرتبہ دیوانہ ہوتا ہوں۔ ان میں سے یہ بھی ایک دن ہے۔ بادشاہ یہ سن کر مسکرایا اور کچھ نہ کہا۔

۷ بعض عورتیں اپنے شوہر کا نام نہیں لیتیں۔ جب کبھی ایسی ضرورت پڑتی ہے تو بیٹا یا بیٹی کے نام سے منسوب کر دیتی ہیں چنانچہ ایک واقعہ ہے کہ ایک بیوی کے شوہر کا نام رحمت اللہ تھا۔ جب کبھی وہ نماز پڑھ کر سلام پھیرتیں تو رحمت اللہ کی بجائے

اپنے بیٹے کا نام لگا دیتی، یعنی السلام علیکم رحمت اللہ کی بجائے السلام علیکم اے چنو کے باپ کہہ دیتی۔

۸ مجسٹریٹ۔ تم کو چوری کرنے کی بنا پر ایک ماہ کی سزا دی جاتی ہے۔

ملزم۔ حضور، خوشی سے اور دو چار ماہ بڑھا دیجئے کیونکہ آج کل راشن بہت مہنگا ہے۔

۹ ایک مسافر (کنڈکٹر سے) اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اے صاحب، کیا یہ گاندھی روڈ ہے۔

کنڈکٹر (مسافر سے) جی، یہ گاندھی روڈ نہیں، بلکہ یہ میرا کندھا ہے۔

۱۰۔ ایک قاضی صاحب کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ اتفاقاً کتاب میں آگیا کہ جس کا سر چھوٹا اور داڑھی لانبی ہو، وہ بے وقوف ہے۔ قاضی صاحب کا سر چھوٹا اور داڑھی لانبی تھی۔ لہٰذا گھبرا گئے اور سوچنے لگے کہ سر بڑا تو نہیں کر سکتے۔ البتہ داڑھی لانبی ہے چھوٹی کر سکتے ہیں۔ قینچی تلاش کیا نہیں پایا۔ آدھی داڑھی ہاتھ میں پکڑ کر چراغ کے پاس لے گئے اور اس کو جلانے لگے۔ آدھی داڑھی کی بجائے پوری داڑھی جل گئی۔ خود بخود قاضی صاحب بے وقوف بن گئے۔

۱۱ ماں (لڑکے سے) بیٹا تم مرغ کہاں لے جا رہے ہو۔

لڑکا (ماں سے) مدرسہ کو لے جا رہا ہوں، کیونکہ استاذ مجھ کو ہمیشہ مرغا بنایا کرتے ہیں، آج میں انہیں صحیح مرغ ہی لے جا کر پیش کر دوں تاکہ وہ مجھے مرغا نہ بنائیں۔

۱۲ لوگوں نے ایک بے وقوف کو اندھیری رات میں دیکھا کہ کوئی چیز تلاش کر رہا ہے۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ تو کیا ڈھونڈھ رہا ہے۔ اس نے کہا سوئی ڈھونڈھ رہا ہوں جس کو میں نے میرے گھر میں کھویا ہے۔ پھر لوگوں نے اس سے کہا کہ اے بے وقوف گھر کی گمشدہ چیز کو گلی میں کیوں تلاش کر رہا ہے، تو اس نے کہا کیا کروں میرا گھر اندھیرا ہے اور میرے پاس چراغ بھی نہیں ہے۔

۱۳۔ استاد۔ حفیظ، تم آج کل جغرافیہ کیوں یاد نہیں کرتے ہو؟

حفیظ۔ جناب میں نے جغرافیہ یاد کرنا چھوڑ دیا کیونکہ میرے ابا جان نے مجھ سے کہا کہ عنقریب دنیا کا نقشہ بدل جائیگا۔

۱۴۔ حفیظ۔ بتاؤ وہ کونسی چیز ہے جو بغیر منہ میں ڈالے کے کھائی جاتی ہے۔

رزاق۔ جی! وہ تو بہت مزیدار چیز ہے، جو استاد صاحب ہمیشہ سبق نہ یاد کرنے کی وجہ سے ہمیں عطا کرتے ہیں۔ یعنی — مار!

تمت